دسمبر 2022

خواتین کے لیے صاف ستھرا تفریحی ادب

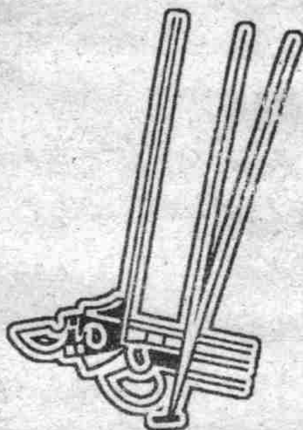
ماہنامہ

آنچل

کراچی

aanchal.com.pk

عید



پبلشر مشتاق احمد قریشی پرنٹر جمیل حسن مطبوعہ ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی

دفتر کا پتا: مکان نمبر B-1 مدینہ اسٹریٹ بلمقابل انٹر بورڈ آفس، نارتھ ناظم آباد کراچی 74700



سرورق ...... حمیرا مغل آرائش ...... روز بیوٹی پارلر عکاسی ...... موسیٰ رضا

مستقل سلسلے

03008264242 یکے از مطبوعات نئے افق پبلی کیشنز ای میل: Info@naeyufaq.com

Www.naeyufaq.com

editor_aa@naeyufaq.com
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

سرگوشیاں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دسمبر 2022ء کا آنچل آپ کے ذوق مطالعہ کی نذر ہے۔

رواں سال سن بیس بائیس بھی نہایت تیزی سے اپنے اختتام کی جانب گامزن ہے۔ آنکھ بند کر کے کھولیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ابھی تو سال شروع ہوا ہے پر درحقیقت سال اپنے اختتامی ماہ میں ہے۔ اس رواں سال میں ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا اس کا اندازہ ہم صحیح طریقے سے نہیں کر پا رہے۔ ہم اگر مجموعی جائزہ لیں تو اندازہ ہو جائے گا کہ ہمارے ہاتھ خسارے ہی آئے ہیں اور وہ بھی اپنی غفلت کے باعث۔

موسم سرما کی آمد کے ساتھ ہی گزشتہ روز شہر کراچی میں بارش کی آمد کے ساتھ ہی چلنے والی ٹھنڈی ہواؤں نے شہریوں کو سردیوں کی آمد سے خبردار کر دیا کہ شہری ہوشیار ہو جائیں اور موسم سرما کے استقبال کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ہم بچپن سے اپنے بزرگوں سے سنتے آ رہے ہیں کہ آتی سردی سے حفاظت لازمی ہے کیونکہ یہ اپنے ساتھ بہت سے موسمی بیماریاں بھی ساتھ لاتی ہے جس سے چھوٹے بچے اور بزرگ حضرات زیادہ متاثر ہوتے ہیں اس لیے ہمیں چاہیے کہ اس سردی سے بچنے کے لیے خاص اہتمام کریں۔ گرم کپڑوں اور دیگر لوازمات کا بھی خیال رکھیں۔

موسم سرما کی آمد کے ساتھ ہی ملک میں گیس کی لوڈ شیڈنگ بھی شروع ہو گئی ہے، بجلی اور پانی کی قلت کے ساتھ اب شہریوں کو گیس کی لوڈ شیڈنگ کا بھی سامنا کرنا پڑے گا اور اس پر ستم ظریفی تو یہ ہے کہ گزشتہ دنوں ایک خبر ہماری نظر سے گزری کہ گیس کی قیمتوں میں اضافہ کیا جا رہا ہے۔ اب بچارے غریب عوام کہاں جائیں، کیسے اس مہنگائی کے بے لگام گھوڑے کو اپنے قابو میں کریں۔ تاجر حضرات اور ناجائز منافع خور تو یہ کہہ کر اپنی اشیاء مہنگے داموں فروخت کر دیتے ہیں کہ ہم کیا کریں ڈالر مہنگا ہو گیا ہے، پیٹرول مہنگا ہو گیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس سے متاثر کون ہو رہا ہے، بچارے غریب عوام اور ہم جیسے اوسط درجے کے عوام بھی اپنی سفید پوشی قائم رکھنے کے لیے دن رات کوشاں ہیں۔

اس ماہ نازیہ کنول نازی کی قسط ''وہ جو عشق تھا'' ناساز طبیعت کے باعث شامل اشاعت نہیں اور بہن رفاقت جاوید ''خلفاء راشدین'' کے سلسلے میں امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ کے ساتھ شامل اشاعت ہیں۔

دعا گو ہیں کہ اللہ سبحان وتعالیٰ ہمارے وطن عزیز کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے آمین۔

اس ماہ کے ستارے:۔

فرح بخاری، صباحت رفیق چیمہ، ثناء احسان، ہما قریشی، تنزیلہ احمد، سحر گل۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

مدیرہ

سعیدہ نثار

حمد

جھکا کر سر بہ چشم نم میں در پہ تیرے حاضر ہوں
لبوں پہ آ گیا ہے دم میں در پہ تیرے حاضر ہوں

حطیم و ملتزم ہیں سامنے سجدے مقدر کر
جبیں کو کر رہی ہوں خم میں در پہ تیرے حاضر ہوں

ہے قسمت اوج پہ میری کہ میرا میزباں تو ہے
عطا کی بارشیں شاہم میں در پہ تیرے حاضر ہوں

احد ہے تو مرے آقا الا اللہ بھی تو ہے
تو کر دے مجھ کو اس میں ضم میں در پہ تیرے حاضر ہوں

طلب شہناز کو ہے دید کی نورِ بصیرت دے
نہیں ہے کوئی بھی اب غم میں در پہ تیرے حاضر ہوں

نعت

امتی امتی امتی امتی
وقت نزع زباں پر یہی بات تھی

رات بھر رو کے سجدوں میں کی التجا
کہہ دے امت مری تو نے ہے بخش دی

رب نے مخصوص لوگوں کو تھا چن لیا
جن سے نوری محمد ﷺ کی امت بنی

آپ نے ہے شفاعت کا وعدہ کیا
روز محشر گواہی بھی دیں گے وہی

مومنوں یہ بشارت ہے سب کے لیے
رب ہے ان کا ولی جن کے ہیں یہ نبی ﷺ

میں ہوں رحمان تو اب آئی ندا
رب نے آواز شہناز کی جو سنی

(ڈاکٹر شہناز مزمل)

editor_aa@naeyufaq.com
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

در جوابِ آں

مدیرہ

نازیہ کنول نازی ...... ہارون آباد

ڈیئر نازیہ! سلامت رہو، آپ اور آپ کی بیٹی کی ناساز طبیعت کا علم ہوا، اسی باعث آپ اس ماہ قسط بھی نہیں لکھ پائیں۔ ہم دعا گو ہیں کہ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ اور بیٹی کو صحت کاملہ عطا فرمائے اور آپ کی تمام تر مشکلات کو اپنے فضل وکرم سے راحت میں بدل دے آمین۔ تمام بہنوں سے بھی دعائے صحت کے ملتمس ہیں۔

رفاقت جاوید ...... اسلام آباد

ڈیئر رفاقت! سدا سہاگن رہو، آپ کی نئی کتاب ''جلا وطن یادیں'' کتابی صورت میں شائع ہوکر بازار میں دستیاب ہے سن کر خوشی ہوئی کہ آج کے اس دور میں بھی اچھی اور معیاری کتابیں شائع ہورہی ہے۔ اس کے ساتھ فروخت بھی ورنہ تو مفت میں پڑھنے والوں اور مفت میں پڑھانے والوں نے تو لکھنے اور اشاعتی اداروں کو جتنا نقصان پہنچایا ہے یہ بس اللہ سبحان وتعالیٰ ہی جانتا ہے۔

فاخرہ گل ...... اٹلی

پیاری فاخرہ! سدا شاد وآباد رہو، آنچل میں کئی ماہ تک شائع ہونے والا سلسلہ وار ناول ''ذرا مسکرا میرے گمشدہ'' طویل عرصے کے انتظار کے بعد کتابی صورت میں شائع ہونے کی خبر سن کر خوشی ہوئی اور آپ کو دلی مبارک باد بھی۔ اب ہم امید کررہے ہیں کہ آپ جلد ہی کاغذ وقلم سے دوبارہ ناتا جوڑ کر اپنے پڑھنے والوں اور ہمارے لیے ناول لکھ کر بھیج دیں گے۔ ہم دعا گو ہیں کہ آپ دوبارہ سے جلد لکھنا شروع کردیں۔

نزہت جبین ضیاء ...... کراچی

پیاری نزہت! سدا سہاگن رہو، آپ کے شوہر نامدار کی ناسازی طبیعت کے بارے پتا چلا تو بے اختیار دل سے دعا نکلی کہ اللہ سبحان وتعالیٰ بھائی کو صحت وتندرستی والی عمر دراز عطا فرمائے اور ان کا سایہ تادیر آپ اور بچوں کے سر پر قائم رکھے آمین۔

عشنا کوثر سردار ...... کراچی

ڈیئر عشنا! سدا مسکراتی رہو آپ کی بھابی کی ناساز طبیعت کے بارے میں علم ہوا کہ ان کو ڈینگی ہوگیا ہے، ہم دعا گو ہیں کہ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کی بھابی کو صحت وتندرستی والی عمر دراز عطا فرمائے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آپ جلد آنچل کے صفحات کے لیے مکمل ناول لکھ کر بھیجیں گی، ماشاء اللہ آپ کا سلسلے وار ناول نئے افق میں کئی ماہ سے شائع ہورہا ہے اور قارئین میں پسندیدگی بھی حاصل کررہا ہے۔

قرۃ العین سکندر ...... چنیوٹ

پیاری قرۃ! شاد وآباد رہو، آپ کی اور بیٹی کی ناساز طبیعت کے بارے میں جان کر دعا گو ہوئے کہ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ اور بیٹی کو صحت وتندرستی والی عمر دراز عطا فرمائے اور آپ کی تمام مشکلات کو آسانی میں بدل کر راحت وسکون عطا فرمائے آمین۔

طیبہ عنصر مغل ...... راولپنڈی

ڈیئر طیبہ! سدا آباد رہو، آپ کے سسر کی رحلت کا سن کر دکھ وافسوس ہوا، اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرما کر ان کی مغفرت وبخشش فرما دے آمین۔

مہوش اسد شیخ ...... فیصل آباد

پیاری مہوش! جیتی رہو، آپ کی والدہ کی ناساز طبیعت کا پڑھ کر ہم دعا گو ہیں کہ اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کی والدہ کو صحت کاملہ عطا فرمائے ان کا سایہ محبت آپ کے سر پر تادیر قائم رہے تندرستی کے ساتھ آمین۔

سمعیہ رانی ...... ملتان

ڈیئر سمعیہ! جگ جگ جیو، آپ کی کافی عرصہ کے بعد آمد اچھی لگی، اسی طرح وقت نکال کر شرکت کرتی رہا کریں۔ آپ کی کہانی ''پتلی تماشہ'' موصول ہوگئی ہے ان شاء اللہ باری آنے پر پڑھ کر بتادیں گے اور پہلی منتخب کہانی بھی باری آنے پر شائع کردی جائے گی آپ فکر نہ کریں اور اپنا بہت خیال رکھیے گا۔

نوشی مغل ...... جلالپور بھٹیاں

ڈیئر نوشی! سدا مسکراتی رہو، اس سے پہلے ہمیں آپ کا کوئی بھی خط نہیں ملا اور اب ملا ہے تو جواب بھی حاضر ہے۔ آپ کو مستقل قاری بننے کے لیے کسی بھی اجازت کی ضرورت

نہیں ہے یہ پرچا آپ کا ہی ہے، اس کو سجایا اور سنوارا بھی آپ ہی کے لیے اور آپ ہی کی نگارشات سے جاتا ہے۔ امید ہے اب آپ ہر ماہ ہی شامل اشاعت رہا کریں گی۔ امید ہے کہ دھرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی کیوں ٹھیک کہانا۔

عصمت نلز ...... کراچی

پیاری عصمت! آباد رہو، آپ کی کہانی ''خوب سیرت'' پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے اور اس کے لیے آپ کو نامور افسانہ نگاروں کو زیر مطالعہ رکھنا ہوگا جس سے آپ میں لکھنے کی صلاحیت بڑھے گی اور یہ بھی سیکھنے کو ملے گا کہ افسانہ نگاری کیسی کی جاتی ہے۔

رشنا اختر ...... محمود کوٹ

پیاری رشنا! جیتی رہو، آپ کی کہانی ''رت بدلنے والی ہے'' پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مطالعہ و مشاہدے کی اشد ضرورت ہے۔ فی الحال آپ لکھنے پر توجہ کم کر کے پڑھنے پر رکھیں، نامور افسانہ نگاروں کو پڑھیں اس سے آپ میں لکھنے کی صلاحیت میں اضافہ ہوگا۔

شائستہ عبدالستار ...... کراچی

ڈیئر شائستہ! مسکراتی رہو، آپ کی کہانی ''ٹوٹا چشمہ'' پڑھ کر اندازہ ہوا ہے آپ کو ابھی مزید محنت کی ضرورت ہے آپ نے موضوع کا انتخاب بھی کچھ خاص نہیں کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ بہت سی خامیاں بھی نظر آئیں، ہمیں تو حیرت ہو رہی تھی یہ کہانی پڑھ کر کیونکہ آپ کی پہلے بھی ایک کہانی حجاب میں شائع ہو چکی ہے اور دوسری کہانی ''بھوک'' منتخب ہو چکی ہے ان شاء اللہ اس کو باری آنے پر شائع کر دیں گے۔ محنت جاری رکھیں مطالعہ کے ساتھ۔

علیزہ زبیر ...... جہلم

پیاری علیزہ! شاد رہو، آپ کی کہانی بہت ہی حساس موضوع پر لکھی گئی تحریر تھی جسے آپ صحیح طریقہ سے سنبھال نہیں پائیں اور اس موضوع پر کچھ بھی شائع کرتے ہوئے بہت ڈر لگتا ہے اس لیے اس کہانی کے لیے معذرت قبول کیجیے کسی اور موضوع پر قلم اٹھائیں اور لکھ کر بھیج دیں کوئی ہلکی پھلکی تحریر پر مزاح سی امید ہے تشفی ہو پائے گی۔

کومل صادق ...... ڈاک خانہ جھونگل

پیاری کومل! سدا مسکراتی رہو، آپ کی کہانی ''خواب سے تعبیر تک'' منتخب ٹھہری جس پر آپ کو مبارک ہو اور اس کے ساتھ ہی آپ کو اپنا مطالعہ وسیع کرنا ہے اور محنت بھی جاری رکھنی تا کہ آپ اس سے بھی بہتر لکھ پائیں۔ اس کی نوک پلک درست کر کے باری آنے پر شائع کر دیں گے اور آپ نے شائع ہونے کے بعد پڑھنا ہے تا کہ آپ کو اندازہ ہو سکے کہاں کہاں رد و بدل کیا گیا ہے۔

طیبہ تبسم ...... سیالکوٹ

ڈیئر طیبہ! جگ جگ جیو آپ کی کہانی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مطالعہ اور سخت محنت کی ضرورت ہے آپ فی الحال لکھنے پر توجہ کم کر کے پڑھنے پر زیادہ رکھیں اور نامور افسانہ نگاروں کو پڑھیں تا کہ آپ کے لکھنے کی صلاحیت میں نکھار پیدا ہو پائے۔

ماریہ اکرم خان ...... گڈاپ، کراچی

پیاری ماریہ! مسکراتی رہو، آپ کی کہانی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو لکھنا نہیں صرف پڑھنا ہی چاہیے اور وہ بھی پوری توجہ کے ساتھ کیونکہ آپ نے ایک تو موضوع کا انتخاب بھی کچھ خاص نہیں کیا اور دوسری بات کہانی اتنی مختصر تھی کہ کچھ سمجھ نہیں آیا کہ آپ کیا لکھنا چاہ رہی تھی یا کیا پیغام دینا تھا۔ امید ہے آپ کی تشفی ہو پائے گی۔

مہرین کنول ...... کراچی

پیاری مہرین! شاد رہو، آپ کی طرف سے موصول شدہ دو کہانیوں میں سے ایک کہانی ''کفایت شعاری'' نے منتخب ہونے کی سند حاصل کر لی جبکہ دوسری کہانی ''چلی آؤ اب شام ڈھلنے لگی'' کے لیے معذرت قبول کیجیے۔ منتخب شدہ کہانی ان شاء اللہ باری آنے پر جلد شائع کر دی جائے گی۔

عائشہ حبیب ...... ڈھول قریشیاں

پیاری عائشہ! سلامت رہو، آپ کی طرف موصول شدہ کہانی کے لیے معذرت قبول کیجیے۔ ابھی آپ کو مزید محنت اور مطالعہ کی ضرورت ہے۔ آپ اپنے زیر مطالعہ نامور ادیب اور افسانہ نگاروں کو رکھیں تا کہ آپ لکھنا اور کہنا سیکھ پائیں۔

شاہدہ پروین ...... گولارچی، بدین

ڈیئر شاہدہ! جگ جگ جیو، آپ کی ارسال کردہ کہانی موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مطالعہ اور محنت کی سخت ضرورت ہے۔ آپ فی الحال لکھنے پر توجہ کم کر کے مطالعہ پر زور دیں اور اس کے لیے آپ نامور افسانہ نگاروں اور ادیبوں کی کاوش پڑھیں اس سے آپ کو بہت مدد اور سیکھنے کو

ملے گا۔

سمیرا سرفراز...... کراچی

ڈیئر سمیرا! مسکراتی رہو، کافی عرصہ کے بعد آپ کی کاوش موصول ہوئی، امید ہے سب بخیر ہی ہوگا اللہ سبحان وتعالیٰ کے فضل سے۔ آپ کی ارسال کردہ کہانی "جہاں دل جھکے" منتخب ہونے کی سند پانے میں کامیاب ٹھہری، مبارک ہو آپ کو۔ ان شاء اللہ باری آنے پر جلد شائع کردی جائے گی نوک پلک سنوارنے کے بعد۔

افراح شاهینه کرن...... راولپنڈی

پیاری افراح! سلامت رہو، آپ کی ارسال کردہ کہانی موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ کہانی بالکل ہی بے جان سی ہے۔ مکالمہ اور بیانیے میں بھی کئی جگہ تضاد نظر آرہا ہے اور موضوع کو بھی درست طریقہ سے سنبھال نہیں پائیں۔ آپ کو ابھی مطالعہ اور محنت کی مزید ضرورت ہے۔ آپ اپنے زیر مطالعہ نام ور ادیب وافسانہ نگاروں کو رکھیں تاکہ آپ کے لکھنے میں نکھار پیدا ہو پائے۔ امید ہے تشفی ہو پائے گی۔

سیده فاطمه تحریم...... کراچی

پیاری فاطمہ! سدا مسکراتی رہو، آپ کی ارسال کردہ کاوش موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ کہانی کو زبردستی کھینچ کر مکمل ناول بنانے کی کوشش کی گئی ہے اگر آپ اس کو ناولٹ کے طور پر لکھ پاتی تو شاید یہ بہتر انداز اختیار کرتا خیر آپ کی کہانی منتخب ہوچکی ہے لیکن اس کی نوک پلک سنوارنے کے ساتھ کانٹ چھانٹ کر کے باری آنے پر شائع کردیا جائے گا ان شاء اللہ۔

شهزادی کنول...... گجرات

ڈیئر شہزادی! جگ جگ جیو، آپ کی ارسال کردہ تحریر موصول ہوئی جو منتخب ہونے کی سند حاصل کرنے میں کامیاب ٹھہری جس پر آپ کو مبارک باد۔ ان شاء اللہ باری آنے پر کہانی کی نوک پلک سنوارنے کے ساتھ کانٹ چھانٹ کر کے جلد شائع کردی جائے گی۔

حمده شفیق...... لاهور

ڈیئر حمد! مسکراتی رہو، آپ کی ارسال کردہ کاوش موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے اور اس کے لیے آپ کو فی الحال اپنی پوری توجہ پڑھنے پر رکھنی ہوگی اور اس کے لیے آپ نام ور افسانہ نگاروں وادیبوں کو بغور اپنے زیر مطالعہ رکھیں تاکہ آپ کے اندر لکھنے کی صلاحیت میں نکھار پیدا ہو پائے۔

طیبه یاسمین...... جهنگ

ڈیئر طیبہ! جیتی رہو، آپ کی ارسال کردہ تحریر موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت اور مطالعہ کی ضرورت ہے جس کے لیے آپ نام ور افسانہ نگاروں کی کاوشوں کو اپنے مطالعہ میں رکھیں تاکہ آپ کی صلاحیتوں میں نکھار پیدا ہو سکے آپ لکھنا سیکھ پائیں۔

عبیره یاسمین کنول...... منڈی بهاؤ الدین

پیاری عبیرہ! شاد رہو، آپ کی ارسال کردہ تحریر موصول ہوئی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ نے حالیہ سیلاب کی تباہ کاریوں سے متاثر ہو کر کہانی لکھنے کی کوشش کی ہے پر آپ اس میں کامیاب نہیں ٹھہری، کہانی پڑھ کر کسی بھی قسم کا کوئی تاثر وجذبہ نظر نہیں آیا جبکہ دوسری کہانی بھی کچھ خاص تاثر قائم نہ کر پائی لہٰذا دونوں کہانیوں کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں۔

ام هانیه...... چیچه وطنی

ڈیئر ہانیہ! مسکراتی رہو، آپ کی ارسال کردہ تحریر موصول ہوئی اور آپ کو مبارک ہو کہ کہانی منتخب ہونے کی سند پا چکی ہے۔ کہانی چونکہ طویل ہے تو اس کو شائع ہونے میں وقت لگ سکتا ہے اس لیے آپ انتظار کیجیے دعا کے ساتھ کہ کہانی جلد شائع ہو جائے۔ آئندہ اس بات کا خیال رکھیں کہ مکمل ناول رسالے کے بتیس صفحات تک ہو تو جلد شائع ہو جاتا ہے اس طرح کے طویل ناول اقساط کی صورت میں شائع کرنے پڑتے ہیں تو اس میں لازمی وقت درکار ہوتا ہے۔

ثمینه نلز...... مانسهره

پیاری بہن! سلامت رہو، محبت بھرا خط ہماری آنکھیں نم کر گیا، اللہ سبحان وتعالیٰ آنچل کے تمام مرحوم مدیران کے درجات بلند فرمائے، آمین۔ ہمارے لیے آپ کی لکھی گئی مثال پسند آئی، دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

سحرش اختر...... گوجر خان

پیاری سحرش! شاد رہو، پہلی بار شرکت پر خوش آمدید۔ گڑیا تحریر ہم خود پڑھتے بھی ہیں اور پھر رہنمائی بھی کر دیتے ہیں لہٰذا آپ پریشان نہ ہوں، اچھی اور معیاری تحاریر اپنی جگہ خود بنالی ہیں۔ امید ہے آپ کی تشفی ہو پائے گی۔

مریم ندیم...... اسلام آباد

ڈیئر مریم! خوش رہو، چار سال سے خاموش قاری رہیں

اتنی طویل خاموشی کے بعد خط لکھا پڑھ کر اچھا لگا اور خوشی بھی ہوئی، چلیں دیر آید درست آید۔ اب یہ سلسلہ ٹوٹنا نہیں چاہیے، تمام مصنفین تک آپ کی پسند ان سطور کے ذریعے پہنچا رہے ہیں۔

گل مینا...... فیصل آباد

پیاری گل! شاد رہو آپ کی ڈھیر ساری محبتیں اور دعائیں ہماری پلکیں نم کر گئیں، دعاؤں کے لیے اللہ سبحان وتعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے آمین، آپ نے ہمارے لیے جو شعر لکھا ہمیں وہ بے حد پسند آیا۔

کیفہ جیات...... گجرانواله

پیاری کیفہ! مسکراتی رہو، دعاؤں بھرا خط ملا۔ اب تو دوستی پکی، ٹھیک ہے ناں؟ نازیہ آپی اور سمیرا شریف کو آپ کی پسند اور آپ کا پیغام ان سطور کے ذریعے پہنچا رہے ہیں۔ سمیرا شریف کو ہم بھی شدت سے یاد کر رہے ہیں وہ آج کل کچھ زیادہ ہی مصروف ہو گئی ہیں۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

قابل اشاعت:۔

خواب سے تعبیر تک، کفایت شعاری، جہاں دل جھکے، بھوک، معراج محبت، پچھتاوا، نم آنکھیں۔

ناقابل اشاعت:۔

خوب سیرت، رت بدلنے والی ہے، ٹوٹا چشمہ، ٹرانس جینڈر (بہت نازک مسئلہ ہے مناسب ہے شائع نہ کیا جائے)، اک انجان محبت، ادھوری خواہش، انجام، انسانیت کا رشتہ، پرانی کہانی نئے کردار، بے آشیاں ہو کر، اجنبی ہوتے رشتے، چلی آ و اب شام ڈھلنے لگی ہے، منتظر، تجھ پہ قربان میری جان۔

مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ حاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔

☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔

☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابلِ اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کر دیا ہے۔

☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔

☆ مسودے کے شروع میں کہانی اور اپنا نام لکھیں اور آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام، پتا اور رابطہ نمبر خوشخط تحریر کریں۔

☆ کہانی ای میل کرنے کے لیے ان پیج کی فائل ہو، ایم ایس ورڈ کی فائل میں اردو میں لکھیں تحریر ہونی چاہیے یا یونی کوڈ پر ہو۔ کہانی کے نام سے فائل کا نام رکھنا ہوگا۔ کہانی کے شروع میں کہانی اور اپنا نام لکھیں اور آخر میں اپنا پورا نام، مکمل پتا اور رابطہ نمبر بھی لکھنا ہوگا۔

☆ ای میل چاہے کہانی کی کرنی ہو یا مستقل سلسلوں میں ہمیشہ نیو ای میل کا انتخاب کریں اور سبجیکٹ میں کہانی اور سلسلے کا نام لکھیں۔ جوابی میل پر کچھ بھی ای میل نا کریں اگر جوابی میل پر کچھ بھی ای میل کیا جائے گا وہ قابل قبول نہیں ہوگا۔ editor_aa@naeyufaq.com

☆ ای میل پر کہانی یا مستقل سلسلے میں شرکت کے لیے اسکین، امیجز، رومن یا پی ڈی ایف قابل قبول نہیں ہوتی۔

☆ دیگر سوشل ایپ پر بھی کہانی یا سلسلوں کی کوئی بھی چیز قابل قبول نہیں ہوگی۔

☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک یا کوریئر کے ذریعے ارسال کیجیے۔ بنگلو نمبر B1، مدینہ اسٹریٹ، بالمقابل انٹر بورڈ آفس، نارتھ ناظم آباد بلاک A، کراچی 74700

دانش کدہ

سورۃ القریش

مشتاق احمد قریشی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس سے قبل کہ ہم آگے بڑھیں ضروری ہے کہ قبیلہ قریش کے بارے میں کچھ علم حاصل کرلیں۔

قریش جزیرہ نما عرب کا ایک بڑا ہی مشہور و معروف اور عظیم الشان قبیلہ ہے' قریش نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں' قریش کا لفظ قرش سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی کمانا اور جمع کرنا ہے' یہ لفظ تقریش سے نکلا ہے' جس کے معنی کمانے علاوہ تفتیش و جستجو کرنا' تلاش کرنا' کہا جاتا ہے' کیونکہ فہد بن مالک بن نضر حاجت مندوں کو ڈھونڈ کر تلاش کرکے اُن کی ضرورتوں کو پورا کرتا تھا' وہ غریبوں کو دولت دیتا' ننگوں کو کپڑا' بھوکوں کا کھانا' پناہ گزینوں کو پناہ دیتا' خوف زدہ لوگوں کا خوف دور کرتا اور بھولے بھٹکے لوگوں کو راستہ دکھاتا اسی وجہ سے اُس کے خاندان کا نام قریش پڑ گیا۔ (النویری۔ نہایۃ الارب)

ابن حزم کا کہنا ہے کہ اس قبیلے میں ایک شخص قریش بدر ابن یخلد بن نضر تھا وہ زمانہ جاہلیت میں اپنے تجارتی قافلوں کی قیادت و رہنمائی کیا کرتا تھا اس کی وجہ سے قبیلے کا نام قریش مشہور ہوگیا۔ (جمہرۃ انساب العرب) قریش تقریش سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی تھوڑا تھوڑا مال یا کوئی چیز جمع کرنا اس قبیلے کی اجتماعیت کے پیش نظر اسے قریش کے نام سے پکارا گیا کیونکہ اس سے پہلے یہ قبیلہ مختلف سمتوں میں بکھرا ہوا تھا (زمخشری)

نضر بن کنانہ کی تمام اولادوں کی سب شاخوں کو قریش کہا جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قبیلہ بن تیم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قبیلہ بنو عدی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قبیلہ بن امیہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا قبیلہ بنو ہاشم سب قریش میں شامل ہیں

قریش کا قبیلہ' عرب کا ایک معزز ترین قبیلہ تھا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جداعلیٰ قصیٰ بن کلاب کے زمانے تک حجاز کے مختلف علاقوں میں منتشر اور پھیلا ہوا تھا اس قبیلے کو سب سے پہلے قصیٰ بن کلاب نے مکہ میں جمع کیا' جس کی وجہ سے بیت اللہ کی تولیت اس قبیلے کے ہاتھ آ گئی' قبیلے کو ایک جگہ جمع کرنے کے باعث ہی قصیٰ کو مجمع یعنی جمع کرنے والے کا لقب دیا گیا۔ جبکہ اُن کا اصل نام زید تھا۔

اس شخص نے اپنی اعلیٰ ترین صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے' بہت تدبر سے مکہ میں ایک شہری ریاست قائم کی اور اطراف عرب سے بیت اللہ آنے والے حاجیوں کی خدمت کرنے کا بھرپور بندوبست کیا' جس کی وجہ سے عرب کے تمام قبائل اور علاقوں میں قریش کا اثر ورسوخ قائم ہوگیا۔

قصیٰ کے بعد اس کے دونوں بیٹوں عبد مناف اور عبدالدار کے درمیان مکہ کی ریاست کے عہدے تقسیم ہوگئے' چونکہ عبد مناف اپنے باپ کے زمانے میں ہی لوگوں میں مقبول و معروف ہو چکا تھا اور خطہ عرب میں وہ جانا پہچانا جاتا تھا اس لئے بیت اللہ کی میزبانی اور تولیت کا مرتبہ اس کے حصے میں آیا۔ عبد مناف کے چار بیٹے تھے' ہاشم' عبد شمس'

مطلب اور نوفل ان میں ہاشم عبدالمطلب کے والد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا تھے جو بڑی سوجھ بوجھ اور تدبر والی شخصیت کے مالک تھے۔ انہوں نے ہی مکہ کی تجارت کو بین الاقوامی تجارت کا حصہ بنایا اور بلادِ مشرق شام ومصر تک اپنے تجارتی قافلوں کے ذریعے اپنی تجارت کو فروغ دیا۔ وہاں سے ان کے قافلوں نے عرب اور بیت اللہ کے حج کو آنے والوں کی ضرورت کا سامان لاکر تجارت کو وسعت دی۔ ان کے تجارتی قافلوں کے ذریعے راستے کی بستیوں اور قبائل کو بھی خرید وفروخت کا موقع مل جاتا تھا قافلے راستے میں جہاں جہاں پڑاؤ کرتے ٹھہرتے وہاں وہ صرف آرام ہی نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی تجارتی اشیاء کی خرید وفروخت بھی کرتے تھے۔ جب اطراف عرب سے لوگ حج بیت اللہ کے لئے آتے تو انہیں وہ سامان دستیاب ہوتا جو کہیں اور سے نہیں مل سکتا تھا (یہ روایت آج بھی جاری ہے) اس طرح نا صرف اندرون ملک بلکہ بیرون ملک کے تاجر بھی خرید وفروخت کے لئے مکہ آنے جانے لگے۔ اس طرح قریش کے سردار ہاشم کا بین الاقوامی تجارت پر تسلط قائم ہوگیا اور ان کی شہرت اور ناموری دور دراز تک پھیل گئی۔

قبیلہ قریش کے سردار ہاشم چونکہ بیت اللہ کے میزبان اور خادم تھے اس کی وجہ سے ان کی بڑی عزت کی جاتی تھی یہاں تک کہ ان کے تجارتی قافلے جن راستوں سے گزرتے وہ دوسرے قافلوں کی نسبت محفوظ و مامون رہتے ان کے قافلوں کو لٹیرے لوٹتے نہیں تھے۔ بیت اللہ کے احترام کے باعث ان کے قافلے محفوظ رہتے اس لئے دوسرے تجار بھی ان کے قافلے میں شریک ہونے کو ترجیح دیتے تھے۔ کیونکہ انہیں یہ یقین ہوتا تھا کہ قریش کے سردار ہاشم کے قافلوں پر کوئی ڈاکہ نہیں مارا جائے گا نہ راستے کے قبائل ان سے راہ گزاری کا ٹیکس وصول کریں گے۔ اس سبب ہاشم نے اپنے تینوں بھائیوں کو بھی اپنی تجارت میں شامل کرلیا اور انہیں مختلف سمتوں کے ممالک کی طرف تجارت کے لئے مامور کیا خود ہاشم نے شام کے عیسائی بادشاہ سے مراسم پیدا کئے اور حبش کے بادشاہ سے اُن کے بھائی عبدشمس نے مراسم پیدا کیے یمنی امرا سے دوسرے بھائی مطلب نے اور عراق اور فارس سے تیسرے بھائی نوفل نے تعلقات بڑھائے اور تجارتی مراعات حاصل کیں اس طرح ان لوگوں کی تجارت نے بہت زیادہ فروغ حاصل کیا اور وہ مال و دولت عزت و مرتبے میں اتنے بڑھ گئے کہ عرب کا کوئی قبیلہ ان کے مدمقابل نہ رہا۔ ان کی کوشش سے مکہ عرب کا سب سے بڑا تجارتی مرکز بن گیا جس کی وجہ سے عرب کے اطراف کے تمام ممالک سے لوگوں کی آمد ورفت کا سلسلہ قائم ہوا اور اس میں بے پناہ اضافہ بھی ہوا جس سے عرب کو دوسرے ممالک کی ثقافت وتہذیب کو جاننے سمجھنے کا بڑا اور براہ راست موقع میسر آیا خصوصاً عراق سے تحریر کا انداز اور رسم الخط عربوں کو ملا جو بعد میں قرآن کریم کی تحریر میں کام آیا۔

عرب کے دوسرے قبائل کے مقابلے میں قریش میں تعلیم کا رجحان تھا جس کی وجہ سے قریش دیگر تمام قبائل کے مقابلے میں کہیں زیادہ پڑھے لکھے لوگ تھے۔ اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا "قریش کے لوگ پیش رو اور سردار ہیں" (مسند احمد روایت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ)

بیہقیؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "پہلے عرب کی سرداری قبیلہ حمیرؔ والوں کو حاصل تھی پھر اللہ تعالیٰ نے وہ ان سے سلب کر کے قریش کو دے دی۔"

قریش یا قریشی کون؟ خوارج جو انتہائی متعصب اور تنگ نظر افراد کا گروہ تھا وہ نہایت ہی انتہا پسند دہشت ناک اور منتقیم مزاج لوگ تھے۔ انہوں نے اپنی تنگ نظری دہشت ناکی کے باعث بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کو قتل کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بیک وقت قتل کرنے کا منصوبہ بنایا کہ ان تینوں صحابہ کو ایک ہی تاریخ ایک ہی وقت پر شہید کردیا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عبدالرحمٰن ابن ملجم نے خنجر سے شہید کیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر حملہ ہوا۔ وہ زخمی ہوئے اور عمرو بن العاص اس رات اپنی

بیماری کی وجہ سے بچ گئے جب کہ ان کی جگہ امامت کرنے والے حضرت خارجہ رضی اللہ عنہ بن خدافہ مسجد قاہرہ میں شہید کردیئے گئے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین' خلفائے راشدین اور قریش سے اپنی نفرت اور غصے ودشمنی کے اظہار کے طور پر انہوں نے نچلے درجے کے کام کرنے والے قصائی' جولاہے اور نائیوں کو وہ لقب دیئے جو صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے لیے اعزاز وعزت کا نشان سمجھے جاتے تھے۔

قریش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا قبیلہ تھا۔ اسی قبیلے قریش سے خلفائے راشدین کا تعلق تھا۔ قریش عربی زبان میں ایک خاص قسم کی مچھلی جو چھوٹی مچھلیوں کو کھا جاتی ہے اور کشتیوں کو الٹ دیتی ہے اور آگ کے سوا کسی طرح قابو نہیں آتی (وہیل مچھلی) جو اپنی قوت اور جسامت کے لحاظ سے بہت زیادہ مضبوط وطاقت ور ہوتی ہے۔ قریش یا قریشی کا لقب خوارج نے گوشت فروخت کرنے والوں' جانوروں کو ذبح کرنے والوں کو دیا تاکہ نہ صرف صحابہ کرام اور خلفائے راشدین جن کا تعلق قبیلہ قریش سے تھا' کو بے عزت' بے توقیر کیا جاسکے۔ ایسے ہی انصار کو بے توقیر کرنے کے لیے ان سے انتقام لینے کے لیے جولاہوں کو انصاری بنادیا اور نائی کو خلیفہ کہہ کر اپنے جذبہ انتقام کو ٹھنڈا کیا۔ جب کہ قریش اپنی نسبی شرافت' مذہبی عظمت اور سیاسی طاقت کے اعتبار سے تمام عرب قبائل میں ممتاز و مفتخر تھے۔ وہ باعزت اور مقتدر بھی تھے' کعبہ کی تولیت انہیں حاصل تھی اس لیے اس نام قریش سے موسوم ہوئے لفظ تقریش سے قریش ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ہیں تجارت کرنا' چونکہ قریش کا پیشہ تجارت تھا وہ تجارتی مقصد کے لئے تجارتی قافلوں کی صورت میں ہر سال دو سفر کرتے تھے جس کا ذکر قرآن حکیم میں بھی کیا گیا ہے۔ قریش کے دس معروف خاندان تھے۔

(۱) بنو ہاشم (۲) بنو امیہ (۳) بنو نوفل (۴) بنو عبدالدار (۵) بنو اسد (۶) بنو تیم (۷) بنو مخزوم (۸) بنو عدی (۹) بنولاج (۱۰) بنو سلیم۔

جس طرح تمام قبائل عرب میں قریش سب سے ممتاز تھے اسی طرح قریش کے خانوادوں میں بنو ہاشم سب سے برتر وممتاز تھا۔ قریش کی یہی برتری واہمیت جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نے انہیں طاقتور اور محترم بنادیا تھا جو خوارج کو قطعی پسند نہیں تھا اس لیے بھی وہ مسلمانوں کے اور خصوصاً قبیلہ قریش کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے تھے گو کہ وہ خود کو مسلمان ہی کہتے اور سمجھتے تھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قریش کو جو عزت اور مرتبہ اپنے گھر کعبہ کا متولی بنا کر دیا وہ بلاوجہ نہیں تھا اللہ جو بڑا ہی مسبب الاسباب ہے نے چونکہ روز اول ہی یہ طے کرلیا تھا کہ نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف دنیا کے آخری رہنما' رہبر وپیغمبر ہوں گے اور پوری انسانیت کے لئے مبعوث کیے جائیں گے اس کا انتظام واہتمام بھی اللہ تعالیٰ نے ویسے ہی کیا۔ جب ربِ کریم نے کائنات کی تخلیق کا منصوبہ بنایا ہوگا اور قلم کو لوح محفوظ تحریر کرنے کا حکم دیا ہوگا تو یہ بات بھی اسی وقت طے پا چکی ہوگی کہ کب اور کس طرح نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی ہدایت ورہنمائی کا فرض ادا کرنے کے لئے تشریف لائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اپنے محبوب کی آمد پر اُن کے استقبال کی تیاریاں بھی تب ہی کی ہوں گی اصحاب فیل کا واقعہ بھی بلا جواز بلا سبب نہیں رونما ہوا اس کے پیچھے بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمت وتدبر کارفرما ہے۔ اگر ہم تاریخ میں کچھ پیچھے کی طرف پلٹ کر دیکھیں اور قرآن حکیم میں خود ربّ کائنات جس شخصیت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جد امجد کہہ کر مخاطب کررہا ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اگر ہم دیکھیں اور غور کریں تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اللہ نے اپنے محبوب نبی کے استقبال کی کیسی تیاری فرمائی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قبل کے بارے میں قرآن حکیم میں ویسی تفصیل نہیں ملتی جیسی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد

کے بارے میں ملتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خود حضرت ابراہیم علیہ السلام تک ہی اپنے سلسلہ نسب کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔

اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت اور حالات کا جائزہ لیا جائے تو قدرت الٰہی کا ایسا حیرت انگیز نظارہ ہوتا ہے کہ انسان دنگ رہ جاتا ہے کہ اللہ نے اپنے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے تعلق خاص کا کیسا اظہار و اہتمام فرمایا ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد اعلیٰ سیدنا ابراہیم علیہ السلام جو اصلاً عراق کے شہر "اُرد" کے باشندے تھے یہ شہر دریائے فرات کے مغربی ساحل پر کوفے کے قریب واقع تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری اہلیہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام تھیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ تھیں۔ حضرت حاجرہؑ کے یہاں ۷۵ برس کی عمر تک کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اس عمر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے حضرت حاجرہؑ سے بیٹا عطا فرمادیا اس پر حضرت سارہؑ جو اس وقت تک بے اولاد تھیں اور اُن کے مقابلے میں کم عمر بھی تھیں کو بڑی شرم محسوس ہوئی اس پر انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مجبور کیا کہ وہ حضرت حاجرہ اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو جلاوطن کردیں۔ پھر حالات نے حکمِ الٰہی سے ایسا رخ اختیار کیا کہ وہ حضرت ہاجرہؑ اور نومولود حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر اللہ کے حکم کے مطابق عراق سے نکل کر حجاز تشریف لے گئے وہاں ایک بے آب و گیاہ وادی میں بیت اللہ شریف کے قریب ٹھہرادیا۔ اس وقت تک وہاں بیت اللہ شریف ظاہر نہیں تھا لیکن بعد کی تاریخوں نے ثابت کیا کہ یہ وہی جگہ تھی جہاں سب سے پہلے کعبہ کی تعمیر حضرت آدم علیہ السلام نے کی تھی جو آسمان پر بیت المعمور کے عین نیچے اس جگہ تعمیر کیا گیا تھا جو حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے تک قائم تھا لیکن ان کی قوم پر آنے والے عذابِ الٰہی جو پانی کا طوفان تھا سے خانہ کعبہ کو بھی نقصان پہنچا تھا اور اس کے نشانات تک معدوم ہوگئے تھے پھر اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر انہی اصل آثار (بنیادوں) پر تعمیر کیا تھا۔ حضرت ابراہیم کی تعمیر خانہ کعبہ کی چوتھی تعمیر تھی بیت اللہ کی سب سے پہلی تعمیر فرشتوں نے کی تھی جو دنیا کی تعمیر سے دو ہزار سال قبل جنت میں تعمیر کیا گیا تھا جسے بیت المعمور کہتے تھے اور اب موجودہ زمین پر بیت اللہ (کعبہ) کی تعمیر سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے کی ان کے بعد دوسری تعمیر حضرت شیث علیہ السلام نے کی ان کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کی ان کے بعد پانچویں بار عمالقہ نے کی چھٹی تعمیر جرہم نے کی ساتویں تعمیر قصیٰ بن کلاب نے کی جو قبیلہ قریش کے سردار اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد تھے ان کی پانچویں پشت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے اس کے بعد آٹھویں تعمیر بھی قبیلہ قریش کے سرداروں نے کی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کعبہ کے متولی تھے بعثت سے قبل جب کعبہ کی تعمیر از سرنو شروع ہوئی تو اس میں قریش کے تمام سرداروں نے حصہ لیا سرداران قریش تعمیر کعبہ میں مصروف تھے تو ایک موقع پر حجرِ اسود کو خانہ کعبہ میں نصب کرنے کے سلسلے میں سرداران قریش میں اختلاف ہوگیا اور نوبت قتال تک پہنچنے کو تھی تب حجر اسود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی فراست سے نصب کیا گیا تھا۔

(جاری ہے)

فریبِ نظر (افسانہ)

فرح بخاری

بجھا جو روزنِ زنداں تو دل یہ سمجھا ہے
کہ تیری مانگ ستاروں سے بھر گئی ہوگی
چمک اُٹھے ہیں سلاسل تو ہم نے جانا ہے
کہ اب سحر ترے رُخ پہ بکھر گئی ہوگی

''کسی کو کھونا یا پالینا کیا یہ سب نصیب کے کھیل ہیں یا......''

''نہیں......'' ثمن نے بڑی سختی سے مہک کی بات کی نفی کی۔ ''پانا تو خیر میں نہیں جانتی کیا ہوتا ہے پر بہت سی چیزیں ہم لائف میں محض اپنی نادانی کی وجہ سے کھودیتے ہیں اور وہ نادانی شاید ہم سے اس لیے سرزد ہوتی ہو کہ وہ چیز ہمارے نصیب میں نہیں لکھی ہوتی۔'' مہک کی سوچ کے دھاگے نصیب کے شجر کے گرد ہی بل کھا رہے تھے۔ ثمن نے سر نفی میں ہلایا۔

''ہم ہار مان کر ہتھیار ڈال کر مدعا نصیب پہ تھوپ دیتے ہیں۔''

''تمہیں شدید پچھتاوا ہے، اپنی ایسی کسی ہار کا؟'' مہک اب مسکرا کر اپنی بات کی تائید چاہ رہی تھی۔ ثمن مسکرا دی۔

''میں دکھوں کو سینے سے لگا کر نہیں رکھتی۔ رواں دواں یہ زندگی جب مسلسل اور لگاتار آگے ہی آگے بڑھ رہی ہے، پیچھے مڑ کر دیکھنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ماضی کا مٹھی سے ریت سا پھسل جانا ہی بہتر رہتا ہے۔''

''گھر جاؤ گی اب؟'' مہک نے روش پر اس کے ہم قدم چلتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں آج کی دونوں کلاسز لے چکی ہوں اور تم؟''

''لاسٹ کلاس باقی ہے، کیمسٹری کی، ابھی اسٹاف روم جاؤں گی۔''

''اوکے...... پھر کل ملتے ہیں۔'' ثمن ہاتھ ہلا کر گیٹ کی طرف بڑھی۔

''ارے...... وہ تمہاری چھٹی کا کیا بنا؟'' مہک کو اچانک خیال آیا تو پیچھے سے آواز دی۔

''منظور ہوگئی۔ تین دن کا سکون میرے حصے میں اور پیچھے کی مصیبت میم عارفہ نے تمہارے گلے میں ڈال دی ہے، مبارک ہو۔'' ثمن نے مسکرا کر کہا۔

''ڈونٹ وری...... میں نیکسٹ منتھ پانچ دن کی چھٹی لے کر تمہارا احسان جلد اتار دوں گی۔'' مہک نے کھلکھلا کر فوراً حساب برابر کیا۔

''بہت کمینی ہو۔'' ثمن نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''الحمدللہ۔'' مہک سر خم کر کے اسٹاف روم کی طرف بڑھ گئی تھی۔

......☆۞☆......

''گفٹس وغیرہ کے لیے میں نے الگ سے چھوٹا

بیگ بنایا ہے ثمن۔ تم اپنا بیگ ایک بار پھر چیک کرلو، کچھ رہ نہ گیا ہو۔" ثانیہ بھابی نے بیگ میں اپنا سامان رکھتے ہوئے کہا۔ بال تولیے سے آزاد کر کے ثمن اب انہیں رگڑ کر سلجھا رہی تھی۔

"دیکھ لیا ہے بھابی۔ بس اب میری تیاری رہ گئی ہے۔"

"تم نے ناشتہ بھی نہیں کیا۔"

"بالکل موڈ نہیں ہے، بس میں کھالوں گی کچھ نہ کچھ، بھیا اٹھ گئے؟"

"ہاں وہ ناشتہ کر رہے ہیں۔ تمہارا اسیل فون چارجنگ پہ لگا ہے، بھولنا مت اور بس میں بیٹھتے ساتھ ہی چچی یا فہد سے رابطہ کر لینا۔ لاہور کا بس ٹرمینل اب بہت دور چلا گیا ہے۔ جب تک کوئی لینے نہ آئے، آرام سے بیٹھی رہنا۔" ثانیہ بھابی کو یوں اپنے لیے فکرمند دیکھ کر ثمن مسکرادی۔

"میں فون نہ کروں تب بھی فہد جن کی طرح حاضر ہوگا۔ میں کیا جانتی نہیں بس کے چلتے ہی فون کھڑکنا شروع ہوجائیں گے آپ کے۔"

"تم بھی جانتی ہو اپنے بھیا کو وہ اب بھی اس مخمصے میں بیٹھے ہیں کہ تمہیں اکیلا بھیجیں یا نہیں۔"

"بھیا تو بس، اب تو بس کا محفوظ سفر وہ بھی سارا موٹر وے کا خوامخواہ کی فکر۔" وہ بالوں میں برش کرتے سنگھار میز کے سامنے کھڑی ہو کر بولی۔

"اچھا...... اللہ خیریت سے لے جائے، چلو شاباش جلدی سے آجاؤ۔"

"جی......" ثمن گھڑی دیکھتے اب جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگی تھی۔

......☆۞☆......

"ٹکٹ۔" کنڈیکٹر نے ہاتھ آگے کیا۔

"جی......جی......" ثمن نے ایک نظر پیچھے بھیا کی طرف کی دیکھا وہ اس کا سامان رکھوا رہے تھے۔ اس نے ہینڈ بیگ کی بیرونی پاکٹ میں اڑسا ٹکٹ کنڈیکٹر کے آگے کیا۔ اس نے آدھا حصہ الگ کر کے ثمن کی طرف



بڑھاتے بس میں چڑھنے کا راستہ چھوڑا۔ سائیڈ والے پائپ پہ بایاں ہاتھ جما کر دائیں سے سر پر دوپٹا درست کرتے وہ اوپر آئی اور پہلی نظر سامنے فرسٹ رو میں بیٹھے جس شخص پر پڑی، ایک لمحے کو اس نے اسے چکرا دیا۔ تھوڑی کے نیچے رول کیا ہوا اخبار جمائے وہ بھی اسی جانب دیکھ رہا تھا۔ آنکھوں میں عین اسی لمحے پہلے پہچان اور پھر محبت بھری مانوسیت کی لہر ابھری تھی۔ لبوں پر اس حسین اتفاق نے بالکل غیر محسوس سی نرم مسکراہٹ پیدا کی لیکن پیچھے سے آتی بھیا کی آواز۔

"آگے بڑھو ثمن۔" اور وہ ہڑبڑا کر بھیا کو دیکھتے ایک بار پھر سیدھی ہوئی۔

"اف...... "ایک سکون کا سانس بے اختیار حلق سے خارج ہوا۔ اس نے بھیا کی آواز سنتے ہی اخبار چہرے کے آگے پھیلا لیا تھا۔

عدیل بھیا اس کے پیچھے پیچھے ہی بس میں سوار ہوئے لیکن اخبار کی وجہ سے وہ اس کو نہیں دیکھ پائے تھے۔ پندرہ نمبر کی سیٹ پر بیٹھتے اس نے بے اختیار پہلے وہاں دیکھا۔ یعنی اب وہ ایسی جگہ پر بیٹھی تھی کہ وہ جب چاہتا ہلکا سا سر گھما کر اسے دیکھ سکتا تھا۔

"آگے کھڑکی کی طرف ہو جاؤ۔" بھیا نے آنے جانے والوں کے خیال سے کہا۔ وہ بھی خاموشی سے اندر کھسک گئی۔ فی الحال یہی ڈر تھا کہ بھیا اس کو دیکھ نہ لیں۔ امکان بہرحال کم ہی تھا کیونکہ اس نے اب سر جھکا کر اخبار گود میں رکھ لیا تھا اور بائیں سائیڈ سے چہرے کو اپنے ہاتھ کی اوٹ سے چھپا رکھا تھا۔ کوشش اس کی بھی یہی تھی کہ عدیل اس کو نہ دیکھے۔ بھیا کے اتر کر باہر جانے اور بس کے روانہ ہونے تک اس نے کسی قسم کی بے احتیاطی نہیں ہونے دی۔

راولپنڈی ٹرمینل سے نکل کر بس روڈ پر آ گئی تھی۔ بھیا نے گھر کے لیے مخالف سمت میں جانا تھا۔ ثمن ایک گہرا سانس لیتے سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی جہاں نیلے سرمئی آسمان، پیڑوں، کھیتوں اور اونچے نیچے سرسبز ٹیلوں پر بھی وہیں دو آنکھیں چھائی تھیں۔ "ہاہ" ثمن کی دبی سانس بڑی مشکل سے راستہ بنا پائی۔ جانے سات برس وہ اس خوابیدہ نگاہ سے دور کیسے رہی تھی۔

سات برس بعد کیوں ہوا یہ اتفاق، وہ بھی ایسے حالات میں۔ چار، پانچ گھنٹے کے سفر میں اب وہ اس کے ساتھ تھا۔ جس سے جدا ہونے کے بعد اس کے خیال تک سے خود کو دور کرتے وہ اب اپنے آپ کو داد دینے کی حد تک آزاد سمجھ چکی تھی۔ اس کا برسوں بعد اچانک یوں سامنے آنا، سوائے درد کی چبھن دینے کے اور کیا دے سکتا تھا۔ وہ کھڑکی کے باہر دیکھتے محض اتنا ہی سوچ پائی تھی کیونکہ وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ اتفاق اسے اور کیا کیا دینے والا ہے۔ وہ تو آج بھی آٹھ برس پہلے کے دنوں میں جی رہی تھی۔ ملنے سے بچھڑ جانے کے درمیان کا ایک بہت خوب صورت سال، بس ایک سال۔

......☆❁☆......

"توبہ ہے عدیل...... کتنا وہم کرتے ہو۔" امی نے سخت چڑ کر اپنے اس ڈرپوک بیٹے کو دیکھا، ہر بات میں اعتراض کا نکتہ ہر معاملے کو مسئلہ بنا لیتا۔

ثمن کا یونیورسٹی میں یہ پہلا سال تھا۔ وہ ایم اے اکنامکس کر رہی تھی۔ یونیورسٹی کی بس عین گھر کے سامنے سے گزرتی تھی پر عدیل اسے بس سے بھیجنا نہیں چاہتا تھا اس لیے خود ہی پک اینڈ ڈراپ کرتا لیکن اس روز گاڑی خراب ہونے کی وجہ سے اسے بھی گاڑی کے بغیر ہی ایک دوست کے ساتھ آفس جانا تھا۔ ثمن کے لیے اس نے فرمان جاری کر دیا کہ آج وہ یونی سے چھٹی کر لے لیکن وہ ہرگز اتنی سی بات پر چھٹی کر کے بیٹھنے کے حق میں نہ تھی۔ امی کا ووٹ بھی اسی کے ساتھ تھا۔ وہ عدیل کو سمجھا رہی تھیں۔

"جب یونیورسٹی کی بس سامنے سے گزر کر جاتی ہے تو ایک آدھ دن مجبوری میں کیا حرج ہے بس سے جانے میں؟"

عدیل کے پاس ٹائم ہوتا تو وہ ضرور بحث مباحثہ طویل کرکے اپنی بات منوالیتا لیکن اپنے دوست کی آمد پر اسے آفس کے لیے نکلنا پڑا تھا۔

عدیل کے جاتے ہی ثمن نے جھٹ پٹ یونیورسٹی کی تیاری کی اور امی کے ساتھ اسٹاپ پر آ گئی۔ بس بھی آٹھ، دس منٹ میں آ گئی اور وہ امی کو ہاتھ ہلاتی بس میں سوار ہوگئی۔ بھیا کے اصول اتنے کڑے نہ ہوتے تو وہ روز ہی یونی کی بس میں جانا چاہتی تھی۔ پچھلی سیٹوں پر بیٹھی مومنہ نے جوش سے ہاتھ لہراتے اسے اپنی طرف بلایا لیکن درمیان کا رش دیکھتے یہ ممکن نہیں تھا۔ لہٰذا وہ اشارے سے معذرت کرتی وہیں پاس والی سیٹ پر ایک اور لڑکی کے ساتھ بیٹھ گئی۔ بس سے جانے کا چونکہ یہ ثمن کا پہلا تجربہ تھا اس لیے وہ ایکسائٹمنٹ محسوس کرتے ہر جانب گردن گھما رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں اگلا اسٹاپ آ گیا اور کچھ نئے اسٹوڈنٹس کے اضافے کے ساتھ بس مزید آگے بڑھ گئی۔ ثمن نے نئے آنے والوں پر ایک سرسری نگاہ ڈالی۔ دو لڑکیاں تو سیٹ ملنے پر بیٹھ گئی تھیں پر وہ تین لڑکے پائپ پکڑ کر کھڑے ہوگئے تھے۔ تین میں سے دو کی ثمن کو پیٹھ دکھائی دے رہی تھی۔ تیسرا بالکل ہی نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ یوں ہی سامنے کے شیشے سے سڑک کو دیکھنے لگی۔ پیٹھ کرکے کھڑے دونوں لڑکے جگہ ملنے پر بیٹھ گئے اور وہ تیسرا لڑکا جو باقی دو کے پیچھے چھپا تھا اب اس کے سامنے تھا۔ ثمن کی سرسری نظر اس کی جانب اٹھی تو معلوم نہیں کیوں اور کیسے بس ٹھہر ہی گئی۔ براؤن لیدر جیکٹ والا وہ بہت خوب صورت پرکشش لڑکا اس نے بلاشک وشبہ کہیں دیکھا تھا۔ وہ بنا سوچے اسے دیکھتی رہی تھی اور بات شاید صرف اس کو پہچان لینے کی نہ تھی۔ وہ اس بلا کا جاذب نظر تھا کہ ثمن چاہ کر بھی نظر ہٹا نہیں پا رہی تھی۔ تب ہی جانے کیوں اور کیسے لڑکے نے ایک دم چونک کر ثمن کو دیکھا تھا۔ شاید یہ ثمن کی نظروں کا ارتکاز تھا جس نے لڑکے کو اس کی طرف دیکھنے پر مجبور کردیا تھا۔ اچانک چوری پکڑے جانے پر ثمن نے گھبرا کر نظروں کا رخ بدلا اور یہ گھبراہٹ لڑکے سے چھپی نہ رہ سکی۔ ثمن نے کچھ دیر بعد دوبارہ ڈرتے ہوئے پھر وہاں دیکھنے کی ہمت کی، پر شکر ہے لڑکا کہیں اور متوجہ ہوگیا تھا۔ اس نے دل میں شکر ادا کیا کہ لڑکے نے اس کے یوں دیکھنے کا نوٹس نہیں لیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اب وہ محتاط رویہ اپناتی لیکن جانے کیوں بے دھیانی میں پھر وہ اس پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔ لڑکے نے پھر اچانک نظر ڈالی اور وہ ایک بار پھر بوکھلا گئی۔ لڑکے نے اس بار دونوں لب دانتوں میں بھینچ کر اپنی شرارتی مسکراہٹ کو خوب جتا کر دبایا تھا۔ ثمن نے سخت شرمندہ ہوتے بلاوجہ ہاتھوں میں دھری فائل کھول لی تھی۔ اب وہ ہرگز اس کی طرف نہیں دیکھے گی، دل میں پختہ عزم کرتے وہ سر جھکا کر بیٹھ گئی اور یونی آنے تک یوں ہی بیٹھی رہی پر کاش کہ یونیورسٹی بس والی یہ اتفاقیہ ملاقات پہلی اور آخری ہوتی تو سب کچھ یہیں ختم ہو جاتا کیونکہ اگلے روز سے تو اس نے بھیا کے ساتھ ہی آنا جانا تھا اور لڑکا اس کے ڈیپارٹمنٹ کا نہیں تھا۔ وہ یونی آتے ہی سب سے پہلے ڈیپارٹمنٹ پہ اتر گیا تھا۔ یونیورسٹی میں سامنا ہونے کا امکان نہ ہونے کے برابر لگ رہا تھا اور ہوا بھی ایسے ہی کیونکہ آنے والے ایک سال کے اتفاقات میں یونیورسٹی کہیں نہیں آئی تھی۔

دو ہی روز بعد جبکہ وہ بڑی بہن عالیہ کے ساتھ گھر سے مارکیٹ جانے کے لیے نکلی تھی روڈ پر آتے ہی سامنے ایک بڑے ہورڈنگ گلفام انٹرپرائزز پہ نظر پڑی وہ آنکھوں پر دھوپ کا چشمہ لگائے ڈیپ گرے ہڈ پہنے شاپ سے نکل کر بائیک پر بیٹھتا دکھائی دیا۔

''اوہ...... اچھا۔'' ثمن کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ ابھری۔ ''تو اس لیے بس میں نظر پڑتے ہی وہ مجھے دیکھا دیکھا سا لگ رہا تھا۔ پہلے بھی یقیناً روڈ پار کی اس شاپ پر میں نے اس لڑکے کو دیکھا ہوگا۔'' وہ باجی کی نظر بچا کر چوری چھپے ایک بار پھر ادھر دیکھنے پر مجبور ہوئی اور معلوم نہیں کیا ہوتا تھا ثمن کی نظروں میں کہ فوراً ہی وہ چونک کر عین اسی طرف دیکھنے پر مجبور ہو جاتا۔ بائیک

اسٹارٹ کر کے چلاتے ساتھ ہی اس نے ثمن کو دیکھا اور فی الفور ایسے پہچان لیا کہ نظریں چار ہوتے ہی اس کے لبوں پر اسی روز جیسی نرم مسکان آئی اور پھر بائیک بھگاتے وہ بہت جلد دور نکل گیا تھا۔ اس روز ثمن کو اپنی بے قابو دھڑکنیں سنبھالنے میں بڑا وقت لگا تھا۔ بہت دیر تک وہ نرم مسکراہٹ اسے بے حد ڈسٹرب کرتی رہی تھی۔ وہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ ہمارے آس پاس کے عادی، معمول کے ماحول سے کیوں اچانک ایک صورت یک لخت ابھر کر ہر چیز پہ حاوی اور نمایاں ہو جاتی ہے پھر دل بدلتے کیوں قدرت اسے بار بار ملوانے پہ تل جاتی ہے۔ تقدیر کی حسین مہربانیوں کو ثمن ان دنوں کچھ مثبت اشاروں سا محسوس کرتی دل ہی دل میں بڑی خوش رہنے لگی تھی۔ وہ لڑکا اب اکثر دکھائی دینے لگا تھا۔ وہ گلفام انٹرپرائزز کے مالک انکل ایوب کا بیٹا تھا۔ حیدر عباس اب سے پہلے جسے وہ واقعی بالکل نہیں جانتی تھی۔ ہاں اپنے ابو سے گلفام انٹرپرائزز کے مالک ایوب حسین کی بابت بہت کچھ سن رکھا تھا۔

ثمن کے ابو کی انکل ایوب سے اچھی واقفیت تھی۔ پہلے پہل جب شک سا گزرا کہ شاپ پہ اکثر دکھائی دینے والا وہ لڑکا ضرور ان کا کچھ لگتا ہوگا تو شک کو یقین میں بدلنے کے لیے اسے اپنی ذاتی کوشش بھی کرنا پڑی تھی۔ اب وہ شاپ کے سامنے سے گزرنے پر بلاوجہ وہاں کی باتیں چھیڑ دیتی اور کوشش کا نتیجہ اکثر ہی سود مند نکلتا تھا۔ امی اپنی لہر میں ان کی فیملی کے متعلق باتیں کر جاتیں اور وہ غیر محسوس انداز میں سوال کرتے پہلے اس کا نام پھر اس کی ذاتی زندگی کے متعلق جاننے لگی پر وہ نہیں جانتی تھی کہ دوسری جانب آج کل حیدر کا بھی ایسا ہی کچھ حال ہے۔ عدیل بھیا کی شخصیت کا رعب تو سات آٹھ برس پہلے بھی ایسے ہی سر چڑھ کر بولتا تھا۔

حیدر نے عدیل سے چھوٹے عمیر سے سلام دعا بڑھاتے اچھی دوستی کر لی تھی۔ ادھر حسن اتفاق سے حیدر کی بھابی سعدیہ، ثمن کی بڑی سسٹر عالیہ کی کلاس فیلو نکل آئی تھی۔ دونوں گھرانوں کے آپس میں عین انہی دنوں میل جول بڑھنے کی بڑی وجہ سعدیہ اور عالیہ کی دوستی بنی اور یہ میل جول اس سے پہلے یوں نہیں بن پایا تھا کیونکہ سعدیہ محض چند ماہ پہلے ہی حیدر کے گھر بھابی بن کر آئی تھیں۔ قدرت کی طرف سے خود بخود بڑھتی یہ نزدیکیاں حیدر اور ثمن کو محبت کا انمول تحفہ محسوس ہونے لگیں لیکن باوجود تین چار ماہ گزر جانے کے ان کے آپس کے معاملات آج بھی وہیں رکے ہوئے تھے یعنی آتے جاتے لمحہ بھر کو نظروں کا حسین تبادلہ، ایک مدھم جتاتی مسکان اور محبت کی لاتعداد، بے شمار مقناطیسی لہریں جنہیں ان چند لمحوں کے دوران قید کر لینے کی چاہ میں دونوں ہی اپنے اپنے ہاتھوں سے جگنو گنوا بیٹھتے تھے۔

ثمن کی بڑی بہن عالیہ شادی شدہ تھی اور میکے آنا جانا بھی کم کم ہی تھا لیکن ثمن دل کے ہاتھوں مجبور جب بھی موقع ملتا کسی نہ کسی بہانے اس سے سعدیہ کے متعلق بات کر لیتی اور حالانکہ اس نے حیدر کا نام بھی نہیں لیا تھا پر عالیہ آپی خود ہی بڑی اسمارٹ تھیں ایسے معاملوں میں لہٰذا انہوں نے کچھ ہی عرصے میں ثمن کے رجحان کا اندازہ لگا لیا تھا۔

”تمہیں حیدر پسند ہے؟“ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سنجیدگی سے سوال کر کے انہوں نے ثمن کو بری طرح نروس کر دیا تھا۔ وہ گھبرا کر نفی میں سر ہلاتے بالکل بھی اپنے کہے کا دفاع نہیں کر پائی تھی۔ جواباً عالیہ ہلکے پھلکے مسکرا کر اس کا مذاق اڑانے لگی تھیں۔

”اتنا ڈر کیوں رہی ہو پاگل، پسندیدگی ہی ہے ناں تم دونوں کے بیچ؟“

”جی......“ مجرموں کی طرح جھکا سر اثبات میں ہلاتے اس نے اچانک بے تحاشا گھبرا کر سر اٹھایا۔ یہ کیا کہا تھا آپی نے۔

”ہم دونوں کے بیچ...... انہیں حیدر کے بارے میں کیسے پتا؟“

”م...... مجھے اس کے بارے میں نہیں پتا۔“ ثمن کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

''اچھا...... مجھ سے تو سعدیہ اس روز پوچھ رہی تھی کہ حیدر اور ثمن کیا کبھی اسکول میں ساتھ پڑھتے تھے۔'' عالیہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''کیا مطلب...... ایسا کیوں کہا انہوں نے؟''

''حیدر نے کی ہوگی تمہارے متعلق کوئی بات۔''

''ہاں...... لیکن ہم تو کبھی ساتھ نہیں پڑھے، وہ ایسا کیسے کہہ سکتا ہے۔''

''ہاں...... میں نے بھی یہی کہا تھا۔ بہر حال تمہیں محتاط رہنا چاہیے۔'' وہ آخر میں بڑی بہنوں والا رعب جماتے وہاں سے اٹھ گئیں اور انتہا درجے کی بزدل ثمن کو لگا اب اسے اپنی آنکھوں پر پہرہ لگانے کا وقت آ گیا ہے۔ عالیہ آپی کے ایک ہی جملے نے اس قدر دل سہادیا کہ اسے اب تک کے اپنے سارے اقدامات انتہا درجے کا چھچھورپن محسوس ہو رہے تھے۔ خود کو بری طرح سرزنش کرتی اس نے دل ہی دل میں پختہ عہد کرلیا کہ اسے حیدر کو راہ چلتے دیکھنا بھی قطعاً زیب نہیں دیتا۔ آپی کی ایک ہی نصیحت کو پلو سے باندھتے اس نے مزید اچھی اور نیک بچی بننے کا ارادہ کرلیا اور اگلی مرتبہ کچھ ہفتے بھر بعد جب امی کے ساتھ نانو کے گھر جاتے حیدر دکھائی دیا تو اس نے بڑی کامیابی کے ساتھ خود کو ان جادو اثر آنکھوں میں دیکھنے سے باز رکھا تھا۔ ایک سرسری نگاہ اتفاقاً پڑ جانے پر جلدی سے دوسری طرف دیکھنے کے عمل کو حیدر نے بہت دور تک ثمن کی پشت دیکھنے پر مجبور کیا تھا۔

''کیا وہ خفا ہے کسی بات سے؟'' حیدر اس بے اعتنائی پر بس اتنا ہی سوچ پایا اور سچ تو یہ تھا کہ ثمن خفا بھی تھی۔

''آخر اس کی عزت کی پروانہ کرتے کیوں حیدر نے اپنی بھابی سے اس کے بارے میں استفسار کیا تھا۔ کیا وہ نہیں جانتا ثمن کتنے اچھے گھر کی سلجھی ہوئی لڑکی ہے۔ کیوں وہ اس کا کسی اور کے سامنے دھڑلے سے نام لیتا ہے۔'' پر حیدر یہ نہیں جان سکتا تھا کہ ثمن کے دل میں کیا ہے۔ وہ بھی چپ چاپ اپنی راہ چل دیا کہ اب تک کے وقت میں نصیب نے یہی تو دکھایا تھا۔ جانے کیا مستقبل تھا اس بے نام خلش کا۔ نہ باتیں نہ ملاقاتیں، حتیٰ کہ ان دونوں نے کبھی ایک دوسرے کی آواز تک نہیں سنی تھی۔ گزرے تین ماہ کا کارنامہ محض ایک دوسرے کا نام جان لینا تھا۔ وہ مسکرا کر تاسف سے سر ہلاتا دکان کے اندر چلا گیا۔ وہ گہری آنکھوں والی پرکشش لڑکی کیوں دل کو ایسے بھا گئی تھی کہ نہ دکھائی دے تو شب و روز کے معمولات کسی قدر آسانی سے انجام پا جاتے تھے اور جس دن اچانک کہیں سے نمودار ہو کر صورت دکھا جائے تو سارا نظام متاثر ہو جاتا تھا۔ بائیک چلاتے، اباجی سے گاہکوں کی بات کرتے، امی سے لاڈ اٹھواتے بس وہ سحر انگیز نگاہ چادر سی ماحول پہ تن جاتی پھر اس کے اثر سے نکلنا کئی گھنٹوں تک دوبھر ہو جاتا تھا۔



''سعدیہ کے ہاں میلاد کی تقریب ہے، چلو گی؟'' عالیہ آپی نے شرارتی مسکراہٹ دباتے اسے شوخ نگاہوں سے دیکھا اور ثمن کو وہ مذاق جانے کیوں خود پر کسی انگلی سا اٹھتا دکھائی دیا تھا۔ وہ ہمیشہ سے اپنی شخصیت کے ہر پہلو کو چھپا کر رکھنے والی انتہائی احساس لڑکی تھی اور آپی کیسے دھڑلے سے اسے کسی سے منسوب کرکے اس کی کمزوری کا لطف لے رہی تھیں۔ ثمن کو اپنی انا اور خودداری پر زبردست چوٹ سی پڑتی محسوس ہوئی تھی۔ اس نے اپنا من مارتے فوراً ہی نفی میں سر ہلا کر اندر کی راہ لی تھی۔

''انکار کیوں کر دیا ثمن...... وہ بے چاری لائبہ کو کیسے سنبھالے گی۔'' امی عالیہ کی شرارت سے انجان ثمن کو سمجھانے لگیں۔

''لائبہ کو ہمارے پاس چھوڑ جائیں۔'' وہ جاتے ہوئے کہہ گئی۔

''نہیں رہے گی اکیلی ہمارے پاس جانتی تو ہو اس کی ماں آس پاس رہے تب ہی یہ لڑکی ہمارے ساتھ گھلتی ملتی ہے۔ ذرا سا عالیہ غائب ہو تو آسمان سر پہ اٹھا لیتی ہے۔''

''چلی جاؤ ساتھ پھر ہو سکتا ہے قرآن پاک یا سورۃ یسین پڑھنی پڑ جائے۔ لائبہ تو بہت تنگ کرے گی

اسے۔" امی نے تو عالیہ کی طرف داری کی قسم ہی کھالی تھی۔ ثمن کو لگا مزید بحث کہیں آج امی کے سامنے اس کی پول نہ کھول دے تو بات مان لینے میں ہی عافیت ہے کیونکہ عالیہ ایسے معاملوں میں پھٹے ڈھول سے کچھ کم نہ تھیں۔ اندر کی گدگدی نے اللہ جانے اب تک بھی کیسے اسے خاموش رہنے دیا تھا۔ ثمن نے وارڈ روب سے اورنج کڑھائی والا براؤن ڈریس منتخب کیا۔ دل اب وہاں پہنچنے کے خیال سے ڈوبنے ابھرنے لگا تھا۔ تیاری کے دوران ایک ایک پچ کو حیدر کی نگاہ سے دیکھتے وہ اپنی بچکانہ سوچ پر شرمندگی سے ہنس دی تھی۔ بڑے سے سفید گیٹ سے سعدیہ کے گھر میں پہلی مرتبہ داخل ہوتے ثمن کو اپنے وجود میں ٹھنڈی لہریں سی دوڑتی محسوس ہونے لگی تھیں، خشک حلق میں بار بار گلٹیاں سی ابھر کر معدوم ہو رہی تھیں۔ مضطرب آنکھیں ہرنی سی بے تاب چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔ وہ خود کو بظاہر بڑا نارمل رکھے ہوئے تھی لیکن درحقیقت اپنے دل کے ہاتھوں زبردست پریشان تھی۔ حیدر نام کی پکار ان لمحوں میں روئیں روئیں سے پھوٹ کر اسے حیران و پریشان کر رہی تھی لفظ "محبت" ایک حسین خوف تھا اب سے پہلے اور "دل" کاغذ کی ناؤ، جسے محبت کی ندی میں ہلکا سا دھکا دیتے آگے بڑھانا جیسے اسے طوفان کے حوالے کرنا تھا اور جذبات اس کچی کمزور ناؤ پر اوپر سے برستی وہ بارش کہ جس کا ایک ہی وار کافی ہو سفینہ ڈبونے کے لیے۔

تقریب زنانہ تھی۔ بڑا سا لاؤنج عورتوں سے بھرا ہوا تھا۔ فرش پر سفید چادریں بچھا کر قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا تھا۔ سعدیہ نے بتایا کہ قرآن خوانی کے بعد نعتیں پڑھی جائیں گی۔ وہ عالیہ آپی کے قریب ہی لائبہ کو لے کر بیٹھ گئی تھی۔ عالیہ آپی نے سپارہ اٹھا کر پڑھنا شروع کیا اور لائبہ بس پانچ سات منٹ ہی سکون سے بیٹھ سکی تھی۔ آپی نے آنکھ کے اشارے سے اسے لائبہ کو باہر لے جانے کو کہا اور وہ مدد طلب نظروں سے انہیں دیکھنے لگی تھی۔ اب بھلا باہر سے مراد کیا تھی۔ عالیہ نے ایک لڑکی کو ہاتھ سے اشارہ کر کے بلایا۔ سی گرین ڈریس والی وہ سفید پیاری سی لڑکی مسکرا کر قریب آئی تھی۔

"جی عالیہ آپی؟"

"ارم ذرا یہ ثمن اور لائبہ کو لاؤنج سے باہر کسی جگہ بٹھا دو۔ لائبہ شور کر رہی ہے۔"

"آئیں۔" ارم نے بہت توجہ سے ایک گہری نظر ثمن پر ڈالتے اسے باہر آنے کو کہا۔ وہ لائبہ کو اٹھائے اس کے پیچھے چلتی برآمدے میں آ گئی تھی۔ کھلے کشادہ برآمدے میں کین کی کرسیاں رکھی تھیں۔ سامنے خوب صورت لان تھا۔ وہ لائبہ کو وہیں برآمدے میں لے کر ٹہلنے لگی تھی۔

"میں کچھ دیر میں واپس آتی ہوں۔ آپ یہاں آرام سے بیٹھ جائیں۔" ارم نے مشورہ دیا تو ثمن کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری تھی۔

"آرام سے تو یہ بیٹھنے نہیں دے گی۔ آپ پریشان نہ ہوں میں سنبھال لوں گی۔" وہ ارم کے جانے کے بعد وہیں دائیں سے بائیں دس بارہ قدموں کے اندر لائبہ کو ٹہلانے لگی جب کسی سمت سے ہلکی سی مردانہ کھنکار نے بے اختیار سر موڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ لائبہ کی شرارتوں نے اسے ایسے چکرا دیا تھا کہ حلیے کو فراموش ہی کر بیٹھی تھی کہ وہ کہاں ہے۔ لان کی اونچی فینس کے پیچھے سینے تک دکھائی دیتا وہ حیدر ہی تھا جو کھنکار کر مبہم ہنسی لبوں میں دبائے موبائل پر کوئی نمبر ڈائل کر رہا تھا۔ نظریں بھی موبائل پر جمی تھیں پر ثمن کو پورا یقین تھا کہ کچھ دیر پہلے وہ نہ صرف اسی کو دیکھ رہا تھا بلکہ وہ کھنکارنا اور دبی دبی ہنسی بھی اسی کے لیے تھی پر اب وہ بات کرتے ذرا دور چلا گیا تھا۔ ثمن کی اودھم مچاتی دھڑکنیں بڑی مشکل سے قابو میں آ سکی تھیں۔ قدرے سنبھل کر اب وہ اس کی پشت کو دیکھ رہی تھی۔ گھر سے نکلتے، یہاں تک آتے ایک اسی حسین توقع ہی کی انگلی تھامے ہوئے تھی کہ کاش وہ قریب سے دکھائی دے جائے۔ وہ اسے دیکھ کر مسکراتا تھا تو شناسائی کی لپک سی کوند جاتی تھی۔ ایک دوسرے کے متعلق کچھ نہ جانتے ہوئے بھی وہ ایک بڑے مضبوط و معصوم جذبے کی ڈور سے بندھ

گئے تھے۔ کبھی ثمن کو لگتا اس حسین منظر نامے میں کبھی کسی اضافے کی کچھ ضرورت نہیں، یہ احساس اپنی جگہ بڑا مکمل اور جامع ہے لیکن یہ وقتی احساس دل کی بے کلی کے سامنے ہار مان کر تسلیم کرنے پہ مجبور ہو جاتا کہ نہیں یہ کافی نہیں، ایسی منہ زور خواہشات کو نہ پیچھے دیکھنا آتا ہے نہ اسے ٹھہراؤ کے معنی معلوم ہیں۔ اگلا قدم اس راہ کا پہلا تقاضا ہے۔ وہ اگلا قدم جو مہینوں سے حیدر اور ثمن کے بیچ بس اٹھا ہی رہ گیا تھا اور آج پہلی مرتبہ اس پر کشش کی پشت کو دیکھتے ثمن کے ڈرپوک دل نے اس قدم کو اٹھا لینے کی ہمت اپنے اندر محسوس کی۔ جانے کیوں اسے لگ رہا تھا آج کا سامنا آغاز ہے کسی اگلے قدم کا اور کاش اس قدم کی پہل حیدر کی طرف سے ہوتے سیدھے اس کے قدموں کے سامنے آ کر رکے۔

''بس اب اور نہیں۔'' وہ دل کے بے کل پھڑ پھڑاتے پرندے کو اپنے ہاتھوں سے آزاد فضاؤں کے سپرد کر دینا چاہتی تھی اور حیدر نے موبائل کان سے ہٹاتے ایک بار پھر یک لخت مڑ کر دیکھا تھا ایسے کہ ثمن کی چوری ایک بار پھر اس نے کھلے بندوں پکڑ لی تھی۔ نہ صرف پکڑی بلکہ وہی ہمیشہ والی شناسا سی مسکان جو وہ اس حسین بھول پر ہمیشہ ہی خوب لطف لے کر لبوں پہ لایا کرتا تھا۔ ایک گہری نظر آس پاس پہ ڈالتے وہ فینس کی طرف بڑھتے لان کے دروازے سے باہر نکل گیا تھا۔ رخ سیدھے اسی جانب تھا۔ ثمن گھبرا کر لائبہ کو تھپکتے دوسری طرف دیکھنے لگی۔ دل جیسے روئیں روئیں میں دھڑک رہا تھا۔

''حیدر کو ادھر نہیں آنا چاہیے۔'' چند منٹ پہلے کی ساری چوکڑی بھول وہ نچلا لب پریشانی سے بھینچے کھڑی تھی، جب کھنکارنے کی آواز بالکل پیچھے سنائی دی۔ ثمن بری طرح گھبرا کر مڑی تھی۔ وہ دو اسٹیپس چڑھ کر اسی وقت برآمدے میں آیا تھا۔ دیکھ بھی اسی کی جانب رہا تھا۔ ثمن سے آنکھیں چار ہوئیں تو بجائے مسکراہٹ کے سنجیدہ سپاٹ چہرے پر کوئی بہت ہی خاص پیغام محسوس ہوا تھا۔ ثمن چونک گئی تھی۔ اب نہ وہ اپنی جگہ سے ہل پا رہی تھی نہ نظریں ہٹا پا رہی تھی۔ دھیان اس پیغام کی طرف لگا تھا جیسے وہ ہر خطرہ مول لے کر بھی جان لینا چاہتی تھی۔ حیدر قدم قدم اس کی جانب بڑھ رہا تھا کہ عین اسی وقت پیچھے جالی والا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ ثمن نے بے ساختہ گردن موڑی، ادھر دروازے سے ارم باہر نکل رہی تھی اور ادھر حیدر اس کے بہت پاس سے گزرتے دروازے کو کراس کرتا آگے بڑھ گیا تھا۔ ارم کے چہرے پر واضح ایک رنگ سا آ کر لہرا گیا تھا۔ حیدر اور ثمن کو ایک ساتھ برآمدے میں کھڑا دیکھ کر جانے اس نے کیا اخذ کیا تھا۔ ثمن البتہ نارمل سی تھی۔ لان سے نکل کر برآمدے کے راستے کمرے میں حیدر کا جانا کسی دیکھنے والے کے لیے ایسے کچھ اچنبھے کا باعث ہونا بھی نہیں چاہیے تھا۔ پر یہ بھی ثمن کی بھول تھی کہ بظاہر نظر آتے اس منظر کو اتنی سادگی سے لیا جائے گا۔ وہ تو شکر ادا کر رہی تھی کہ حیدر کو ابھی کچھ کہنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ ورنہ اگر وہ کوئی بات کر رہے ہوتے تو دیکھنے والا غلط سمجھ سکتا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے کین کی کرسی پر بیٹھ گئی اور ارم سے اس کی اسٹڈیز کے متعلق پوچھنے لگی تھی۔

ارم بھی بظاہر تو بڑے سکون سے بات کر رہی تھی۔ ثمن کو کہیں کچھ غلط ہونے کا احساس نہیں جاگا لیکن پھر رات کو عالیہ آپی اس رات ان کے ہاں ٹھہر گئی تھیں۔ تقریباً گھنٹے بھر بعد واپس آنے پر اس نے خود ہی میاں کو فون کر کے کہہ دیا کہ آج وہ امی کے ہاں رہے گی لہٰذا وہ اسے لینے کل آئیں۔ احسن بھیا بھی کہیں بزی تھے شاید آرام سے مان گئے۔ ثمن کے موڈ پر عجیب سرمستی چڑھی ہوئی تھی۔ لائبہ کو لیے صحن کی ٹھنڈ میں بنا موسم کی پروا کیے لہک لہک کر گیت گا رہی تھی۔

''دل کا عالم، میں کیا بتاؤں تمہیں
اک چہرے نے بہت...... پیار سے دیکھا مجھے
دل کا عالم......''

حیدر کو دیکھ لینے کی خوشی سے اس کا کھلا چہرا اور شاداب دکھائی دے رہا تھا۔ محبت تو ایک بس خوشی ہی دیتی ہے۔

اس کے فقط ہونے میں ہی اس کا سارا حسن پنہاں ہے۔ دل محبت سے مامور ہے بس یہی اس کا اصل حسن ہے۔ یہی سچی خوشی ہے، دو دلوں میں بیک وقت اس کا ہونا ہی خوش نصیبی ہے۔ محبت کا حاصل محبوب کے دل میں ذرا سی جگہ پانا ہی تو ہے تو بس ثمن رباب بھی خوش ہے کیونکہ اس نے سب پالیا تھا۔

"مجھے آج سعدیہ کے ہاں تمہیں نہیں لے جانا چاہیے تھا۔"

"ہوں؟" سوئی ہوئی لائبہ کو بیڈ پہ لٹاتے وہ چونک کر سیدھی ہوئی۔ بازوؤں میں ہلکورے دیتے سریلے گانوں کی لوریاں سناتے وہ لائبہ کو سلا چکی تو لٹانے کے لیے آپی کے کمرے میں آئی وہ جو اس سے پہلے موبائل پر بزی تھیں۔ ثمن کو دیکھ کر فرصت سے اٹھ بیٹھی تھیں۔ اوپر سے ان کا جملہ ثمن ان پر نظریں جمائے جملے کی وضاحت کی منتظر نظر آئی۔

"کیوں...... ایسا کیا ہوگیا؟" بے تابی سے پوچھتے وہیں بیڈ کے کنارے پر ٹک گئی تھی۔

"ارم تمہاری وجہ سے بہت ڈسٹرب تھی آج۔" عالیہ آپی ایسے ہی ٹھنڈے ٹھنڈے شاک دیا کرتی تھیں۔

"ارم...... وہ کیوں؟" وہ تو کچھ نہیں سمجھی تھی۔

"اسے پتا ہے تمہارے اور حیدر کے بارے میں۔" عالیہ ہنوز نارمل لب ولہجہ لیے ہوئے تھیں۔

"کک...... کیا پتا ہے۔" وہ لفظ "تمہارے اور حیدر کے بارے میں" سن کر عرق عرق ہوجاتی۔ ایسے حالات میں جبکہ اس کے اور حیدر کے بیچ ابھی ایسا کچھ تھا ہی نہیں۔

"ارم اس کی منگیتر ہے ناں۔" عالیہ آپی جانے کیوں آج جھٹکے دینے کے موڈ میں تھیں۔ ثمن نے بڑی مشکل سے خود کو نارمل رکھا تھا۔

"اسے کیا پتا ہے میرے اور حیدر کے بارے میں اور ایسا ہے ہی کیا ہمارے درمیان۔" وہ غصے سے بولی۔ عالیہ آپی کا اپنا رویہ ہی کم تضحیک آمیز نہ ہوتا اسے اور حیدر کو موضوع بناتے ہوئے۔ ثمن نے آج دماغ صاف کرنے کا آغاز انہی سے لینے کی ٹھانی تھی۔

"تو اب مجھے کیا پتا۔" انہوں نے بناوٹی لہجے میں ہنکارا بھرا۔

"ہوسکتا ہے حیدر نے کچھ کہا ہو۔"

"کسی کو کچھ بھی کہنے کا کوئی حق نہیں ہے آپی۔" ثمن کی یک لخت آواز بھرا گئی تھی۔

"میں نے کچھ نہیں کیا اس لیے کوئی مجھ پہ انگلی نہ اٹھائے۔" وہ تیزی سے کہہ کر اپنے کمرے میں آگئی۔ آپی دوسری مرتبہ الزام حیدر کے سر دھر رہی تھیں اور دونوں مرتبہ ہی ثمن کے دل پر بوجھ سا آپڑا تھا۔ اس کی آنکھوں میں دیکھنے کی اپنی جسارت اسے ایسے لمحوں میں سخت نادم کردیتی تھی۔ وہ حیدر کی شخصیت کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتی تھی تو اگر وہ اصل میں ایسا ہی تھا۔ عزت کی پروا نہ کرنے والا۔ لڑکیوں کو پبلک میں موضوع بنانے والا تب تو وہ سراسر غلطی پر تھی اور صریحاً بھول کر رہی تھی۔ نری اپنی ذات سے دشمنی اور اب تو ارم۔ لب سختی سے بھینچتے وہ اس نئی اطلاع پر نادان دل کو سنبھالا دینے کی لاحاصل کوشش کرنے لگی تھی۔

"ارم اس کی منگیتر تھی اور اس نے کیسی ناگواری سے مجھے دیکھا تھا۔" حیدر کے ساتھ برآمدے میں اپنی تب کی لاپروائی یاد کرکے وہ اپنی بے خبری پر سخت پشیمان ہو رہی تھی۔ ارم تو دل ہی دل میں اس سے خائف بیٹھی تھی اور وہ کیسے عام انداز میں اس سے سوالات کر رہی تھی۔ اف سانس اندر سے کسی جلتے الاؤ سی خارج ہوئی۔

"تو حیدر کی شادی ارم سے ہونی ہے۔ وہ مسکرا کر محبت سے دیکھنے والا کبھی اس کا نہیں ہوسکتا۔" جانے کچھ دیر پہلے وہ کیوں اور کیسے سوچ رہی تھی کہ محبت کا حاصل محض محبوب کی محبت پالینا ہے اگر ایسا ہوتا تو حیدر کو ارم کے حوالے سے سوچنا اتنا تکلیف دہ نہ ہوتا۔ ایک مسکراہٹ کافی تھی تو محض منگنی کا سن کر اندر اس خالی پن کا پیدا ہونا غلط تھا اور یہ آنسو۔ اس نے گھبرا کر اپنی پلکوں کو پوروں سے چھوا۔ وہ رو

رہی تھی اور مسلسل رو رہی تھی۔ جانے یہ کیسی برسات تھی۔ کیا وہ حیدر کے رویے پر رو رہی تھی یا ارم سے اس کی منگنی کا سن کر یا پھر وہ پہلا قدم جو آج پہلی بار اٹھتے اٹھتے رہ گیا تھا۔ وہ قدم جو شاید اب واپس کھینچنا پڑ جائے۔ شاید نہیں یقیناً بالآخر بڑی دیر بعد ایک نتیجے پر پہنچتے ثمن نے اپنی آنکھیں صاف کر کے عزم سے کچھ سوچ لیا تھا۔

اللہ کا لاکھ شکر ہے کہ آج وہ اٹھا قدم آگے بڑھ نہیں پایا تھا۔ اب اسے ہمیشہ کے لیے خود کو پیچھے ہٹانا تھا۔ آنکھوں کا گناہ اسے نری تباہی کی طرف لے جا رہا تھا تو یعنی جسے وہ اتنی سی بات سمجھ رہی تھی۔ وہ ہرگز اتنی سی نہیں تھی۔ برائی کا منبع، ماخذ، بنیاد یہی آنکھیں ہی تو ہیں اور یہی آنکھیں ہیں جنہوں نے حیدر کو اس کی جانب متوجہ کرنے میں اپنا کردار ادا کیا تھا۔ اس روز بس میں اگر وہ اپنی نگاہوں کو بھٹکنے سے روک لیتی تو کیوں وہ بے چارا مائل بہ کرم ہوتا۔ آج اگر وہ ثمن کے حوالے سے چار لوگوں میں فخر سے اس کی پسندیدگی کا ذکر کرتا ہے تو یہ مان سوائے ثمن کی آنکھوں کے اور کس نے دیا تھا اسے۔

”محبت سوائے ایک کاغذ کی کشتی کے کچھ نہیں۔ آنکھوں کی گستاخیوں نے جسے طوفان کے حوالے کرتے سوائے ڈبونے کے کچھ نہیں کیا تھا اور بس۔“ اس نے ایک جذب سے اپنی آنکھیں صاف کیں۔

”بس یہی تک تھی اس نادان دل کی زور آزمائی۔ اب میں اس کی ایک نہیں سنوں گی۔ ہرگز اپنے دل کے آگے شکست تسلیم نہیں کروں گی اور کسی کو اتنی جرأت نہیں دوں گی کہ وہ میری ذات کو نشانہ بنائے۔“ حیدر نام پہ آتے دل لمحے کو ڈانواں ڈول ہوا۔ عجیب سمجھ نہ آنے والی ہوک اٹھی اندر کہیں۔

پہلی مرتبہ حیدر کے نام سے دل میں درد سا اٹھتا محسوس کیا تھا۔ وہ درد جو شاید ارم سے اس کے منسوب ہونے پر اٹھا تھا۔ شاید حیدر کے بے احتیاط رویے پر شاید خود کو محبت کے حصار سے باہر نکال لانے کے عہد پر۔ ہمیشہ کے لیے ان سحر خیز آنکھوں میں دیکھنے سے خود کو باز رکھنے پر، درد

بہرحال اب اس نے اپنا مقدر بنا لیا تھا۔ مقدر جس کی بانٹ کے آگے ثمن کی کھلی ہتھیلی خالی رہ گئی تھی۔ اس کی چاہت اس کی دعا کو کسی اور کے دامن میں ڈال دیا گیا تھا۔ نصیب سے بڑھ کر کبھی کسی کو کچھ نہیں ملتا۔ حیدر اس کا نصیب نہیں تھا اور فی الحال تک کے سفر میں ایک یہی سچ تھا جس کا ثمن کو سامنا تھا اور وہ تیار تھی اس سامنے کے لیے اور کاش کہ یہ سچ بس اتنا ہی ہوتا کہ حیدر اس کا نصیب نہیں تھا لیکن بات اتنی معمولی اتنی سادہ نہ تھی جتنی وہ بظاہر دکھائی دے رہی تھی۔

ثمن نے اپنے دل کی نفی کرتے دماغ سے دوستی کر لی تھی۔ آنے والے دنوں میں دو اتفاقات نے اسے حیدر سے ٹکرایا لیکن وہ دونوں مرتبہ ثابت قدم رہتے نگاہ چرا کر اپنے راستے مڑ گئی تھی۔ باتیں، ملاقاتیں اور وعدے تو بیچ میں تھے نہیں حیدر اس خاموش گریز سے معلوم نہیں کیا اخذ کرتا خاموش دل و نگاہ لیے حسب معمول اپنی راہ مڑ گیا تھا۔

ایم اے اکنامکس کا فائنل ایئر تھا۔ وہ سنجیدگی سے اپنی اسٹڈیز میں مصروف ہو گئی تھی۔ آٹھ دس ماہ پہلے دل کے دروازے کھڑکیوں نے یک لخت کھل کر جس غبار کو اپنے اندر سمیٹا تھا۔ وہ اب دھیرے دھیرے بیٹھنے لگا تھا۔ وہ خوش تھی کہ سب کچھ معمول پر آ رہا تھا۔ ایک بس خود کو ذرا سا وقت دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ محض اتنا وقت جتنا اٹھی جھاگ کو تہہ میں بیٹھ جانے پر لگتا ہے۔ جذبات بھی جھاگ سا ابال رکھتے ہیں وقت کا بہاؤ ان جذبات کو جھاگ سا بٹھاتے ہمیں اپنی روٹین میں واپس سیٹ کر دیتا ہے۔ درد کی شدت میں بلا مبالغہ کمی آئی تھی اور وہ سکون سا محسوس کرتے اپنے روز و شب کو اپنی دنیا تک محدود رکھنے میں کوشاں ہو گئی تھی۔

عالیہ آپی لائبہ کے ساتھ اس بار کچھ زیادہ دن کے لیے میکے آئی ہوئی تھیں۔ احسن بھائی کسی کام سے اسلام آباد گئے ہوئے تھے۔ لہٰذا آپی قدرے زیادہ آرام سے یہاں پھیلی ہوئی تھیں۔ اپنے گھر کی مصروفیت میں شاید ان کے

لیے دوستوں کو ٹائم دینا مشکل تھا۔ یہاں وہ کبھی کسی سہیلی سے فون پر لمبی باتیں کرتی پائی جاتیں تو کبھی کسی سہیلی سے ملنے چلی جاتیں۔ ثمن کے ساتھ ایک دو مرتبہ مارکیٹ بھی شاپنگ کرنے کے لیے گئی تھیں۔

اس روز ثمن یونیورسٹی سے واپس آئی تو عالیہ آپی کے ساتھ سعدیہ باجی کو بیٹھے دیکھا فوری طور پر ایک عجیب سے احساس نے گھیرا۔ میلاد شریف کے بعد وہ پہلی مرتبہ ان سے مل رہی تھی۔ وہ حیدر کی بھابی ہونے کے علاوہ ارم کی بہن بھی تھیں۔ اب اگر ارم اس بات سے واقف تھی کہ حیدر اور ثمن کے بیچ کسی پسندیدگی وغیرہ کا معاملہ تھا تو یقیناً سعدیہ باجی بھی یہ بات جانتی ہوں گی اور ثمن کو اب ایسی تمام باتوں کو سوچتے سخت ندامت سی گھیر لیتی تھی۔ کچھ دیر تک عام انداز میں رسمی گفتگو کرتے وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ کپڑے بدل کر امی کے پاس آئی تو وہ اکیلی کچن میں مصروف تھیں۔

''سعیدہ خالہ نہیں آئیں امی؟'' وہ ان کا اہتمام دیکھ کر خود ہی پلیٹوں کو ترتیب سے ٹرے میں رکھنے لگی تھی۔

''کہہ رہی تھی شام کو گھر میں مہمانوں نے آنا ہے۔ بہت کام کرنے ہیں۔''

''یوں ہی بہانے کرتی ہے امی۔ آپ کہتی ناں کہ ہمارے ہاں بھی تو مہمان آئے ہیں۔ یہاں کے کام کون دیکھے گا۔''

''ارے نہیں بھئی۔ آج واقعی اس کی بڑی بیٹی کے رشتے کے لیے کچھ لوگ آ رہے ہیں۔ سچ مچ کام تھا بے چاری کو۔'' امی سدا کی رحم دل تھک ہار کر بھی کام والی کی سائیڈ لے رہی تھیں۔ ثمن نے تاسف سے سر ہلا دیا تھا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔ آپ اب آرام کریں۔ میں یہ کباب تل کر خود ہی آپی کو دے آؤں گی۔'' اس نے زبردستی امی سے کفگیر لیا تو وہ بھی بنا بحث میں پڑے کام چھوڑ کر اندر چل دیں شاید واقعی تھکاوٹ محسوس کر رہی تھیں۔ ان کے جانے کے بعد ثمن نے باقی کے کام نمٹا کر خود ہی قرینے سے ٹرالی سجائی اور بہت احتیاط کے ساتھ نہایت آہستہ روی سے ٹرالی کچن سے نکالتے وہ ڈرائنگ روم کی طرف بڑھی۔ کچن سے ڈرائنگ روم کے بیچ چھوٹا سا لاؤنج تھا۔ گھر میں اس وقت بہت خاموشی تھی۔ اس لیے ڈرائنگ روم سے آتی آوازیں دور تک اور بہت واضح طور پر سنائی دے رہی تھیں۔ ثمن کے کانوں میں پڑتی آواز سعدیہ باجی کی تھی اور ان کے لبوں پہ حیدر کا نام تھا۔ ثمن کے قدم غیر اختیاری کچھ اور سست ہو گئے تھے۔

''تم سچ کہتی تھیں عالی۔ میں تو اول نمبر کی ڈفر ہوں۔ تم نہ احساس دلاتیں تو اتنا اچھا رشتہ خود اپنے ہاتھوں گنوا دیتی اور ایک وہ ارم ہے احمق کہیں کی۔ کب سے حیدر کو دل میں بسائے بیٹھی تھی۔ اتنا نہیں ہوا بہن کو دل کا حال ہی بتا دے۔''

''اچھا ٹھیک ہے۔'' عالیہ آپی کی دبی دبی آواز میں موضوع کو ٹالنے والا انداز تھا جیسے سعدیہ کے یہاں اس ٹاپک کو چھیڑنے پر وہ بے چینی محسوس کر رہی ہو۔ ثمن نے بجائے آگے بڑھنے کے قدم وہیں روک لیے تھے۔ اگر ایک بار وہ ڈرائنگ روم تک پہنچ جاتی تو سعدیہ بھی اسے دیکھتے چپ ہو جاتی اور جتنا ثمن نے اس ایک جملے سے اخذ کیا تھا وہ جھٹکا دینے کے لیے کچھ کم نہ تھا۔

''تم جیسی دوست بہت کم ہوتی ہیں عالی۔'' سعدیہ کا لہجہ تشکر سے چور تھا۔

''ایسے موقع پر جبکہ تم اپنی بہن کے لیے آسانی سے راہ ہموار کر سکتی تھیں تم نے مجھے ارم کے رشتے کی صلاح دی حالانکہ جب مجھے حیدر کے رجحان کا پتا چلا تو یاد ہے میں نے تم سے خود کہا تھا کہ ہم ثمن کا حیدر سے رشتہ کرواتے ہیں۔ بڑا مزہ آئے گا۔ ہماری دوستی رشتے داری میں بدل جائے گی۔'' عالیہ سے بڑے دنوں بعد کی ملاقات نے سعدیہ کے اندر خوب جوش بھر رکھا تھا وہ اردگرد سے قطعی طور پر بے نیاز اپنی بات کر رہی تھیں۔ شاید اس کا واقعی یہی خیال تھا کہ عالیہ نے ارم کا رشتہ حیدر سے اس کی محبت اور دوستی کی مثال قائم کرنے کے لیے کرایا ہے اور عالیہ تو تھیں ہی ایسی۔ باتوں اور دلیلوں سے لوگوں اور حالات کو اپنے

حق میں کر لینے والی۔ سعدیہ کی اونچی آواز اور لاپروائی یہ بھی جتاتی تھیں کہ اس کے نزدیک ان ساری باتوں کا ثمن کو بھی علم ہوگا۔ عالیہ نے حیدر کے لیے ارم کی تجویز سال بھر پہلے دی کچھ اس انداز میں ہوگی کہ سعدیہ کو اس کے لب و لہجے میں بہن کے لیے جیلسی کا شائبہ تک نہیں ہوا ہوگا اور یہ بات تو ثمن ہی سمجھ پا رہی تھی کہ سال بھر پہلے جو کچھ عالیہ آپی نے انجام دیا تھا اس کے پیچھے کون سی نیت اور کیسا جذبہ کارفرما تھا۔ وہیں کھڑے کھڑے ثمن کی آنکھوں کے آگے آپی کی پانچ سالہ ازدواجی زندگی کا نقشہ پھر گیا تھا۔ گزرے پانچ سالوں کے دوران عالیہ کے میکے گھر کی بنیادوں تک میں یہ ایک جملہ سرایت کر گیا تھا۔

"میرے لیے یہی ملا تھا۔" بہت ہی ڈیشنگ اور ہینڈسم سے نعمان بھائی کو بچپن سے دل میں بسائے وہ کالج کے دوسرے سال میں پہنچی کہ ابو کو اس کے لیے احسن بھائی پسند آ گئے تھے۔ عالیہ نے سنا تو خوب واویلا مچایا کہ وہ ہرگز ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی اور وہ بھی نعمان کے علاوہ کسی اور سے کسی قیمت پر نہیں۔ امی نے جب اس کے ضد جیسے رجحان کو محسوس کیا تو نہ صرف شوہر سے بلکہ دبے دبے لفظوں میں بھائی اور بھابی سے بھی ذکر کر دیا تھا۔ نعمان ان کا سگا بھتیجا تھا سوچا اگر وہ لوگ بھی عالیہ کی چاہ رکھتے ہیں تو کیا ضرورت ہے بلاوجہ بیٹی کو غیروں میں دینے کی۔ بھائی اور بھابی بھی بظاہر تو رضامند دکھائی دیے لیکن چونکہ نعمان اور عالیہ ہم عمر تھے تو نعمان اس لحاظ سے ابھی کالج کا اسٹوڈنٹ ہی تھا۔ منگنی یا رشتہ تو ایسی صورت میں کیا جاسکتا تھا پر شادی نہیں اور ادھر عالیہ کے ابو کو جانے کیوں جلدی بیٹیاں رخصت کرنے کی دھن سوار ہوگئی تھی۔

احسن کمپیوٹر انجینئر تھا۔ گھرانہ بہت شریف اور ویل آف تھا پھر وہ لوگ عالیہ کو نہ صرف پسند کر چکے تھے بلکہ روز کے حساب سے لگاتار آنا جانا رکھے ہوئے تھے۔ نذیر صاحب نے جلد ہی انہیں ہاں کی صورت جواب دے دیا اور عالیہ، نعمان رضا کی یادوں سے دامن چھڑا کر انتہائی قبول صورت اور پختہ عمر احسن بھائی کے سنگ رخصت ہونے پر مجبور ہوگئی تھی۔ وہ احسن بھائی جن کی محبت کا رنگ گزرے پانچ سالوں کے دوران کہیں عالیہ کے انداز اطوار پہ چڑھتا دکھائی نہیں دیا تھا۔ گھر کی معمولی سے معمولی رنجش پر بھی پتھر مارنے کے انداز میں وہ یہ جملہ میکے والوں کو کہنا نہ بھولتی "یہی ملا تھا میرے لیے۔"

تو وہی عالیہ باجی جو اندرونی طور پہ نجانے کیسی پیچیدہ نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہو چکی تھیں۔ ہرگز اس حقیقت کا سامنا کرنے کو تیار نہ تھیں کہ چھوٹی بہن کی زندگی میں کوئی ہینڈسم، خوب صورت لڑکا جیون ساتھی بن کر آئے۔ بالخصوص جو اس کی بہن کی محبت بھی ہو یعنی اس کی اپنی زندگی جن دو بڑی نعمتوں سے محرومی میں کٹ رہی تھی وہ دونوں ہی اس کی بہن کو حاصل ہو جائیں، ایسا وہ اپنے جیتے جی تو ہونے نہیں دے سکتی تھی۔

اندر کمرے میں ابھی تک سعدیہ اور عالیہ کی گفتگو کا موضوع ارم ہی تھی۔ ثمن جب دھواں دھواں چہرہ لیے اندر داخل ہوئی تو عالیہ نے چونک کر اس کے چہرے کے تاثرات کو جانچا اور سچ تو یہ ہے کہ ثمن اس لمحے اپنی فیلنگز عالیہ آپی سے چھپانے کے موڈ میں قطعاً نہ تھی، نہایت سنجیدہ سپاٹ چہرہ لیے وہ کھانے پینے کا سامان سرو کر کے اسی خاموشی سے واپس نکل گئی تھی۔ عالیہ کو شک ہی نہیں یقین سا ہونے لگا کہ ثمن نے سعدیہ کی باتیں سن لی تھیں۔ تب ہی رات کو خود ہی شاید وضاحت دینے کے انداز میں اس موضوع کو چھیڑا۔

"پتا نہیں سعدیہ کو کیوں ایسا لگتا ہے کہ ارم کا حیدر سے رشتہ کرنے کی تجویز میں نے اسے دی تھی۔ مجھے تو کوئی ایسی بات یاد نہیں۔" ثمن ان کی وضاحت کے جواب میں چپ چاپ لائبہ سے کھیلتے باہر نکل گئی۔ وہ اس موضوع پر اب کچھ سننا نہیں چاہتی تھی۔ خصوصاً عالیہ کے منہ سے تو بالکل بھی نہیں۔ ہاں یہ خیال اب تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ دل میں دن بہ دن اور شدت سے جاگزیں ہوتا جارہا تھا کہ حیدر کو اس کے نصیب نے نہیں بلکہ اس کی بہن نے

اس سے چھینا ہے۔

دل اندر سے بجھ جائے تو زندگی میں واپس لوٹنے کے لیے دوبارہ سے اٹھ کھڑا ہونے کے لیے کسی نئے سہارے، کسی بیساکھی کی مدد لینی پڑتی ہے۔ نئے سہاروں کی ثمن اپنے دل اپنی زندگی میں گنجائش نہ پاتے ہوئے خود کو مصروف رکھنے کے لیے بیساکھیوں پہ کھڑے ہوتے ایم اے اکنامکس کے بعد ایم فل کا ارادہ کرتے ایک بار پھر پڑھائی میں گم ہوگئی تھی۔ حیدر کے بارے میں سننے میں آیا کہ اس کی کسی اچھے بینک میں منیجر کی نوکری مل گئی تھی۔

عالیہ آپی آج بھی پوری ڈھٹائی سے ہنس ہنس کر اسے حیدر کی خبریں دیا کرتیں لیکن وہ خود اب آس پاس کے منظر سے دور نکل گیا تھا۔ نوکری کے سلسلے میں اب وہ لاہور میں رہائش پذیر تھا۔ وہ جو دنوں اور ہفتوں کے دورانیے میں کہیں نہ کہیں دکھائی دے جاتا تھا۔ دو برس ہوئے اب کہیں نظر نہ آیا تھا۔ جاب کے دو سال بعد اس کی شادی کی اطلاع ملی۔ عالیہ آپی نے خوب جوش و خروش سے شادی میں شرکت کی۔ ثمن کو ساتھ چلنے کی آفر بھی کی پر وہ بس انہیں خاموش نظروں سے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ عالیہ جیسے لوگوں سے کچھ بھی کہنا بے کار تھا۔

حیدر شاید ارم کو بھی اپنے ساتھ لاہور لے گیا تھا کیونکہ دو سال پہلے چار سالوں میں بدلے پھر پانچ، چھ اور سات۔ حیدر اسے پھر کبھی دکھائی نہیں دیا اور وہ خود اس دوران ایم فل کر کے ایک پرائیویٹ کالج میں لیکچرار شپ کرنے لگی تھی۔ ابو جی کے بعد گھر کی پوری ذمہ داری عدیل بھیا کے ہاتھوں میں آ گئی تھی۔ ابو جتنے بیٹیوں کی شادی کے معاملے میں عجلت پسند تھے۔ عدیل بھیا اتنے ہی وہمی اور غیر مطمئن دکھائی دیتے تھے۔ سات برسوں میں جانے ثمن کے کتنے رشتے انہوں نے محض اپنی تسلی نہ ہونے کی وجہ سے ٹھکرا دیے تھے۔ گزرے سات برسوں میں عالیہ آپی اور اس کی امی کا فیورٹ موضوع ثمن کی شادی تھی جو کہ اٹھائیس برس کی عمر تک پہنچ جانے پر بھی بہر حال انجام نہ پا سکی تھی۔

''مجھے تو لگتا ہے امی عدیل بھی راضی ہو ہی جاتا ہوگا کسی نہ کسی رشتے پر لیکن یہ اپنی ثمن ہی بھیا کے کان میں اعتراض پھونک کر انکار کر دیتی ہے۔'' عالیہ نے اپنا کچا پکا اندازہ بھی پورے یقین سے امی تک پہنچایا۔

''ارے نہیں...... نہیں۔'' امی نے فوراً آپی کی مخالفت کی۔

''کون لڑکی نہیں چاہے گی کہ وقت پر اچھا جیون ساتھی نہ ملے۔ میں تو بلکہ اس بے چاری کو تسبیحات اور وظائف بھی پڑھنے کو بتاؤں تو چپ چاپ کہنا مان کر پڑھ لیتی ہے۔''

''ہاں پر مجھے تو لگتا ہے وہ ابھی تک حیدر کو بھول نہیں پائی۔''

''چپ رہو پاگل۔'' امی نے بازو پہ ہاتھ مار کر آہستہ سے سرزنش کی کیونکہ عدیل اندر آفس کے لیے تیار ہو رہا تھا۔

''کون حیدر؟'' عدیل شرٹ کے کف لنکس بند کرتا کمرے سے باہر نکلا تو ماتھے پہ ایک ساتھ کئی بل پڑے ہوئے تھے۔ امی کی سانسیں بڑی شدت سے اوپر نیچے ہو رہی تھیں۔ مائیں تو اولاد کی اوٹ اس کا پردہ ہوتی ہیں پھر بیٹی بھی ایسی معصوم سعادت مند۔ انہیں عالیہ کی بے احتیاطی اس لمحے بری طرح کھلی تھی جبکہ عالیہ جھینپ کر ہنس دی تھی۔

''کچھ نہیں عدیل ویسے ہی ایک بات کر رہے تھے۔''

''کہیں وہ ایوب انکل کا بیٹا حیدر عباس......'' وہ اب مشکوک نظروں سے امی کو دیکھ رہا تھا۔ امی نے گھبرا کر نفی میں سر ہلایا عدیل نے نہ صرف سن لیا بلکہ اب وہ سر پر کھڑا کڑی تفتیش بھی کر رہا تھا۔ کچن میں چائے بناتی ثمن کا بھی کام کرتے ہاتھ رک گیا تھا۔ بھیا کے لہجے کی انہونی اسے دروازے تک کھینچ لائی تھی۔

''یوں ہی عدیل، کم عمری کی پسندیدگی کا معاملہ تھا۔ کوئی سنجیدہ بات تھوڑی تھی۔'' عالیہ نے لاپروا انداز اپناتے بہر حال پیغام وہاں تک پہنچا دیا جیسا کہ وہ چاہ رہی تھی۔

اس بار وہ بھی بنا کچھ کہے واپس پلٹ گیا تھا۔
"بھانڈ جیسا گلا پھاڑنا ضروری تھا۔" تنبیہہ نظروں سے عالیہ کو دیکھتے ان کی نگاہ کندھے کے پیچھے سے دکھائی دیتی ثمن پر گئی جو خاموشی سے واپس پلٹ گئی تھی۔
"جانے یہ آنکھ کا داغ کبھی پیچھا بھی چھوڑے گا میرا۔" ہمیشہ کی طرح آج بھی آہ کھینچتے اسے اپنی نگاہوں کا گناہ کھٹکا اور محبت؟

ٹھہر گئی ہے محبت کہاں کہ مدت سے
نہ ابتدا کی طرح ہے نہ انتہا کی طرح



ایک گھنٹے کا سفر کٹ چکا تھا۔ وہ بھیا کے جانے کے بعد بھی کھڑکی والی سائیڈ پر ہی بیٹھی تھی۔ ایک طرح سے حیدر کی نگاہوں سے چھپ کر حالانکہ ساتھ والی سیٹ سفر شروع ہونے کے بعد بھی خالی ہی تھی۔ بس میں مسافر اچھے خاصے تھے لیکن بہرحال بالکل بھری ہوئی نہیں تھی۔ ڈرائیور نے بس روک دی تھی، ثمن نے باہر دیکھا وہ قیام و طعام کا ایک اسٹاپ تھا۔ بس رکنے پر مسافر نیچے اترنا شروع ہوگئے تھے۔ حیدر باوجود آگے ہونے کے اپنی سیٹ پر بیٹھا رہا اور اب بس کے تقریباً خالی ہوجانے پر جگہ سے اٹھا اور اٹھ کر مڑتے ہی پہلی نظر ثمن پر ڈالی وہ جو اسے اٹھتا دیکھ کر فوراً نظر چرا گئی تھی حیدر ہلکا سا مسکرا کر نیچے اتر گیا تھا۔ ثمن اس کی مبہم ہنسی البتہ نہیں دیکھ پائی تھی۔ وہ خود بھی نیچے جانا چاہتی تھی اور مسافروں کے اتر جانے کا ہی انتظار کررہی تھی۔ حیدر کے اترنے پر کچھ دیر تو بلاوجہ مخمصے میں بیٹھی سوچتی رہی کہ جائے یا نہیں پھر چائے لینے کے خیال سے اتر ہی گئی کہ سر میں سفر شروع ہوتے ہی درد اسٹارٹ ہوگیا تھا اور وہ سر درد میں ہمیشہ ہی بجائے ٹیبلٹ لینے کے چائے پی لیا کرتی تھی۔
نیچے اترنے پر حیدر کہیں دکھائی نہیں دیا۔ وہ کینٹین میں آکر چائے بنوانے لگی۔ تب بھی وہ دکھائی نہیں دیا۔ مسافر اب آہستہ آہستہ بس میں بیٹھنا شروع ہورہے تھے۔ گرم چائے کا کپ اور اپنا ہینڈ بیگ سنبھالتے وہ باہر آئی تو ان کی بس کے سامنے ایک اور بس آکر کھڑی ہوگئی تھی۔ اسے ذرا سا دائیں جانب سے گھوم کر اپنی بس تک پہنچنا تھا اور اب وہ دوسری بس کی اوٹ سے آگے بڑھ رہی تھی جب پیچھے سے ایک آواز نے اس کے قدم روک لیے تھے۔
"ایکسکیوزمی۔" وہ چونک کر پلٹی تو سامنے دکھائی کوئی نہیں دیا البتہ کوئی شخص نیچے جھکا ہوا تھا اور دوسری نظر میں پہچان گئی کہ وہ حیدر ہی تھا جو اب سیدھا اٹھ کھڑے ہوتے سپاٹ سنجیدہ لہجے میں ایک کاغذ اس کی جانب بڑھا رہا تھا۔
"شاید آپ کے بیگ سے گرا ہے۔" وہ گڑبڑا کر اپنے کندھے سے لٹکے ہینڈ بیگ کو دیکھ رہی تھی جب کاغذ حیدر اس کے ہاتھ میں تھما کر آگے بڑھ گیا تھا۔ ثمن اپنے دل کی بے ہنگم دھک دھک سے نبرد آزما کاغذ کو دیکھتی رہی اور چہرہ جذبات کی حرارت سے لو دینے لگا تھا۔ دل کی پکڑ دھکڑ بجائے قابو میں آنے کے کچھ اور شدت پکڑ گئی تھی۔ کاغذ پہ ایک موبائل نمبر لکھا ہوا تھا۔ شک کی گنجائش نہ تھی کہ وہ نمبر حیدر کا تھا جو وہ رابطے کے لیے اسے دے رہا تھا۔ وہ کاغذ کو مٹھی میں دبائے بس میں آئی تو حیدر اپنی جگہ پر موجود تھا۔ وہ بنا نظریں چار کیے تیزی سے اپنی سیٹ کی طرف بڑھ گئی۔
چائے کا کپ سامنے ہولڈر میں پھنساتے وہ سیٹ کی پشت سے سر ٹکائے سختی سے آنکھیں بھینچے بیٹھی تھی۔
حیدر نے ایسا کیوں کیا تھا اور وہ اب کیا کرے۔ حیدر کا نمبر سات برس پہلے جس کا حصول ثمن کی نیندیں تک اڑا دیتا تھا آج اس کی مٹھی میں قید تھا۔ وہ نمبر جواب اس کے کسی کام کا نہیں تھا۔ ایک راستہ جس نے برسوں ہوئے ثمن کے قدموں کی چاپ نہیں سنی تھی۔ نمبر اگر راستہ ہوا کرتے ہیں تو وہ شاہراہ آج ایک بار پھر ثمن کی نظروں کے سامنے کھلی پڑی تھی، وہ پلکیں جھپک جھپک کر آگے دیکھنے کی کوشش کرتی اور سات برسوں کی دھند میں لپٹے اس راستے کے پار دیکھنا مشکل ہورہا تھا۔ کہر کی دبیز تہہ میں کئی

بنتی بگڑتی شکلیں اس کی راہ روکے کھڑی تھیں اور ثمن کا اٹھتا قدم جیسے کسی بھاری زنجیر میں الجھا آگے نہ بڑھ پاتا۔ وہ اپنا قدم اٹھائے کہرے کی ان لپٹوں کو چاک کردینا چاہتی تھی پر وہ بنتی بگڑتی شکلیں اسے روک رہی تھیں۔ پیچھے دھکیلنے پر مجبور کرتی ہر شکل ہر آواز ایک تنبیہہ تھی اسے آگے بڑھنے سے روکنے کی اور وہ ان شکلوں، آوازوں اور برسوں کی چھائی دھند سے بے نیاز اپنے زنجیر میں جکڑے قدم کو دیکھ رہی تھی۔ وہ قدم جسے سات برس پہلے اس نے اپنی دانست میں پیچھے کھینچ لیا تھا وہ تو آج بھی وہیں اٹھارہ گیا تھا۔ وہ پیچھے ہٹا ہی کب تھا۔ ایک موہوم سی امید اور توقع کی آس نے کبھی اسے پیچھے ہٹنے ہی نہیں دیا تھا۔ وقت کو کھینچ کر آگے بڑھتے جانا تو ایک مجبوری تھی۔ پر یہ دل اس کی راہوں کو وقت سے کچھ سروکار نہیں ہوتا۔

دل اور وقت متوازی چلتی دو سڑکیں ہیں۔ وقت کی باگوں کو تھامے یہ ظاہری وجود بنا رکے، تھمے اور مڑے آگے ہی آگے سرپٹ دوڑ رہا تھا اور کچے راستوں پرست روی سے وقت کی چال پہ مسکراتا معصوم دل بنا ہار مانے تھکے، ایک دن کھوے سا سامنے سے آپ کو آ لیتا ہے۔ ایسے کہ وقت کا سارا انظام یک لخت ایڑ لگانے پر شطرنج کی بساط سا پورا پیچھے کو الٹ جاتا ہے۔

یونیورسٹی بس سے شروع ہونے والا نگاہوں کا سفر سات سال بعد ایک بار پھر اسے بس میں کھینچ لایا تھا اور یوں لگ رہا تھا جیسے یونی کی بس میں رواں دواں وہ آج بھی اسی پہلے سفر میں ہیں۔ کہرے کی چادر اپنے آپ سمٹ گئی۔ راستہ روکتی بنتی بگڑتی سب ہی شکلیں دھند اپنے ساتھ لپیٹ لے گئی تھیں۔ محبت کی خوشبو سے معطر اس بسیط ماحول میں باقی رہ گئے تھے پھر دو نادان دل اور بھٹکتی ہواؤں کی اس بغاوت بھری نادانی میں عقل و دانائی نہ دکھائی دیتی ہے نہ کہیں سجھائی۔ کچے راستوں کی دھول میں وہ برہنہ پا سرپٹ دوڑنے کو تیار تھی۔ جب نظر اپنی بند مٹھی پر پڑی۔ پسینے سے تر اس نم ہتھیلی پہ دھرا نیلی روشنائی سے لکھا نمبر لیے کاغذ پہ پھیل کر آپس میں گڈمڈ ہو رہا تھا۔ کچھ سیکنڈز جاتے کہ ہندسوں کی پہچان بھی مشکل ہوجاتی۔ ثمن نے گھبرا کر اپنا سیل فون نکالتے جلدی جلدی نمبر کو محفوظ کیا اور نمبر محفوظ کرنے کے بعد ہی سوچنے کی نوبت آئی کہ یہ قیمتی متاع وہ اب کسی قیمت پر کھونا نہیں چاہتی تھی۔

ایک پوری عمر کمال ضبط و استقامت سے دل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کسی قدر غرور رعونت سے گردن تانے اپنی قوت برداشت و طاقت کو آپ ہی داد طلب نظروں سے تکتے گزر جاتی ہے۔ ایسے میں اپنی ستائش کو الفاظ ہی حاصل نہیں ہوتے، درد کو مات دینا آسان نہیں پر جب آپ ایسا کر چکیں تو اپنی تعریف کو دوا جیسا اپنے درد کے خلاف استعمال کرتے اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کی جدوجہد کرتے ہیں۔ ثمن رباب نے زندگی میں جتنا کچھ کھویا تھا، اس سے کہیں زیادہ اسے اپنے متعلق کھوجنے کو ملا تھا۔ ابھی تک کے وقت میں وہ اپنے متعلق آپ فرض کیے گمانوں میں رچی بسی اپنی متعین کردہ حدود سے ایک انچ بھی یہاں وہاں ہونے کی حالت میں نہ تھی اور یہ قصہ کچھ دس منٹ پہلے تک کا تھا۔ بھیگی ہتھیلی میں دبا وہ نیا راستہ حقیقت سے خواب و خیال کی کھڑکی ٹاپ جانے جیسا تھا۔ وہ کھڑکی سے کود جانا چاہتی تھی۔ پیروں تلے کسی جادوئی قالین کو محسوس کرتے ان دیکھی انجان دنیا کے سفر کی طرف پر ابھی شاید ہار ماننے میں کچھ شرم، کچھ وقت مانع تھی۔

موبائل کے ان باکس میں سے اس نے ایک فارورڈ میسج کا انتخاب کیا تھا۔

''سبق آموز، نصیحت پکڑنے والا، ہدایت کی راہ سجھاتا ہے اپنے نفس کو لذت سے روکنے والا اس کا مالک اور اسے بے لگام چھوڑنے والا ہلاکت میں ہے'' ثمن نے میسج اس نمبر پہ بھیج دیا۔ حیدر کے نمبر پہ پیغام بھیج کر اپنا نمبر اس تک پہنچا کر ہار تو وہ تسلیم کر ہی چکی تھی لیکن اس ہار کو مان لینے میں کڑی وقت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ نصیحت بھرا قول ایک ڈھال تھا جس کی آڑ میں وہ اپنی کمزوری چھپانا چاہ

رہی تھی۔ حیدر کا چہرہ بائیں سائیڈ سے اب ثمن کے سامنے تھا کہ ہولائی گھبرائی جب وہ چائے لیے اپنی سیٹ پر واپس پہنچی تھی تو بجائے کھڑکی والی سائیڈ تک جانے کے وہیں ڈھیر ہوگئی تھی اور سچ تو یہ تھا کہ اب اس میں ہمت ہی نہ تھی اس حسین جادوگر کو آنکھوں سے اوجھل کرنے کی۔

میسج پڑھ کر حیدر کے لبوں پر ہلکی سی ہنسی آئی۔ ذرا سا گردن موڑ کر اس نے جانے کیسی نظروں سے ثمن کو دیکھا کہ وہ سمجھ نہیں پائی۔

"آج بھی اتنی ہی ڈرپوک ہو تو بہ ہے۔" میسج کا جواب فوراً ہی ملا تو ثمن نے زبردستی مسکراہٹ دبائی۔

"بہادری کو میں بے وقوفی سمجھتی ہوں۔" جواب دینا گویا فرض تھا۔

"بہادری شخصیت کا حسن اس کی شان ہے۔ تم اسے بے وقوفی سمجھتی ہو کمال ہے؟" فوراً ہی جواب آیا۔

"تو آپ نے کب دکھائی بہادری؟" یہ شاید چڑانے کی کوشش تھی پر وہ متحمل رہا۔

"بہادری ہر وقت اور ہر جگہ اچھی نہیں لگتی۔ اس کے کچھ خاص مواقع ہوتے ہیں۔ ویسے میں بہادر ہوں اور یہ میرا سچا دعویٰ ہے۔"

"اچھا...... ویسے کیا ہوتا ہے وہ خاص موقع؟" اب وہ لب کھول کے ہنسی تھی۔ ایک ہاتھ بڑھا کر نیم گرم چائے کا کپ بھی ہولڈر سے نکال کر لبوں سے لگالیا تھا۔ ماحول کے کچھ دیر قبل والے تناؤ میں کشادگی اور پھیلاؤ سا محسوس ہونے لگا تھا۔ وجود جیسے جھیل پہ تیرتے کنول کے پھول ایسا ہلکا پھلکا پرسکون و مخملیں ہو رہا تھا۔ سہولت سے سیٹ کی بیک سے پیٹھ ٹکاتے اب وہ صرف اس کھیل میں گم تھی جو شاید دنیا کا سب سے حسین دھوکا تھا۔

"بتائیں گے اور صرف آپ کو ہی بتائیں گے کہ یہ بہادری شاید ایسے کسی موقع کے لیے قدرت نے ودیعت کی تھی۔" حیدر نے مسکراتے ہوئے پہلے سوچا پھر لکھ بھی بھیجا۔

"اسلام آباد کب آئے تھے؟" مسکرا کر ٹائپ کرتے وہ مبہم لفظوں کی ہیرا پھیری سے باہر نکلی۔

"دو روز پہلے۔" اس بار مختصر جواب آیا۔

"اور فیملی؟"

"وہیں لاہور میں ہے۔"

"تم اکیلے؟" ثمن حیران ہوئی کہ وہ ارم اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو اکیلے بھی چھوڑ دیا کرتا ہے۔

"نہیں...... ایک کزن سسٹر وہیں پاس ہوتی ہیں اوپر کے پورشن میں۔"

"اسلام آباد آنا کیسے ہوا...... خیریت تھی؟"

"امی کی طبیعت کچھ خراب تھی تو ان سے ملنے آیا تھا۔"

"اوہ...... اب کیسی ہے آنٹی کی طبیعت؟"

"شکر ہے اللہ کا اب بہتر ہیں۔ تم کہاں جارہی ہو وہ بھی اکیلے؟"

"لاہور ہی جارہی ہوں، کزن کی شادی ہے، اکیلے جانا مجبوری تھا بھابی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے ان دنوں۔"

"کتنے دنوں کے لیے؟"

"بس دو روز کے لیے۔"

"ہمیں بھی شرف میزبانی بخشیے۔"

"ارم سے مار کھلوانی ہے کیا۔" ساتھ میں ایک اسمائلی بھی بھیج دیا۔

"کیا ایسے ہی چلی جاؤ گی، بنا ملے؟" عجیب استفسار تھا وہ حیران ہوئی پھر لکھ دیا۔

"جانا تو ہے۔"

"اب نہیں جانے دوں گا ثمن۔" جواب بہت جلدی آیا اور الفاظ ایسے کہ جھیل کی سطح پہ تیرتا دل کہیں عمیق گہرائی میں غوطہ کھا کر نکلا۔ ثمن کی سانس بڑی مشکل سے بحال ہوتی محسوس ہوئی۔ وہ ایک فراٹے سے پچھلے پندرہ بیس منٹوں کے دوران جس کے ساتھ ٹیکسٹ میں مصروف تھی وہ حیدر تھا۔ حیدر عباس اس کی آٹھ سالہ پرانی محبت۔ ہر دم آنکھوں میں بسنے والا۔ دل کے شفاف آئینے میں آج بھی پوری آب و تاب سے چمکتا اپنی روشن صاف پیشانی جیسا اجلا۔ ہتھیلی پہ دھرے چاند جیسا۔ اس نے ثمن لکھ کر

ثمن کو ایسی عجیب سی اپنائیت سے دوچار کیا کہ وہ سوچ میں پڑ گئی تھی۔ زندگی میں پہلی مرتبہ ثمن پکارنے والے کی اس آواز کی وہ آج بھی اسی شدت سے منتظر تھی۔ جیسی اس روز برآمدہ عبور کر کے اس کے قدموں کے مقابل کھڑے ہوتے حیدر کے منہ سے اپنا نام سننے کی تھی۔ ہاں پر عین اسی وقت پیچھے سے ان بے تابانہ قدموں کو روک دینے والی دروازہ کھلنے کی آواز نے ماحول کا سارا فسوں توڑ کر رکھ دیا تھا۔ ارم تو اگرچہ آج بھی درمیان میں موجود تھی اور پہلے سے زیادہ طاقت کے ساتھ لیکن ثمن کو ایسے جادو اثر لمحوں میں ایسے ہیولوں کی کہاں پروا تھی۔

"کیا ہوا ثمن؟" حیدر کو ایک طویل خاموشی کے وقفے نے حیران کیا۔

"میرا نام مت لو حیدر۔"

"کیوں..... کیا نام بدل دیا ہے؟" وہ زیر لب ہنسا۔

"مجھے عادت نہیں ہے تمہارے منہ سے اپنا نام سننے کی۔ دل بری طرح دھڑکنے لگتا ہے۔" وہ صاف گوئی سے لکھ گئی۔ حیدر مسکرا کر لحظے کو رکا۔ کچھ سوچا پھر انگلیاں چلانا شروع کیں۔

"دھڑکنوں کو قابو میں رکھو کہ ابھی تو ٹیکسٹ میں پکارا ہے۔ منہ سے سننے کا موقع ابھی باقی ہے، تب تو تمہاری دھڑکنوں کی آواز شاید مجھ تک بھی آئے۔"

"ہم بات نہیں کریں گے حیدر۔" وہ اچانک کسی خیال سے گھبرا اٹھی۔ حیدر کے انداز میں بے نیازی تھی، اتفاقاً پیش آنے والی صورت حال نے اسے صرف خوشی بخشی تھی۔ وہ اس کے تاریک پہلوؤں پر قطعاً غور نہیں کر رہا تھا۔

"کیوں؟" بس اتنا ہی پوچھا گیا۔

"یہ سب ٹھیک نہیں ہے، نتیجہ کچھ بھی نکل سکتا ہے۔"

"ڈرپوک کہیں کی۔" اس نے پھر مذاق اڑایا۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں۔ آج کے بعد ہم کبھی رابطہ نہیں کریں گے اور آپ مجھے تنگ بھی نہیں کریں گے۔" یہ شاید تنبیہہ تھی ثمن کی طرف سے پر وہ سخت برا مان گیا۔

"سات سالوں میں کبھی تمہیں تنگ کیا ہے ثمن بڑے افسوس کی بات ہے۔"

"سوری..... میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" وہ نچلا لب شرمندگی سے دبائے اپنے لفظوں پر سچ مچ پشیمان دکھائی دی۔ حیدر نے اس کی عزت کے خیال سے ہی کبھی کوئی غیر اخلاقی حرکت کی تھی نہ اکسایا، نہ بلاوجہ کی بہادری، نہ جرأت کی تھی۔

"ہاں لیکن اب تو جانے نہیں دوں گا۔ بس کہہ دیا۔" دھونس جماتا میسج سراسر بدمعاشی تھی پر اس بار بنا ڈرے یا گھبرائے ثمن بے ساختہ ہنس دی تھی۔ حیدر نے بھی اپنے میسج کا ردعمل جاننے کے لیے بڑی دیر بعد ایک بار پھر گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا۔ اتنی دیر کی گفتگو کے بعد جبکہ ماحول میں ایک دوستانہ سی فضا پیدا ہو گئی تھی۔ یہ پہلا نظروں کا تبادلہ تھا جو محبت کے ساتھ ساتھ ایک بھرپور معنی خیزی لیے ہوئے تھا۔ ثمن نے گھبرا کر نظر ہٹالی تھیں۔

"آپ سے کب اور کیسے بات ہو سکتی ہے۔ اب تو آپ گھر جا رہے ہیں۔" تکلف کا خول دھیرے دھیرے ٹوٹ رہا تھا۔ وہ شاید اب پوری طرح ہار مان چکی تھی۔ مقابل آخر کو حیدر تھا۔ اس کا اپنا حیدر۔

"ہاں گھر پر تو مشکل ہے۔ بینک میں بریک سے واپس آنے کے بعد کا ٹائم ذرا ریلیکس ہوتا ہے۔ عام طور پر تین سے پانچ لیکن تم کل گیارہ بجے مجھے کال کرو گی۔ میں انتظار کروں گا۔"

"مجھے آپ سے کچھ پوچھنا تھا۔" وہ وعدہ کرنے میں طرح دے گئی۔

"کوئی سات سال پرانی بات؟" یہ شاید حیدر کا اندازہ تھا اور ظاہر ہے بالکل ٹھیک تھا۔ ثمن کو ہنسی آ گئی۔

"ہوں..... پوچھو۔"

"مجھے سسٹر نے بتایا تھا کہ سعدیہ باجی ان سے پوچھ رہی تھیں کیا حیدر اور ثمن کبھی اسکول وغیرہ میں ساتھ پڑھتے تھے، ایسا کیوں کہا تھا انہوں نے؟"

"اچھا..... سعدیہ بھابی کو الہام بھی آتے ہیں۔ ویسے

تم کو ... سنا ... پڑے۔"

"میں تو سمجھی آپ نے سعدیہ باجی سے میرے حوالے سے کوئی بات کی ہے۔"

"توبہ کرو...... یہ پٹاخہ خواتین کیا راز دار بنانے کے قابل ہیں۔"

"خواتین؟" ثمن انجوائے کر کے ہنس دی تھی۔

"تمہاری بہن کسی سے کم ہے کیا۔ اللہ جانے تم کس پر گئی ہو۔ ڈرپوک کہیں کی۔"

"ہاں جانتی ہوں بہن پر تو بالکل نہیں گئی۔ ویسے مجھے ایک اور بات بھی پوچھنی ہے۔"

"پوچھتی جاؤ...... اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔"

"میلاد والے دن عالیہ آپی نے کہا کہ ارم میری وہاں موجودگی سے ڈسٹرب تھی۔ یہ کیا معاملہ تھا؟"

"انہی پٹاخہ خواتین کی مہربانی ہے مائی ڈیئر۔"

"لیکن انہیں کیوں اور کیسے پتا چل جاتا تھا ہر بات کا؟" وہ آج بھی بری طرح شکوہ کناں تھی۔

"سب قصور تمہاری آنکھوں کا ہے۔" وہ پھر شرارت پر آمادہ ہوا لیکن کھوئی کھوئی ثمن، بہت دیر تک جواب ہی نہیں دے پائی۔

"سب قصور تمہاری آنکھوں کا ہے۔" اسے کسی چوٹ سا دل پہ لگا کرتا۔ حیدر کی شرارت میں کہیں سنگینی نہیں تھی۔ بس وہ ہی ہر بار چور بن جاتی تھی۔

"ہمارے ایک دوسرے کو دیکھنے میں اتنی طاقت ہوتی ہے ثمن، آس پاس کا پورا ماحول مقناطیسی ہو جاتا ہے اور تم نے سات برس ان آنکھوں کو مجھ سے چھپا کر بڑی زیادتی کی ہے۔" وہ اپنی دھن میں لکھ رہا تھا۔ وہ بھی لفظوں کی جادوگری میں واپس آتے مسکرا کر کچھ لکھنے لگی۔ الفاظ کا ایک سمندر تھا، ایک بس چپ ٹوٹنے کی دیر تھی۔ کہاں تک سنو گے کہاں تک سنائیں گے تحت باتیں تھیں کہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ حتیٰ کہ بالآخر سفر کا اختتام ہوا اور دونوں کو اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہونا پڑا۔ ثمن نے میسج میں ہی حیدر کو تنبیہہ کر دی تھی کہ بس سے اترنے پر وہ اس سے مخاطب نہ ہو کیونکہ چچا زاد بھائی اسے لینے کے لیے پہلے سے وہاں موجود تھا۔ حیدر نے بھی محتاط رویہ اپناتے سنجیدگی سے اپنا سامان اٹھایا اور بس ٹرمینل سے باہر نکل گیا تھا۔



انسان کو اپنی مضبوط قوت ارادی کو جاننے کا موقع بس ایک بار حاصل ہوتا ہے، ایک بار اس لیے کہ اپنی دانست میں وہ کئی چھوٹے موٹے واقعات کی بنا پر اپنے کو بڑا مضبوط خیال کرتا ہے۔ اس کے نزدیک وہ اپنی زبردست اعصابی صلاحیت کا روز کے حساب سے مظاہرہ کرتے خود کو مضبوط اور باصلاحیت ثابت کر چکا ہے پر وہ نہیں جانتا کہ قدرت کا امتحان ابھی باقی ہے اور تب ہی وہ ایک بار دبے پاؤں غیر محسوس طور پر کسی نادیدہ سازش سی اس کے پیچھے آن کھڑی ہوتی ہے اور دراصل وہی اس کے پایہ استقامت کے ڈانواں ڈول ہونے کی گھڑی ہوتی ہے۔

لاہور بس ٹرمینل سے چچا کے گھر کا سفر، شام رات اور اگلی صبح گیارہ بجے تک کے وقت میں ثمن نے ایک بار بھی ٹھہر کر اپنے آپ سے سوال جواب کرنے کی خود کو مہلت نہیں دی کہ آیا اسے حیدر سے بات کرنی چاہیے یا نہیں کیونکہ اپنے آپ سے پوچھنے بتانے کا سلسلہ جب انکار پہ آ کر رکتا ہو اور ہم پہلے ہی دل کی سننے پر خود کو آمادہ کر چکے ہوں تو دماغ سے کنی کترا کر نکل جانے میں ہی عافیت سمجھتے ہیں۔ گیارہ بجے ثمن نے بنا سوچے سمجھے اور توقف کیے حیدر کا نمبر ملا لیا تھا۔

"جی...... السلام علیکم!" حیدر کی بشاش آواز پہ مسکرانے کا عنصر غالب تھا۔ ثمن کے کان بھی اس نئی آواز سے ایک جانا پہچانا چہرا تراشنے میں لگی تھیں۔ آواز سن کر اس کے لب بھی مسکرائے بنا رہ نہ سکے۔

"وعلیکم السلام!" اور بس مزید ثمن کو کچھ نہیں سوجھا، ٹیکسٹ میسجز کی بے تکلفی بھی سراسر بھولنے لگی۔ آواز سننا کچھ الگ احساس تھا۔ ہم کلام ہونا اجنبیت کی آخری دیوار گرنے جیسا تھا۔

"کیا ہورہا ہے جناب؟"

"کچھ نہیں...... میں بس فری تھی۔ آپ بزی تو نہیں؟"

"زیادہ نہیں اور کام تو ساتھ ساتھ چلتے رہتے ہیں۔"

"سفر کی تھکاوٹ اتری۔ نیکسٹ ڈے کام پر آ جانا ذرا مشکل ہوتا ہے ناں۔"

"مشکل تو ہے لیکن کل کے سفر میں تھکاوٹ کہاں محسوس ہوئی۔"

"اچھا...... ایسا کیوں؟" وہ سمجھ کر بھی سننا چاہتی تھی۔

"اب یہ بھی بتانا پڑے گا۔"

"چلیں نہ بتائیں برسوں سے خاموشی سننے کی عادت ہوگئی ہے۔" وہ جیسے آہ کھینچ کر سنجیدہ ہوئی، یوں ہی بلاوجہ یہ شکایت تو مجھے ہونی چاہیے۔

حیدر کا گلہ بھی بجا تھا۔

"میں تمہاری پہل کا منتظر رہا کہ کہیں میری پہل تمہیں بلاوجہ کے وہموں میں نہ ڈال دے۔ اتنا تو میں شروع میں ہی جان گیا تھا کہ تم بہت ڈرپوک ہو۔" وہ اسے چڑانے لگا لیکن وہ سنجیدہ ہی رہی۔

"کیا فرق پڑتا میری پہل سے۔ بیچ والے پھر بھی اپنی منوانے سے باز نہ آتے۔"

"وہ بعد کی بات تھی ثمن۔" حیدر بھی سنجیدہ ہوا۔ "یہ جو برسوں کی چپ ہمارے بیچ حائل ہوئی اس کی ذمہ دار سراسر تم ہو۔ ہم اگر تب ایک دوسرے سے بات چیت کرتے تو ممکن ہے درمیان والوں کو حاوی ہونے کا موقع نہ ملتا یا چلو مل بھی جاتا۔ ہم کم از کم اس طرح ایسے حالات میں آج یہ باتیں نہ ڈسکس کررہے ہوتے۔ لوگ وقت ضائع کرتے ہیں تم نے محبت کو ضائع کردیا۔ جانے کتنے خوب صورت لمحے، باتیں احساسات یوں ہی ہواؤں کی نذر ہوگئے۔" وہ جذباتی ہوکر بولنے پہ آیا تو بولتا ہی چلا گیا۔

"میں وہ سب سننا چاہتی ہوں۔" ثمن کی پلکیں نم ہورہی تھیں اور گلا رندھ گیا تھا۔ سات برس پیچھے جاتا آج سوائے پچھتاوے اور درد کے کچھ نہیں دے سکتا تھا پھر بھی۔

"اس وقت کا حسن اسی کے ساتھ چلا گیا۔" حیدر کی آواز بھی درد سے پر تھی۔

"جانتی ہوں سب بے فائدہ ہے۔" اس نے اپنی بھیگی آواز پہ قابو پاتے کہنا شروع کیا۔

"یہ رابطے، یہ باتیں سوائے دکھ دینے کے ہمیں اور کچھ نہیں دے سکتے، مجھے تو بس کچھ سوالوں کے جواب جاننا تھے۔ کل معلوم ہوگئے مزید کچھ بھی کہنے سننے سے بہت بہتر اپنی اپنی دنیاؤں میں لوٹ جانا ہے۔ آپ پر بھروسے کی بنیاد پر توقع کرتی ہوں کہ آپ میرے پیچھے نہیں آئیں گے حیدر۔ کبھی بھی نہیں۔ اللہ حافظ۔" عجلت میں اپنی بات پوری کرتے اس نے فوراً ہی کال کاٹ دی تھی۔ خجالت اور ہتک کے احساس نے اس کا چہرہ سرخ کردیا تھا۔ وہ عام حالات میں بہت ہی ٹھہرے مزاج کی تحمل لڑکی تھی۔ اپنے جذبات کو اپنے کنٹرول میں رکھتے برسوں اس نے اسی سکون واطمینان سے گزار دیے تھے۔ معلوم نہیں چند گھنٹوں کے اندر اندر یہ کیسی جذباتی تبدیلی تھی ثمن تو جیسے اپنے آپ کو پہچان نہیں پارہی تھی۔ وہ ایک بات جو کال ملانے سے پہلے تک اسے سمجھ میں نہیں آرہی تھی اور ذرا دیر کو رک کر اپنے آپ سے پوچھنے کو تیار نہ تھی۔ اب پوری طاقت سے حملہ آور ہونے لگی تھیں۔

وہ کیا لگتی تھی حیدر کی۔ یہ میسجز، یہ کالز اسے کیا دینے والے تھے۔ وہ اب ارم کا شوہر اور دو بہت پیارے معصوم بچوں کا باپ بھی تھا۔ اس کی زندگی یقیناً ہر حوالے سے بہت مکمل، بہت بھرپور تھی۔ وہ کیوں اور کیا سننا چاہ رہی تھی حیدر کے منہ سے، سات سالوں کی دبی راکھ سے وہ کون سی چنگاری نکال لینا چاہتی تھی۔ حیدر کے ایک ہی جملے نے گزرے چوبیس گھنٹوں کی نیند سے یک لخت بیدار کیا۔

وہ اپنی آنکھیں صاف کرکے باہر جانے کے لیے اٹھی جب ٹیکسٹ میسج کی بیپ نے اس کے باہر جاتے قدموں

کو روک لیا تھا۔ اپنا موبائل فون وہ بیڈ پر ہی بھولے جا رہی تھی۔ بیڈ کے کنارے پر بیٹھتے اس نے اسکرین اوپن کی۔

"جو ہواؤں کے ساتھ اڑ گیا وہ کچھ اور تھا اور جو بہار موسم میں لوٹ کر آیا ہے وہ کچھ اور ہے۔ اسے یہیں سے شروع ہونا تھا۔ یاد رکھنا ثمن اب کہیں جانے نہیں دوں گا۔" سانس ثمن کے گلے میں اٹکی تو بہت دیر تک بحال ہونا ہی بھول گئی۔ وہ پھیلی آنکھوں سے بے یقینی کے ساتھ میسج کو گھور رہی تھی۔ کیا یہ واقعی حیدر نے لکھا تھا اور اگر واقعی اسی نے لکھا تھا تو ثمن نے بے ساختہ اپنے دل پہ ہاتھ رکھ لیا تھا۔ کہیں کسی ڈر خوف اور وہم نے سر کیوں نہیں ابھارا تھا۔ دل سے اٹھتی بغاوت بھری لہروں سے نری خوشی ہی خوشی پھوٹ رہی تھی۔ مردہ جسم میں جان ڈالنے جیسے وہ الفاظ ثمن کے جسم و جاں پر پھوار بن کر اترے تھے۔

"میں بھی کہیں جانا نہیں چاہتی حیدر، کچھ سوچنا نہیں چاہتی۔" وہ پل بھر میں پھر بہل گئی۔ سب بھول بھال پھر سے سرشار ہونے لگی تھی۔ ان باکس اب بھی سامنے کھلا ہوا تھا اور اسے کچھ لکھنا تھا۔ حیدر یقیناً اس کے جواب کی راہ دیکھ رہا تھا۔

میں کس طرح سے گزاروں گا عمر بھر کا فراق
وہ دو گھڑی بھی جدا ہو تو جان جاتی ہے

فراز کا ایک خوب صورت شعر بے اختیار دماغ کو چھوتے دل سے ٹکرایا، ثمن نے لکھ کر مسکراتے لبوں سے سینڈ کر دیا اور وہیں بیٹھے بس ڈیڑھ منٹ کے وقفے سے جواب بھی موصول ہو گیا تھا۔

یہ کہانی کسی اک موڑ پہ رک جاتی تھی
تو ہوا شامل قصہ تو مکمل ہوئے ہم

"مجھے کچھ اور بھی پوچھنا تھا۔" ثمن کو اچانک ایک خیال آیا۔

"لو..... ابھی تو کہہ رہی تھیں۔ سب ہی سوالوں کے جواب کل مل گئے تھے۔" وہ موڈ میں واپس آ چکا تھا، جان بوجھ کر ستانے لگا۔ ثمن نے موبائل اسکرین کو چڑایا۔

"ہاں تو آ گئی ایک بات یاد نہ پوچھوں کیا؟"

"پوچھو بابا...... زندگی بھر سوال پوچھتی رہو۔ اپنا جواب تو بس ایک ہی بار مانگیں گے۔"

"آپ نے اس روز عدیل بھیا کو دیکھ کر چہرہ کیوں چھپایا تھا؟"

"ابھی کچھ ماہ پہلے ہی سننے میں آیا تھا کہ انہیں بھی معلوم ہو گیا ہے۔" اس بار حیدر کی طرف سے سنجیدہ جواب آیا۔

"اچھا..... اب یہ کیسے جان لیا؟" وہ حد درجہ حیران سی تانے بانے ملانے لگیں۔

"جب تک یہ دو چڑیلیں زندہ ہیں ایسی باتوں پہ حیران مت ہوا کرو۔ تمہاری بہن نے سعدیہ بھابی کو بتایا اور سعدیہ بھابی نے اپنی بہن ارم کو جیسے ثواب سمجھ کر اطلاع دی اور میری بیگم صاحبہ نے تمہارا نام کسی رس جیسا میرے کانوں میں گھولا۔"

"اف توبہ..... یہ عورتیں ہمیں پاگل کر دیں گی۔" ثمن نے حقیقت میں لرز کر ایک جھرجھری لی تھی۔

"مجھے تو بس ایک ہی کر پائی ہے اب تک۔" وہ پھر پٹڑی سے اتر رہا تھا۔ ثمن کا چہرا گلابی ہوا۔

کہانی میں پھر سے جان پڑ گئی تھی۔ ان دونوں کی محبت کا قصہ کسی پربت سر کرنے جیسا تھا۔ محبوب کو پا لینے کا سات برسوں پہ محیط دورانیہ پہاڑ پہ چڑھنے جیسا تھکا دینے والا بھاری اور سست ثابت ہوا تھا اور حاصل کر لینے کے بعد باقی کا سفر واپس زمین کو جاتے برق رفتاری سے اپنی جانب کھینچ لینے جیسا۔ ایسے میں جبکہ قدموں پہ آپ اپنا اختیار کھو بیٹھتے ہیں اور ایک نادیدہ طاقت خود بخود اپنی جانب کھینچے چلی جاتی ہے۔ وہ دونوں بھی بڑی شدت اور پوری طاقت سے ایک دوسرے کی جانب کھینچے چلے گئے تھے۔ ایسے میں کوئی رکاوٹ راستہ نہیں روک پائی، کوئی مجبوری آنکھوں کو دکھائی اور سجھائی نہیں دیتی ایک بس اسے مکمل حاصل کرنے کی دھن باقی تمام معاملات کو دوسرے درجے پہ دھکیل دیتی ہے۔

......☆۞☆......

لاہور میں گزارے دو دن تو چچا جی کے گھر پر ڈھیر سارے مہمانوں اور تقریب کی نذر ہو گئے اور واپس اسلام آباد آتے اگلے دن سے ایک بار پھر کالج کی مصروفیت شروع ہو گئی تھی۔ حیدر کا بھی وہ وقت بینک میں گزرتا۔ کالج سے واپس آ کر مشکل سے گھنٹہ بھر کبھی ٹیکسٹ تو کبھی کال کے ذریعے رابطہ رہتا جو ان حالات میں دو دیوانوں کو کم ہی لگتا تھا۔ شام کو حیدر کے گھر جاتے ہی ثمن کا ایک ایک پل اگلی صبح کے انتظار میں کٹ جاتا کیونکہ شام کو حیدر جب اپنے گھر چلا جاتا تو رابطے میں رہنا ممکن نہ رہتا۔ اپنی طرف سے یہ ان دونوں کی احتیاط پسندی تھی جسے کامیابی سے معلوم نہیں کب تک بہر حال دونوں کھینچ لے جانا چاہتے تھے اور بظاہر تو مشکل ہی لگ رہا تھا کہ کامیاب بھی رہتے کیونکہ ثمن تو دو ہی روز میں اپنے دل کے ہاتھوں پریشان ہو گئی جس سے شام اور رات بھر تک کا انتظار انتہائی جان لیوا ثابت ہو رہا تھا۔ نیند اور بھوک ایک ساتھ غائب ہو گئی تھی اور دل پر ایک پاگل کرنے والی بے چینی اور اضطراب کا غلبہ چھانے لگا تھا۔ اس کے لیے سچ مچ اپنے دل کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ رہ رہ کر ایک ہی سوچ پریشان کر رہی تھی کہ آگے کیا بنے گا۔ محبت تو کم بخت ایسی حسین بلا تھی کہ پیچھا چھڑانا بھی مشکل تھا اور پوری طرح اپنانا تو بس میں ہی نہ تھا۔ کبھی لگتا اس وقت سے زیادہ حسین کچھ نہیں تو کبھی یہ محبت نرا گلے کا طوق اور پھانس سی محسوس ہونے لگتی۔ یہ عقدہ بھی الہام بن کر پہلی مرتبہ کھلا کہ اب سے پہلے جسے وہ محبت سمجھتی رہی تھی وہ بھی پورے سات برسوں تک وہ تو محض ایک پسندیدگی سے زیادہ کچھ نہ تھی۔ محبت تو یہ ہے کہ الفاظ و آواز نے جسے نام دیا ہے اور وہ نام دنیا کے سب سے خوب صورت تحفے ”محبت“ کے علاوہ کس کا ہو سکتا تھا۔ ثمن خوش تھی اور گزرے چار دنوں کے نتیجے میں دنیا کو ایک نئے زاویہ نگاہ سے دیکھتے بے حد مسرور و مسحور تھی جب حیدر کی کال نے اس خوشی میں تلاطم خیز ہلچل پیدا کر دی تھی۔

”کچھ دن رابطہ نہیں کریں گے ثمن، ایک چھوٹا سا مسئلہ ہو گیا ہے۔“

”اللہ خیر...... کیا ہو گیا ہے؟“ اس کا بنا جانے ہی رنگ اڑ گیا تھا۔

”ارم کو تمہارے نمبر پہ کچھ شک ہو گیا ہے۔ شام کو بڑے تفتیشی انداز میں پوچھ کچھ کر رہی تھی۔“

”اچھا......“ ثمن کا دل ڈوب گیا۔ ”پر کیسے؟“

”یار...... سمجھ نہیں آ رہا...... میں نے تو تمہارا نمبر ایک دوست کے نام سے سیو کیا تھا۔ اسے بس شروع سے عادت ہے موبائل وغیرہ کا باریک بینی سے جائزہ لینے کا۔“

”تو آپ کو خیال رکھنا چاہیے تھا۔ کہیں کوئی میسج وغیرہ تو......“ ثمن کے دل میں ایک انجانہ خوف پیدا ہوا۔

”ارے نہیں...... نہیں۔“ حیدر نے فی الفور تسلی دی۔

”میسج وغیرہ کوئی نہیں تھا۔ اس نے شاید کال لاگ سے کچھ نتیجے نکالے ہیں کہ فلاں نمبر پر کالز گئی ہیں وغیرہ۔“

”تو اب......؟“

”اب ظاہر ہے کہ نمبر تو ڈیلیٹ کر نہیں سکتا۔ اسے شک ہو جائے گا۔ بس کچھ دن رابطے میں نہ رہنا ہی بہتر ہوگا۔“

”ہوں......“ وہ فوراً راضی ہو گئی۔

”یہی ٹھیک ہے۔“

”او کے...... اپنا خیال رکھنا۔“ وہ اجازت لے کر فوراً ہی فون بند کر گیا اور ثمن پریشانی سے لب کاٹتے اس اچانک پڑنے والی افتاد پر سوچ بچار کرنے لگی۔ رابطوں کی خوشی میں ایسی باریکیوں کی طرف تو دھیان ہی نہیں گیا تھا۔ اتنے جلدی ایک بظاہر چھوٹے سے مسئلے نے سر ابھارا تھا۔ کیا یہ راستے اتنے کٹھن ہوتے ہیں اور اگر ہاں تو پھر اتنے خوب صورت کیوں ہوتے ہیں۔ گزرے سات برسوں میں اگر ایسے وہم گمان اور خدشے کہیں اس کی لائف میں نہیں تھے تو حسن اور خوب صورتی بھی کہاں تھے۔ عشق بذات خود ایک خطرہ ہے تو اس تک پہنچنے کی

سب ہی راہیں بھی اتنی ہی پرخطر اور کٹھن ہیں تو کیا وہ اس راہ پہ چلنے کا رسک لے چکی ہے۔ کیا وہ راہ کی ہر مصیبت اٹھانے کا تہیہ کرچکی ہے۔ کیا اس کے نازک کندھے یہ بار اٹھا پائیں گے۔ موبائل پر آنے والی میسج کی بیپ نے ثمن کے خیالوں کا تسلط توڑا دیا تھا۔

"پریشان ہو ثمن؟" وہ جو جانے کس کام میں الجھا جلدی کال آف کرگیا تھا بہرحال متفکر تھا اس کی طرف سے۔ وہ ہلکا سا مسکرادی لیکن مسکراہٹ میں بھی عجیب سی الجھن اور اداسی کا عنصر غالب تھا۔

"ہوں...... تھوڑی سی۔" وہ لکھے بنا نہ رہ سکی۔

"بزدل کہیں کی۔" وہ شاید ہنس رہا تھا اس پر۔ ثمن کی آنکھ میں موتی سا آنسو چمکا۔ وہ یوں ہی موبائل کو تکتے جواب بھی نہیں لکھ پائی جب حیدر کی طرف سے ایک اور میسج موصول ہوا۔

"ٹینشن نہیں لینا...... آئی ول مینج۔" اور اس بار ثمن قدرے آسودگی سے مسکرائی۔ جانے وہ خود کتنا پریشان تھا اس معاملے کی وجہ سے پر دل رکھنے کا سلیقہ بہرحال جانتا تھا۔ ثمن کو لگا ہاں ثابت قدم رہنا آسان ہے بس ذرا سے حوصلے کی ضرورت ہے۔

"ویک اینڈ پر مجھے آفس کی طرف سے کراچی جانا ہے۔ بھلے ایک دن کے لیے سہی۔ کراچی میں تم سے رابطہ زیادہ سہولت سے ہو پائے گا۔ انتظار کرنا۔" تھوڑی دیر بعد آنے والے اس نئے پیغام نے ثمن کے اندر بھی نئی روح پھونک دی وہ جو "کچھ دن" سے جانے کتنے دن رابطہ نہ کرنے کی مراد لے چکی تھی۔ ایک دم فعال ہوئی۔

"اکیلے جارہے ہیں؟"

"آف کورس۔" فوراً جواب آیا۔ ثمن نے نچلا لب شرارت سے دباتے ذرا دیر رک کر کچھ سوچا۔

"تو کیا ہم سمجھیں کہ کراچی کا وہ ایک دن خالص ہمارے نام؟"

"صرف دن کیوں حیدر عباس بھی آپ کا ہوا۔" وہ بھی پریشانی سے نکل کر پھر اپنی جون میں آنے لگا تھا۔ ثمن کے چہرے سے تپش سی پھوٹنے لگی۔ حیدر کے ایسے جملے اس کا بری طرح دل دھڑکانے لگتے تھے۔

"اب بس بھی کریں ٹیکسٹ میسجز کی۔ کال لاگ پھر سے بھرنا شروع ہوگیا۔"

"ڈونٹ وری...... اب کال لاگ ڈیلیٹ کرنا بھی آ گیا ہے۔ اچھے بچوں کی طرح زندگی گزارنے کے بڑے نقصان ہیں۔ آپ سے ملنے کی دیر تھی۔ استادیاں سیکھنے لگے ہیں۔" وہ شاید فل شرارت کے موڈ میں آ گیا تھا ثمن کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

......☆❁☆......

"واٹس اپ پہ رابطہ کرسکتے ہیں؟" حیدر کا میسج جس وقت آیا وہ امی کے ساتھ ٹی وی پہ ڈرامہ دیکھنے میں مگن تھی۔ دل اس غیر متوقع میسج پہ شدت سے دھڑکا۔ وہ چپکے سے موبائل اٹھائے کمرے میں آ گئی تھی۔

"جی کرسکتے ہیں۔" اس نے فوراً جواب لکھا۔

"لاہور ائیر پورٹ پر ہوں۔ کچھ ہی دیر میں جہاز فلائی کرنے والا ہے۔ تمہارے لیے کچھ سیلفی لی ہیں۔ بھیج دوں؟"

"جی بھیج دیں۔" وہ دھک دھک کرتا دل سنبھالتے واٹس اوپن کرنے لگی۔ حیدر نے کچھ ہی دیر میں اس کو اپنی دو تصویریں بھیج دیں۔

ہلکی شرارتی سی معنی خیز مسکراہٹ اور آنکھوں میں پیار بھری شوخی سموئے وہ یوں کیمرے میں دیکھ رہا تھا جیسے ثمن کی آنکھوں میں دیکھ رہا ہو وہ تو نظر ہٹانا ہی بھول گئی تھی۔ فان کلر کی سادہ شلوار قمیص اور براؤن واسکٹ میں جہاز کی سیٹ سے بیک ٹکائے وہ آرام دہ حالت میں بیٹھا تھا یقیناً تھوڑی ہی دیر میں جہاز پرواز کرنے والا تھا۔ ثمن نے دل ہی دل میں اس کے خیریت سے پہنچنے کی دعا کرتے لکھ بھی دیا۔

"اللہ کی امان میں رہیں۔" حیدر نے میسج تو پڑھ لیا لیکن اس کے بعد شاید موبائل آف کرنا پڑا کیونکہ بہت دیر گزرنے پر بھی اور کوئی میسج نہیں آیا تھا۔ ثمن نے ٹائم دیکھ

کہ اس کے کراچی پہنچنے کا اندازہ لگایا پھر کراچی ایئرپورٹ سے باہر نکلتے اور ہوٹل پہنچنے تک یقیناً اسے کافی وقت لگ جانا تھا۔ ثمن نے دل میں طے کیا کہ اب وہ اگلے روز ہی اس سے رابطہ کرے گی۔ تھکے ہارے بندے کو رات کے وقت ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں، پھر اگلی صبح اس نے وہاں ٹریننگ بھی دینی تھی۔ یعنی اب حیدر سے اس کا رابطہ اگلی دوپہر کو ہی ممکن تھا۔ وہ مسکرا کر بستر پر لیٹتے دوبارہ اس کی تصویریں نکال کر دیکھنے لگی تھی۔

......☆۞☆......

اس کے چہرے پر جو دیکھے اپنی چاہت کے
نقوش
مدتوں کے بعد مجھ کو آئینہ اچھا لگا

"لگتا ہے فری ہوگئے۔" وہ شعر پڑھ کر مسکراتے ہوئے لکھ رہی تھی۔

"جی جناب بالکل فری ہیں اور اب یہ ٹیکسٹ ویکسٹ نہیں چلیں گے کال ملا رہا ہوں۔ فوراً اپنی پیاری آواز سنواؤ شاباش۔"

"اچھا......" ثمن مسکرا کر موبائل تھوڑی کے نیچے ٹکائے سوچنے لگی کہ اب وہ کیا باتیں کرے گیا۔

"السلام وعلیکم!"

"وعلیکم السلام!" لبوں کا بھی دل سے جانے کیسا سگوں والا رشتہ ہے۔ دل کے سروں کو چھیڑتی آواز سن کر اپنے آپ مسکرانے لگتے ہیں۔

"کیسی رہی ٹریننگ؟"

"یار......بہت تھکا دینے والی۔ سر میں درد شروع ہوگیا ہے۔"

"پھر تو آپ کو ریسٹ کرنا چاہیے۔"

"میں تو اسی کو ریسٹ کہوں گا۔ نیند سے تو کہیں زیادہ سکون آ رہا ہے۔"

"کیا......؟"

"ثمن رباب۔" حیدر نے جانے کیوں ایک سرد سنجیدہ آہ کھینچی تھی۔ ثمن نے نروس ہوکر تھوک نگلا۔ گلا جانے کیوں خشک سا ہوا تھا۔

"تم نے میرے ساتھ بہت زیادتی کی ہے ثمن۔ کوئی محبت میں اتنا وقت بھی ضائع کرتا ہے۔ پیچھے مڑ کر دیکھیں تو سوائے پچھتاوؤں کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔"

"اب ایسی باتیں سوچ کر کیوں خود کو پریشان کرتے ہیں۔" ثمن نے تسلی دینے کی کوشش کی۔

"اسی لیے تو اب میں آگے کی سوچ رہا ہوں۔" وہ ابھی تک سنجیدہ تھا۔ ثمن سے بولا نہیں گیا، وہ اسے ایسے ہی حیران کر رہا تھا۔

"جو آپ سوچ رہے ہیں وہ کبھی ممکن نہیں۔"

"ہوں اور کیا سوچ رہا ہوں میں؟" وہ الٹا استفسار کرنے لگا۔ ثمن پھر سے لاجواب ہوئی۔ بلاوجہ ہی جواب دینے میں عجلت دکھا دی جانے وہ کیا سوچ رہا تھا۔

"مجھے نہیں پتا۔"

"تو بھئی مجھ سے پوچھو ناں۔" وہ اب شرارت سے ہنس رہا تھا۔ جانتا تھا وہ بزدل اس معاملے پر اپنی زبان نہیں کھولے گی۔

"یہ عارضی رابطے اس طرح ہمیشہ تو نہیں چل سکتے ثمن ہر تعلق کا ایک منطقی انجام ہوتا ہے اور ہونا بھی چاہیے۔"

"آپ ارم کے بارے میں کیوں نہیں سوچ رہے۔"

"کیونکہ میں ہم تینوں کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ ایک ارم کے بارے میں سوچوں تو اپنے اور تمہارے بارے میں کیوں نہیں؟"

"کیونکہ ہم بہت غلط وقت پہ ایک دوسرے سے ملے ہیں۔" وہ کہہ ہی بیٹھی کہ اس کے نزدیک یہی حقیقت تھی۔

"کیا پتا یہی صحیح وقت ہو۔" وہ بھی جرح کرنے میں کسی سے کم نہیں تھا۔

"بہت مشکل ہے یہ سب۔" وہ دھیرے سے بس اتنا کہہ پائی۔

"چلو......تم ناممکن سے مشکل تک تو آئیں۔" وہ پھر ہنسا۔

"آگے اور بھی آسان ہوتا جائے گا۔"

"اسے سبز باغ دکھانا کہتے ہیں۔" وہ اب مسکرائی تھی۔ حیدر کا انداز ہی اتنا بے فکرا ہوتا تھا۔ بڑی سے بڑی مشکل بھی چھوٹی اور معمولی لگنے لگتی۔

"لگتا ہے بہادری دکھانے کا موقع آ گیا ہے۔"

"مجھے بتا رہے ہیں یا اپنے آپ کو۔" اس نے ہنس کر چڑایا۔

"مشکلیں تو ہر راہ میں ہوتی ہیں ہاں یہ محبت کی راہ ہے، سیدھی راہوں سے تھوڑی ہٹ کر، ذرا زیادہ ٹیڑھی میڑھی، ناہموار اور پیچیدہ۔"

"یعنی......؟" ثمن نے حیرت سے پوچھا۔

"یار...... دنیا میں کیا کچھ نہیں ہوتا، لوگوں کو دیکھتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے، یہاں ہر کسی کو ایک بس اپنا آپ دکھائی دیتا ہے۔ کتنی سہولت سے لوگ اپنے مقصد کو پا لیتے ہیں، بنا زمانے کی پروا کیے اور ایک ہم ہیں ہمیشہ دوسروں کی خاطر ڈر ڈر کر جی رہے ہیں۔ کیا ہمیں اپنے بارے میں، اپنی خواہشوں کے بارے میں سوچنے اور انہیں حاصل کرنے کا کوئی حق نہیں؟" وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہوا جیسے سوچ رہا ہو پھر اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے بولا۔

"تم نے بھی ہمیشہ دوسروں کی فکر کرتے، ان کی نظر میں اچھا بننے کی کوشش کرتے اور اپنی خواہشات کا گلا گھونٹتے زندگی گزار دی۔ مجھ سے یہ سب نہیں دیکھا جاتا۔ جسے اب تک میں تمہارے ڈر سے تعبیر کرتا آیا ہوں وہ ڈر نہیں بلکہ تمہاری حد سے بڑھی ہوئی نرم دلی ہے۔ بندے کو اتنا بھی نرم نہیں ہونا چاہیے کہ لوگ صرف انہیں اپنے مفاد کی خاطر استعمال کرنا جانتے ہوں۔ زندگی میں ایک آدھ بار خود پہ سختی کا خول چڑھا کر دنیا کو اپنے سے ایک فاصلے پر رکھنے کا ہنر بھی آنا چاہیے۔ انسان کا دل کوئی رہ گزر نہیں کہ جس کا دل چاہے اسے پیروں تلے روندتا ہوا آگے نکل جائے۔ اپنے دل میں جھانک کر دیکھو تم آج بھی وہیں کھڑی ہو سات سال پہلے جہاں تقدیر نے ہمیں ایک دوسرے سے جدا کر دیا تھا۔ حیرت ہوتی ہے تم پر ثمن۔"

"مجھے اپنا آپ اس طرح آپ پر ظاہر نہیں کرنا چاہیے تھا۔" حیدر کی اتنی لمبی تقریر کے نتیجے میں ثمن کو اپنا قصور نظر آیا بھی تو کس جملے پر۔

"چلو جی...... بس ہو گئی۔" حیدر جھنجھلا اٹھا۔

"او کے بعد میں بات کرتے ہیں۔ تم تو نرا سر کا درد بڑھا رہی ہو۔" وہ سچ مچ ہی غصے سے فون کاٹ گیا تھا۔ ثمن سختی سے لب آپس میں پیوست کیے کچھ سوچنے لگی تھی۔

زندگی میں بارہا ایسے مواقع آتے ہیں جب قدرت ہمیں دوراہوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنے کا موقع دیتی ہے۔ ایسے میں بہت مشکل ہوتا ہے دل کی راہ چھوڑ کر دنیا کی فکر کرتے دماغ کی راستے چل دینا۔ حیدر کی محبت تو دل میں اول روز جیسی جوان تھی ہی۔ کچھ دیر قبل کی باتیں بھی جادو جیسا سر چڑھ رہی تھیں۔ موبائل فون کو دیکھتے اس نے کسی ایک راہ کے انتخاب میں سات برسوں کے دوران شاید پہلی مرتبہ اتنی ہمت اور بہادری کو اپنے اندر محسوس کیا۔ ثمن سے اب اس کی زندگی روٹھ سکتی تھی پر حیدر کو وہ کبھی روٹھنے نہیں دے سکتی تھی۔

میری آنکھوں میں نہ پا کر تجھ کو
آئینہ روٹھ گیا ہے مجھ سے

پہلی مرتبہ کسی قدر خود اعتمادی سے مسکرا کر اس نے اپنے روٹھے ہوئے کو منانے کی کوشش کی تھی۔

"جاؤ...... میں شعروں سے نہیں بہلنے والا۔" وہاں سے پتھر مار جواب بھی ایسا گدگداتا احساس لیے آیا کہ ثمن اپنی ہنسی نہ روک پائی۔

"شیر نہیں تو کیا ہاتھی، گھوڑے، بندر بھیجیں آپ کو؟" وہ ابھی تک ہنس رہی تھی۔

"تنگ مت کرو ثمن...... مجھے نیند آ رہی ہے۔" وہ ابھی تک غصے میں تھا۔

"خواب نگر میں مجھے بھی ساتھ لے جانا، نیند کھلنے پر شاید کوئی بہت خوب صورت تعبیر ہم دونوں کی منتظر ہو۔"

"اب بھی شاید؟" وہ بے یقین ہوا، ثمن اس کی ضد پر

کر رکھنے کی خواہش بھی بھار اس شیطانی سوچ کو بھی ضرور ابھارتی ہے کہ کچھ نہ کچھ تو مل ہی جائے گا۔ اب جانے یہ خواہش ارم کی دعا تھی، اس کی لگن یا ضد کہ بالآخر اللہ نے سن ہی لی تھی۔

......☆۞☆......

''تم اپنے موبائل سے سینٹ آئٹم ڈیلیٹ کرنا بھول گئے تھے۔'' ارم نے جو بم اس کے سر پہ پھوڑا۔ حیدر کا وضو کے لیے آستین اونچی کرتا ہاتھ وہیں رک گیا تھا۔ دونوں بھنوؤں کو سکوڑ کر خاصی بدمزگی سے ارم پر نگاہ ڈالی جو اس کا موبائل ہتھیلی پہ رکھے لبوں پہ انتہائی تمسخرانہ ہنسی اور آنکھوں میں غصے کی چنگاریاں لیے اسے گھور رہی تھی۔ حیدر نے بنا کچھ کہے موبائل اس کے ہاتھ سے لیا۔ سینٹ آئٹم کا لفظ سنتے ہی دماغ کچھ گھنٹے پیچھے جہاز کے سفر کی طرف چلا گیا تھا۔ ثمن سے ٹیکسٹ میسج کرتے وہ جہاز میں داخل ہوا تھا۔ سامان سیٹ کر کے سیٹ پر بیٹھتے اس نے ثمن سے اجازت لی اور ارادہ اب کال لاگ اور میسجز وغیرہ ڈیلیٹ کرنے کا تھا کہ ایئر ہوسٹس نے موبائل آف کرنے کا فرمان جاری کر دیا وہ پھر بھی کان بند کیے اپنے کام میں لگا رہا سب ہی مسڈ کالز، بھیجی گئی اور ریسیو کی گئی کالز کے بعد ان باکس میں سے ایک ایک کر کے میسج ڈیلیٹ کرنا شروع کیے اور ایئر ہوسٹس ایک بار پھر اس کے سر پر سوار تھی۔ حیدر نے ان باکس کا آخری میسج ڈیلیٹ کرتے ہی فرض کر لیا کہ بس کام مکمل ہو گیا۔ سینٹ آئٹم کہیں دھیان میں ہی نہیں آیا اور اب وہی جان کو آ گیا تھا۔

''تھینکس ثمن...... آئی لو یو۔'' سے آگے آتے جائیں تو سب ہی کچھ سامنے عیاں تھا...... یعنی نہ صرف نمبر اور میسج بلکہ وہ اس بات سے بھی واقف ہو گئی تھی کہ مخاطب ثمن تھی۔ وہ اسی خاموشی سے موبائل جیب میں رکھ کر اندر بڑھ گیا اور ارم پھٹ پڑنے کے انداز میں چیختی چلاتی اس کے پیچھے پیچھے اندر آئی تھی۔

''کہاں مل گئی یہ مصیبت تمہیں اتنے برسوں بعد، بولو حیدر کب سے چل رہا ہے یہ سب کچھ اور یاد رکھو مجھ سے

کرا دی۔

''نہیں...... یقیناً۔''

''تھینکس ثمن...... آئی لو یو......''

''لو یو ٹو، تھری، فور...... اینڈ مینی مور۔''

......☆۞☆......

''کیسا رہا سفر؟'' ارم نے مسکرا کر کوٹ لیتے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہ سحر انگیز حسین نگاہ جو جانے کیوں آج اس کی جانب اٹھی تو کچھ بے گانی سی لگی۔ ارم جو اپنے محبوب شوہر کا پچھلے سات برسوں سے ہر رنگ پہچانتی تھی بنا جواب سنے کچھ الجھی الجھی سی وارڈ روب تک آئی۔ حیدر بھی فریش ہونے واش روم چلا گیا تھا۔

ارم اس کے لیے کھانا گرم کر کے لائی تو وہ بچوں کے ساتھ شرارتوں میں مگن تھا۔ وہ قدرے سکون سا محسوس کرتے اپنے وہموں پر آپ ہی خود کو ملامت کرنے لگی۔ سب ٹھیک ہے۔ دل میں اپنے آپ کو تسلی دیتی سر جھٹک کر ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی۔

''کچھ دیر ریسٹ کر لو حیدر، میں بچوں کو اوپر کے پورشن میں لے جاتی ہوں۔'' وہ برتن سمیٹ کر واپس آئی تو حیدر آنکھوں پہ ہاتھ رکھے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔

''ہوں......'' وہ تھکی تھکی آنکھوں سے ایک نظر ارم کو دیکھتے نیم دراز ہو گیا اور وہ بچوں کو ہاتھ سے اشارہ کرتی باہر آ گئی۔ اوپر کے پورشن میں ثمینہ باجی کے پاس بچیوں کو چھوڑ کر وہ کچھ دیر بعد دوبارہ نیچے آئی۔ حیدر اب گہری نیند میں جا چکا تھا۔ اس نے کھڑکی کے پردے برابر کر کے باہر نکلتے میز پہ رکھے موبائل کو دیکھا۔ ایک نظر دوبارہ سوئے ہوئے حیدر پر ڈالتے چپکے سے موبائل اٹھایا اور باہر آ گئی۔ برسوں پرانی یہ عادت اب ہاتھ کی کھجلی جیسی ارم سے چپک گئی تھی۔ حیدر کے موبائل میں تانکا جھانکی اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ چاہتی تو ہمیشہ ایک بیوی یہی ہے کہ رزلٹ اس کھوج کا صفر نکلے لیکن بہر حال میاں کو رنگے ہاتھوں پکڑ لینا اس کی کمزوری کو اپنے حق میں استعمال کرتے اسے دبا

کچھ بھی چھپائے گی تو قسم لی تو میں سیدھے اس کے گھر چلی جاؤں گی۔"

"دماغ نہ خراب کرو ارم جاؤ یہاں سے۔" وہ شدید طیش کے عالم میں واش روم کے دروازے تک گیا۔ ایک تو اچانک آپڑنے والی پریشانی اوپر سے ارم کا شور شرابا۔

"دماغ تو تمہارا خراب ہوگیا ہے۔ حد ہوتی ہے ڈھٹائی کی نہ تمہیں اپنے بچے نظر آئے اور نہ گھر دکھائی دیا اور نہ میری محبت۔"

"آہستہ بولو...... ثمینہ باجی آجائیں گی۔"

"اب خیال آرہا ہے ان باتوں کا۔" وہ بیڈ کے کنارے بیٹھ کر اب زار و قطار رو رہی تھی۔ بچے ٹانگوں سے آکر لپٹے تو حیدر کا دل بھی پسیج گیا۔ وہ اس کے قریب بیٹھ گیا۔ ارم کی حالت اس اچانک آپڑنے والی افتاد نے مرنے مارنے کی حد تک خراب کردی تھی۔ ایک بیوی اپنے شوہر سے متعلق ایسی کوئی بات محض فرض کرلے تب تو امید وبیم میں ڈولتی رہتی ہے کہ شاید میرا واہم ہو اور سر جھٹک کر معمول کے کاموں میں خود کو غرق کردیتی ہے لیکن وہم اور خدشے جب ایک واضح صورت اختیار کرکے آئینے سا سامنے آن وارد ہوں تب سب کچھ ہاتھوں سے چھوٹتا اور تباہ ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ برسوں اس نے شدت کے ساتھ حیدر سے بے تحاشا محبت کی تھی اور اول روز سے اس حقیقت کو بھی دل میں جاگزیں کرنا پڑا تھا کہ حیدر اس کی محبت ضرور تھا لیکن وہ اس کے لیے صرف گھر والوں کی مرضی اور خواہش تھی۔ یک طرفہ محبت کیے جانے کے احساس نے ارم کو باوجود اپنی محبت حاصل ہوجانے کے غیر محفوظ سا بنا دیا تھا۔ حالانکہ حیدر کے اپنے لیے پیار اور توجہ میں اس نے کبھی کہیں کوئی کمی محسوس نہیں کی تھی۔ حیدر عام زندگی میں ایک انتہائی عملی اور ذمہ دارانہ سوچ رکھنے والا بہت ہی حقیقت پسند انسان تھا۔ انسان کو جو حاصل ہے وہی اس کا مرکز اور محور ہونا چاہیے جو ہاتھ سے چھوٹ گیا وہ اس کا نصیب ہی نہیں تھا۔ یہ سوچ لیے جب ایک انسان زندگی کے میدان میں اپنی جدوجہد کا آغاز کرتا ہے تو زندگی گزارنا نہ صرف سہل ہوجاتا ہے بلکہ وقت کے ساتھ وہ میسر چیزیں ہی باعث خوشی اور سکون محسوس ہونے لگتی ہیں۔ ارم اس کی عادت اس کے مزاج کا حصہ بن چکی تھی۔ وہ کبھی کسی قیمت پر اس سے اور اپنے بچوں سے دور ہونے کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ ہاں گنجائش نکالنا مرد کی سرشت ہے اور اول دن سے ہی ارم کا چیخنا چلانا یہ کہنا کہ وہ تو اس سے کبھی پیار ہی نہیں کرتا تھا سراسر غلط تھا۔ گزرے پانچ برس اس بات کے گواہ تھے کہ ارم کے علاوہ اس کی زندگی میں کسی عورت کو کوئی دخل نہیں رہا تھا۔ ہاں پر ثمن......

وہ آفس چیئر پر سہولت سے ٹیک لگائے سامنے رکھے پیپر ویٹ کو گول گول گھماتے اس ایک نام پہ آکر مسکرا دیا۔ حقیقت پسندانہ سوچ رکھنے والے پریکٹیکل بندوں کے جذبات سمندر کی عمیق گہرائیوں میں پڑے خزینوں جیسے ہوتے ہیں۔ چھیڑو نہیں تو صدیاں کسی ایک مقام پر جمے گزار دیں۔ پر ایسا کوئی خزانہ جب سمندر سے نکال کر سطح پر لایا جاتا ہے تو دنیا میں کھلبلی مچا دیتا ہے۔ برسوں سے پردوں میں چھپی محبت کو بس ایک اتفاقی ملاقات نے آتش فشاں سا ابال دیا تھا۔ جذبات یک لخت ہی لاوے سا اوپر اٹھے۔ اس کے بعد سب فریز اور یہی شاید اس تعلق کی بدنصیبی تھی۔ قیام اور ٹھہراؤ ایک بس ہجر و فراق کو ہی میسر رہا۔

پیپر ویٹ کو حیدر ابھی تک اضطراری کیفیت میں گھما رہا تھا اور ایک گہری سرد آہ کھینچتے بالآخر فون سیٹ قریب کیا۔ کچھ بھی ہو ثمن کو بھی اس ساری سچویشن سے آگاہ کرنا تھا وہ جو ہر اچھی بری خبر اب تک بڑے تحمل سے سنتی آئی تھی، معلوم نہیں آج کیسا ری ایکٹ کرنے والی تھی۔

"سات برسوں کا حاصل بس سات دن حیدر؟" وہ ہنسی تو آواز کچھ بھیگی سی تھی۔ حیدر کی بات آج بھی اس نے پورے تحمل سے سنی اور جذب کی تھی۔

"سات دن کیوں؟" وہ اس سے زیادہ پرسکون تھا۔

"شاید اسی طوفان سے کوئی راہ نکلتی ہو۔"

''اور شاید یہیں سے سب راہیں بند ہوتی ہوں۔'' وہ آج اس کے انداز میں نہیں سوچ رہی تھی۔

''مایوسی کی باتیں مت کرو ثمن۔ میں نے کچھ طے کیا ہے۔''

''میں آپ کی بات ضرور سنوں گی حیدر لیکن ابھی میرا پیریڈ اسٹارٹ ہوگیا ہے۔ آئی ایم سوری۔''

''اٹس او کے ثمن میرا ٹائم کی طرف دھیان نہیں تھا۔'' اس نے خود ہی اس بار عجلت میں فون بند کردیا تھا۔

ثمن اس وقت کالج میں ہوتی تھی، وہ واقعی بے خیالی میں اس کا نمبر ملا بیٹھا تھا۔ یعنی اس سے اب سیکنڈ ٹائم ہی بات ممکن تھی اور وہ بھی ثمن کے لیے ممکن ہوتا تو وہ خود ہی کال ملایا کرتی تھی کیونکہ تین بجے عدیل کے گھر واپس آجانے کے بعد اس کے لیے رابطہ کرنا ذرا مشکل ہوتا تھا۔ عدیل کے گھر میں موجود ہونے پر وہ کہیں ادھر ادھر جانے پر بمشکل ہی موقع نکال پاتی۔ بریک کے دو گھنٹے حیدر بھی اپنے گھر گزارا آتا تھا پر اس دوپہر وہ گھر لوٹا تو وقار کو اچانک سامنے پاکر بے ساختہ چونک کر ارم کو دیکھا تھا۔ وقار اس کا سالا تھا اور اسلام آباد میں رہتا تھا۔ کبھی کبھار لاہور کا چکر بھی لگایا کرتا تھا لیکن آج کی اس کی آمد حیدر کے لیے قطعی غیر متوقع تھی۔

''فاریہ کی پہلی سالگرہ ہے ناں کل۔ میں نے سوچا فون پر انوائیٹ کیا تو ارم بھی فون پر ہی مبارک باد دے کر جان چھڑالے گی اور گھر والوں نے پہلی سالگرہ کی وجہ سے ادھر خاصا اہتمام کررکھا ہے۔ ارم کے لیے بھی سرپرائز ہے میری آمد۔'' وقار نے سبھاؤ سے وضاحت دے کر حیدر کی خاموش نگاہوں کا خود ہی جواب دے دیا۔ وہ سن کر مطمئن تو نہیں ہوا وقار کے سرپرائز میں صاف ارم کی پلاننگ دکھائی دے رہی تھی کیونکہ پچھلی شام سے جو ہنگامہ بلکہ ڈرامہ اس نے کھڑا کر رکھا تھا اس کا ایسا کوئی بھی نتیجہ توقع کیا جاسکتا تھا۔

''یہ تو آنے سے صاف منع کررہی ہے حیدر۔ یار تم ہی سمجھاؤ ناں۔ امی اور سائرہ نے سختی سے ہدایت کی تھی کہ بغیر ارم اور بچوں کو لیے مت آنا۔'' وہ اب ہاتھ رگڑتے کھانے کی میز پر حیدر کے مقابل آبیٹھا تھا۔

''اچھا..... یعنی ہمیں کسی نے انوائٹ ہی نہیں کیا؟'' وہ ہنس کر ہلکے پھلکے موڈ میں واپس آیا تو وقار بری طرح کھسیا گیا۔

''یار..... تمہاری چھٹی کے اتنے مسئلے ہوتے ہیں اگر واقعی کوئی گنجائش نکلتی ہے تو بہت خوشی کی بات ہے تم بھی آؤ۔''

''چھٹی اتنے جلدی کہاں ملے گی ابھی پچھلے ہفتے ہی تو امی کی عیادت کو گیا تھا۔'' وہ پلیٹ سامنے رکھتے بے دھیانی میں کہہ تو گیا لیکن امی کی عیادت کے ذکر سے پورا واپسی کا نقشہ یک لخت آنکھوں کے سامنے پھر گیا تھا۔ بے ساختہ اس نے ایک لمبی سانس کھینچی تھی۔ ابھی تو اس حسین حادثے پر پوری طرح یقین بھی نہیں آیا تھا۔

''تو..... چلی جاؤں؟'' ارم کی طرف سے پہلا التجائیہ سوال آیا تو حیدر کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ دوڑ گئی۔ ابھی کچھ دیر پہلے وقار کہہ رہا تھا کہ ارم جانے سے منع کررہی ہے اور اب وہ پچھلی شام سے منہ پھلا کر ناراض گھومنے والی کیسے ریکوئسٹ کے انداز میں اجازت مانگ رہی تھی۔ اس نے اثبات میں سر ہلا کر کھانا شروع کیا۔

''کب نکلنا ہے؟'' حیدر نے اس بار وقار سے پوچھا۔

''بس یہ تیاری کرلیں تو ابھی نکل جائیں تو اچھا ہے۔ رات کو ریسٹ کرلوں گا۔ کل تو پھر فنکشن ہے، صبح سے مصروفیت ہوگی۔''

''ہوں..... میرا خیال ہے یہ بھی تیار ہی ہوگی۔'' وہ کہے بنا نہیں رہ پایا۔

''کیوں..... پیکنگ تو ہوگئی ہوگی؟'' حیدر نے سیدھا ارم کی آنکھوں میں دیکھتے سوال کیا تو وہ منہ بنا کر اندر چلی گئی تھی۔



''میم ثمن، آپ سے ملنے کوئی عورت آئی ہے۔'' وہ کلاس لے کر اسی وقت اسٹاف روم میں آئی تھی۔ وارچ مین

نے اندر جھانک کر مطلع کیا تو وہ چونک کر سیدھی ہوئی اور ابھی سوال کرنے کی نوبت بھی نہ آئی تھی کہ کون عورت اور واچ مین کی سائیڈ سے ارم اندر آتی دکھائی دی۔ ثمن کے لیے یہ جھٹکا اگرچہ ذرا چھوٹا ثابت ہوا کیونکہ رات ہی حیدر نے بتا دیا تھا کہ ارم اسلام آباد پہنچ رہی ہے لیکن حیدر نے اس کے اسلام آباد جانے کا ذکر ضمناً کیا تھا اس کا خیال تھا کہ ارم شاید اسے سبق سکھانے کے لیے ناراض ہو کر میکے گئی ہے پر وہ ان دونوں کی سوچ سے بھی زیادہ اسمارٹ تھی جن عورتوں کو اپنا گھر بچانے کی دھن لگی ہو وہ ناراض ہو کر میکے میں بیٹھنے کی غلطی نہیں کیا کرتیں اور اس نے عین اگلی صبح ثمن کے کالج آ کر بالآخر اسے حیران کر دیا تھا۔

اسٹاف روم میں اس کے علاوہ دو ٹیچرز اور تھیں۔ ثمن نے آگے بڑھ کر خوش اخلاقی سے اسے ویلکم کیا۔ ارم نے اپنا تعارف خود ہی ان دو ٹیچرز کے سامنے ثمن کی پرانی فرینڈ ہونے کا کرا دیا تھا۔ میم نائلہ اور صنیعہ چونکہ پیپرز چیک کر رہی تھیں۔ اس لیے انہیں ڈسٹرب نہ کرنے کا بہانہ استعمال کرتے وہ ارم کو سائنس لیب میں لے آئی تھی۔ اسٹوڈنٹس کے پری بورڈ ایگزام چل رہے تھے اس لیے باقاعدہ کلاسز نہیں ہو رہی تھیں۔ سائنس لیب بالکل خالی تھی۔ اس نے ارم کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور دوسری کرسی اس کے سامنے کھینچ کر خود بھی بیٹھ گئی۔ اندرونی کیفیت اس وقت یہ تھی کہ کاش اس کی آنکھ کھلے اور وہ یہ سوچ کر ایک سکون کا سانس لے کہ یہ ایک بھیانک خواب کے علاوہ کچھ نہیں ہو لیکن افسوس کہ یہ خواب نہیں بلکہ حقیقت تھی جو ارم کی صورت مجسم اس کے سامنے تھی۔

''کیسی ہیں ارم؟'' وہ اپنے آپ کو نارمل کرتے حال میں واپس لوٹی، بہرحال اب اسے موجودہ سچویشن کو فیس کرنا تھا۔

''بہت بری ہوں۔ اتنی بری کہ میرے شوہر کو اب مجھ میں کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ نہ وفا، نہ محبت اور نہ خوب صورتی۔'' وہ بات شروع کرتے ہی ایسے اچانک رو پڑی کہ ثمن کا دل چاہا زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے۔ ارم کا پہلا جملہ ہی حواس بحال کرنے کو بہت کافی ثابت ہوا تھا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے آ...... آپ......'' وہ بری طرح گڑبڑائی۔

''کیا ملا آپ کو میری زندگی ڈسٹرب کر کے اور کیا چاہتی ہیں آپ میرے شوہر کی زندگی میں واپس آ کر۔''

''ارم آپ پلیز اطمینان سے میری بات سن لیں ایسا کچھ نہیں ہے جو آپ سوچ رہی ہیں۔'' وہ تو اس کے آنسوؤں سے ہی بہت پریشان ہو گئی تھی۔

''حیدر اور تم شادی کرنے کا سوچ رہے ہو؟'' وہ اب سنبھل کر سیدھے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

''یہ غلط ہے، میں ایسا بالکل نہیں سوچ رہی۔'' ثمن نے بھی فیصلہ کر لیا کہ جیسے بھی ہو اسے اب ارم کو مطمئن کرنا ہے۔ چاہے اپنی خواہشوں کو پاؤں تلے روند کر ہی سہی۔

''لیکن وہ تو ایسا سوچ رہا ہے ناں؟''

''نہیں......'' ثمن نے سختی سے تردید کی۔ ''ہمارے بیچ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔''

''تو تم ٹائم پاس کرنے والوں میں سے ہو؟'' ارم نے چبھتی آنکھوں سے دیکھتے ایک اور تیر چھوڑا۔ ''اور ٹائم پاس کے لیے تمہیں میرا ہی شوہر ملا تھا۔ افسوس ثمن، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی تم اتنی بری نکلو گی۔ برسوں میں نے تمہیں اچھے گھر کی شریف لڑکی سمجھنے کی بھول کرتے گزار دیا۔ کیا یہ شریف لڑکیوں کا شیوہ ہے، شادی شدہ مردوں کو رجھانا، نہ اپنی عزت کا خیال نہ اس کے بیوی بچوں کی پروا......''

''آئی ایم سوری......'' وہ مزید اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ پائی۔ ''میں مانتی ہوں میں نے غلطی کی ہے لیکن یقین مانیں یہ کوئی سوچی سمجھی سازش نہیں تھی۔ سب کچھ ایسے اچانک ہوا کہ مجھے سوچنے سمجھنے کا موقع......''

''میرا شوہر مجھے کیسے واپس ملے گا؟'' ارم نے اس کی بات کاٹ کر جو جملہ بولا اس نے ثمن کو ایک بار پھر لاجواب کر دیا۔

''وہ آپ کا ہی ہے......''

"اس کے دل، اس کی سوچ پر قبضہ کر کے کیسے کہہ سکتی ہو کہ ابھی تک وہ میرا ہے۔" ارم تو آج آئینہ دکھانے پر ایسے تلی بیٹھی تھی کہ ثمن بار بار بس منہ ہی کھول کے رہ جاتی۔

"حیدر نے میرا برسوں کا بھروسا توڑ دیا، میں اسے کبھی معاف نہیں کر سکتی، ہرگز نہیں۔"

"اس نے کچھ نہیں کیا۔" ثمن تڑپ اٹھی۔ "سب قصور میرا ہے۔ مجھے بڑھاوا انہیں دینا چاہیے تھا۔"

"ہاں ٹھیک ہے لیے جاؤ ایک دوسرے کی سائیڈ...... اس سے بات کروں تو کہتا ہے ثمن کا کوئی قصور نہیں۔ تم سے کچھ پوچھوں تو حیدر کا کوئی قصور نہیں۔ سب قصور تو میرا ہے۔ کیوں آ گئی میں تم دونوں کی زندگی میں۔" وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تمہیں میرا گھر، میری جگہ سنبھالنی ہے ناں بے شک آؤ مجھے اب جینا ہی نہیں ہے اور اسے دھمکی مت سمجھنا ثمن۔ میں نے حیدر سے محبت ہی اتنی کی ہے اگر اس نے اپنی زندگی میں کسی اور کو شامل کیا تو میں اپنی جان دے دوں گی۔"

"پلیز ارم...... جذباتی مت بنیں۔" ثمن نے آگے بڑھ کر زبردستی اس کی کلائی پکڑی۔

"میں نے کہا ناں، ہم میں سے کوئی بھی ایک دوسرے سے سیریس نہیں تھا۔ سب دل بہلاوے کی باتیں تھیں۔ بس سات دن کا کھیل اور میں آپ سے پرامس کرتی ہوں کہ آگے آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوگی...... معمولی سی بھی نہیں۔"

"اور حیدر...... وہ تمہیں بھول جائے گا؟" وہ ابھی تک بے یقین تھی۔

"بھولنے کا کیا سوال۔" ثمن بے ساختہ مسکرائی۔ "وہ تو بس دل لگی کر رہا تھا۔ وہ مجھ سے پیار نہیں کرتا ارم۔"

"ایسا کیسے کہہ سکتی ہو؟" وہ حیران ہوئی۔

"سات دنوں کے تعلق میں مجھے جو نظر آیا وہی بتا رہی ہوں، بلیو می...... وہ صرف تمہارا ہے۔" ثمن نے اپنا اعتماد مکمل طور پر بحال کر لیا تھا۔ دل و دماغ پر ایک دھن سی سوار ہوگئی تھی کہ ارم کو یہاں سے خالی ہاتھ نہیں لوٹانا۔ اس کے گھر کی خوشیاں اس کا شوہر اس کا سارا چین و اطمینان اپنے لفظوں کے توسط سے اس تک پہنچانا ہے۔ چاہے خود خالی دامن لیے ہمیشہ کے لیے بے نیل و مرام کیوں نہ رہنا پڑے۔ کسی محبت کرنے والی شریف، وفا شعار بیوی کو تکلیف دینے سے کہیں بہتر ہے محبت کے در سے خالی لوٹ جانا اور اسے محض اپنے لفظوں سے ہی نہیں اپنے عمل سے بھی خود کو راہ راست پر لانا تھا۔

"مجھے جانا ہے اب۔" ارم اپنی چادر درست کرتے اٹھتے ہوئے بولی۔

"آپ نے آ کر اچھا کیا۔ اپنے حق کے لیے آگے بڑھنے والوں کو اللہ پاک خالی نہیں لوٹاتا۔" وہ اپنی پلکوں کو نہیں بھیگنے دینا چاہتی تھی اور اس نے کمال ضبط سے کام لیا۔ ارم اس بار بنا کچھ کہے مڑ گئی اور ثمن نے پلکوں پہ اٹکا آنسو چھپانے کے لیے خود بھی رخ پھیر لیا تھا۔

☆۞☆

"امی...... میں ایک بری لڑکی ہوں ناں؟"

"اللہ نہ کرے...... میری بیٹی تو بہت سعادت مند، بہت اچھی ہے۔" وہ گھٹنے پہ رکھے ثمن کے سر میں اپنی نرم انگلیاں چلا رہی تھیں۔ لمحے کو اس کے سوال پر ٹھٹکیں ضرور لیکن پھر سنبھل کر پوروں کا نرم مساج جاری رکھا۔

"حیدر یاد ہے امی؟" وہ کھویا کھویا لہجہ لیے اب بھی کہیں دور پہنچی ہوئی تھی۔

"ہاں یاد ہے...... تمہیں پسند تھا ناں؟" وہ ہلکا سا مسکرائیں۔

"اب بھی پسند ہے اور ہمیشہ رہے گا۔" ثمن کا آدھے جملے میں ہی گلا رندھ گیا۔ ایک گرم آنسو عصمہ بیگم نے اپنے گھٹنے پہ محسوس کرتے بڑی مشکل سے خود پر ضبط کیا۔ ثمن بے آواز رو رہی تھی۔ ایک کے بعد دوسرا، تیسرا اور جانے کتنے آنسو لکیر کی صورت بہہ بہہ کر ان کے کپڑوں میں جذب ہو رہے تھے۔

"محبت تو ایسی ہی ہوتی ہے بیٹا، ہمیشہ دل میں رہنے

والی اس کا کوئی آخری کنارا تھوڑی ہوا کرتا ہے۔" وہ مسلسل خود پہ جبر کیے اسے نارمل رکھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"اچھے لوگوں کی محبت ایسی ہی ہوتی ہے امی...... دل میں پوشیدہ، چھپی خاموش۔" وہ اپنی روئی آواز پر بمشکل قابو پاتے ہوئے بولی۔

"لیکن برے لوگوں کی محبت میں نری غرض، لالچ اور طمع چھپا ہوتا ہے۔" اس بار وہ پھر شدت سے رونے لگی۔ ماں کا دل مٹھی میں آنے لگا۔

"خدا خیر...... ایسا کیا ہوگیا۔"

"کیا ہوا ثمن...... رو کیوں رہی ہو؟"

"پوچھیں مت امی...... بری لڑکیوں کے موبائل خود ہی چیخ چیخ کر ساری کہانی بتا دیتے ہیں۔ گزرے سات دنوں کی کہانی آپ سے بھی چھپی کیوں رہے۔ بیویاں اگر اپنے شوہروں کے موبائل پہ نظر رکھ سکتی ہیں تو مائیں اپنے بچوں کے موبائل پر کیوں نہیں۔" وہ اب رویا سرخ چہرہ لیے اور بھی جوش سے بول رہی تھی۔

"مجھے یقین ہے میری بیٹی کبھی کچھ برا نہیں کرسکتی۔" وہ شاید ابھی تک خود کو بہلا رہی تھیں۔

"گزرے وقتوں میں یہ سب کہنا آسان تھا امی تب آنکھوں کے سامنے رہنے والے بچے واقعی آپ کے لیے باعث تسلی اور اطمینان ہوا کرتے تھے پر آج کی اولاد آپ کی آنکھوں کے سامنے بیٹھ کر بظاہر آپ سے گپ شپ لڑاتے یہ شیطانی چیزیں ہاتھ میں لیے آپ کی آنکھوں میں دھول جھونک رہی ہوتی ہے۔"

"تم نے کیا...... کیا ہے ثمن؟" اپنے آپ کو مزید بہلانا اب ان کے بس میں نہیں تھا پھر ثمن تو کسی انہونی کا آپ اپنے لبوں سے اعتراف کرنے پر تلی تھی۔

"کسی مرد کو بہکانے سے بڑا جرم کیا کرسکتی ہے ایک عورت، بہکا کر اس کی گرہستی کو ایسے موڑ پر لا کھڑا کرنا کہ ایک بے چاری بے قصور عورت اپنی جان سے جانے کے درپے ہوجائے۔ یہ جرم ہے آپ کی بیٹی کا، خود کو اچھا سمجھنا سراسر میری بھول تھی امی میں بہت بری ہوں امی، ثمن رباب بری لڑکی۔" وہ ابھی تک اس ایک جملے کی پھانس سے خود کو نکال نہیں پائی تھی۔

"اچھا بننے میں ایک پوری عمر خرچ ہوجاتی ہے ثمن اور برا بننے کے لیے بس ایک جھٹکا کیونکہ اس میں لذت ہے، کھچاؤ اور کشش ہے۔ ہم اپنی زندگی میں بیسیوں بار دوسروں کے لیے برے لوگ بری عورت برا آدمی جیسے الفاظ بڑے فراٹے سے استعمال کر جاتے ہیں۔ بغیر یہ سوچے کہ کسی کے برا بننے میں جانے کیسے کیسے عوامل کا حصہ رہا ہو۔ جہاں تک تمہاری بات ہے۔" انہوں نے نرمی سے ثمن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ اس کی اداس خالی آنکھوں میں آج عجیب سی ویرانی جھلکتی تھی۔ اس بار شاید ان کی بیٹی نے کچھ ایسا کھویا تھا کہ بجھی آنکھوں کے یہ دیپ وہ برسہا برس لگا کر بھی جلا نہیں سکتی تھیں۔

"تم نے اپنی غلطی سے سبق حاصل کیا، فی الحال کے لیے یہی بہت ہے۔ چیزوں کے اچھے پہلو دھیان میں رکھنے چاہیے۔ اللہ تمہارے ساتھ کبھی کچھ برا نہیں ہونے دے گا۔"

"امی...... ایک بات کہی ہے بلکہ......" وہ ذرا سا جھجکی۔ "ایک ریکوئسٹ ہے۔"

"ہاں کہو۔"

"آپ بھیا سے کہیں، اب جو بھی اچھا رشتہ آئے......" وہ ایک بار پھر کہتے ہوئے اٹکی۔

"میں نہیں کہوں گی۔" انہوں نے نرمی سے ثمن کا گال چھوا۔

"جہاں جرأت نہیں دکھانی تھی، وہاں دکھا کر تمہیں نرا نقصان ہوا ثمن...... پر جہاں دکھانی تھی وہاں اگر چند سال پہلے یہ ہمت ظاہر کردیتیں تو آج تمہاری اپنی ایک ہنستی بستی خوش حال زندگی ہوتی۔ عدیل تمہارا بھائی ہے، سچا خیر خواہ اور رازدار ایک بار یہی بات اپنے منہ سے کہہ دو، وہ شاید مہینے تو کیا ہفتے بھی نہ لگائے اپنے فرض سے سبکدوش ہونے میں۔ اچھی بات بہرحال اپنا اثر رکھتی ہے۔ اپنا خیال رکھو اور خوش رہنے کی کوشش کرو۔" وہ اس کا کندھا

تھکتے بالآخر وہاں سے اٹھ گئیں اور ثمن دونوں ہاتھوں کو آپس میں جوڑے اپنے لبوں پر جمائے پھر کسی خیال میں گم ہوگئی۔

''ایک ذرا سی لغزش کتنی آسانی سے آپ کا مقام ومرتبہ تبدیل کردیتی ہے۔ وہ اتفاق جسے کچھ روز پہلے تک وہ اپنی زندگی میں آنے والا ایک حسین حادثہ تصور کررہی تھی، کتنے بھیانک بدصورت پہلو اپنے اندر رکھتا تھا۔ وہ پہلو جو اس سے پہلے ثمن کو نہ دکھائی دیے تھے نہ سجھائی...... ایک عورت کے اسے ''بری لڑکی'' کہنے نے اس کا پورا وجود جھنجھوڑ دیا تھا...... واقعی اس نے ایک عمر گزار دی تھی اپنے پندار کی حفاظت کرتے، اپنی شرافت اپنی عزت کو بچا بچا کر چلتے۔ بس ذرا سا ہاتھ چھوٹا اور اچھی لڑکی سے بری لڑکی بننے کا سفر لمحوں میں طے پا گیا تھا اور اب اسے واپس پلٹنا تھا۔'' ثمن نے بھیگی پلکیں اٹھا کر اوپر آسمان میں دیکھا صبح کے اجالوں کے بیچ ابھی پوری کالی رات پڑی تھی۔ طویل، بھاری، مہیب سایوں سی بازو پھیلائے اپنی لپیٹ میں لیتی ایسی رات کہ جس کی صبح تو رواں دواں زندگی سے ایک بار پھر آغاز ہوئی تھی پر اس زندگی کے مدار سے حیدر ایک بار پھر دور نکل گیا تھا۔ شاید اس بار ہمیشہ کے لیے۔

......☆☆......

''تم بلاوجہ اتنی پریشان ہوگئیں ثمن یہ سب تو ایک دن پیش آنا ہی تھا۔''

''جو ہم سوچ رہے تھے وہ ٹھیک نہیں تھا حیدر۔'' وہ آج بہت ہاری ہوئی اور شکست خوردہ تھی۔

''کیا یہ اتنی انہونی بات تھی۔'' وہ قائل نہیں ہو رہا تھا۔

''تم نے اتنے جلدی ہتھیار ڈال دیے ثمن۔''

''اب کچھ بھی کہنا، بے کار ہے حیدر میں کسی کی بددعائیں نہیں لے سکتی۔ جو بھی ہوا سب بھول جائیں۔''

''تم بھول جاؤ گی؟'' وہ اب سیریس ہو رہا تھا۔ معلوم نہیں کیوں پر اس ساری سچویشن کا ایسا نتیجہ حیدر کو ہضم نہیں ہو رہا تھا۔ شاید دماغ ابھی تک اس خوش گمانی سے نہیں نکلا تھا کہ ثمن سے وہ اتفاقیہ ملاقات زندگی کو ایک نیا اور بہت خوب صورت موڑ ملنے جیسی تھی...... زندگی میں ثمن کی آمد بہار کے جھونکے جیسی ہلکی ہلکی معطر ابھی تو دل ودماغ پر سرور جیسی چھانے لگی تھی۔ وہ موسم بہار جس کا ابھی آغاز ہوا تھا اتنے جلدی خزاں رسیدہ کیسے ہوسکتی تھی۔ ثمن نے ایک گہرا سانس کھینچ کر بالآخر خود کو بولنے کے لیے تیار کیا۔

''آپ نے ابھی کہا کہ یہ کوئی ایسی انہونی نہیں ہے۔ ایک بیوی کے ہوتے دوسری کو اپنی زندگی میں شامل کرلینا کوئی انہونی نہیں اسی طرح لوگوں کا مل کر ایک دوسرے سے جدا ہو جانا بھی کوئی انہونی بات نہیں ہے حیدر یہ سب بھی اسی دنیا میں ہوتا ہے۔ کیا ہم پہلے محبت کے مارے ہیں جنہوں نے اپنی اپنی محبت اوروں کی خاطر قربان کردی۔ کیا ہم جیسے اس دنیا میں بے شمار لوگ ایسے نہیں ہیں جنہوں نے ناکام محبت کا درد سہتے زندگی گزار دی ہو اور سچ تو یہ ہے کہ ایسے چند ایک گنے چنے خوش نصیب ہی ہوتے ہیں کہ جسے وہ چاہیں اسے پا بھی لیں۔ باقی ہم ایک دوسرے کو بھول جائیں یا یاد رکھیں وہ محبت کے معیار ہیں۔ فی الحال مجھے ارم کی بنائی حدود سے تجاوز نہیں کرنا جہاں تک بات میرے دل کی ہے۔ اس پر اب میری حکمرانی ہے۔ وہ ارم کے دائرہ اختیار سے باہر کی چیز ہے اور یہ بات کہ ہمیں تقدیر نے کیوں دوبارہ ایک دوسرے کے سامنے لاکھڑا کیا تھا تو اس کی وجہ بھی ضرور ایک دن سامنے آئے گی ہاں لیکن وہ یہ وجہ نہیں تھی جو اتنے دنوں سے ہم سمجھتے رہے تھے۔''

''تو تم نے سوچ لیا ہے ثمن کہ......''

''جی......'' وہ بات کاٹ کر عجلت میں بولی۔ حیدر کا لہجہ جانے اس سے کیا کہلوا بیٹھے وہ دل کو مہلت دینے کو تیار نہ تھی۔

اس طرح اچانک اتنے فاصلے پہ چلے جانا آسان نہیں ہوتا...... کوئی امید کوئی بہانہ حیدر کے لیے اپنے قدم پیچھے ہٹانا اس لمحے کتنا مشکل ہو رہا تھا ایک وہی جانتا تھا۔ اسے صحیح معنوں میں آج احساس ہو رہا تھا کہ کسی حسین خواب سے اچانک آنکھ کھلے تو کیسی مایوس کن سی اداسی گھیر لیتی

ہے۔ حالات نے اچانک اس بری طرح پلٹا کھایا تھا کہ اسے لگ رہا تھا وہ خالی ہاتھ خالی دل لیے پھر وہیں آ کھڑا ہوا ہے جہاں سے سفر آغاز ہوا تھا بس آنکھ کھلی اور سب اڑن چھو۔

”خوش رہنے کے لیے آپ کی لائف میں بہت کچھ ہے حیدر آپ بہت جلد اس فکر سے نکل آئیں گے۔“

”اور تم؟“

”آ...... آئی ول بینج......“ اٹک اٹک کر اپنا دفاع کرتے اسے بہت دن پہلے حیدر کا عین یہی الفاظ ادا کرنا یاد آ گیا اور اس مرتبہ بنا جواب سنے ثمن نے فون بند کر دیا ہمیشہ کے لیے۔

وہ چاہ کر بھی کہہ نہیں سکتی تھی کہ سات برس پہلے درد کو قابو میں لانا قدرے آسان ثابت ہوا تھا کیونکہ محبت خاموش تھی رابطے وجود سے جڑا کوئی عضو ہوتے ہیں شاید الگ کرنے توڑ دینے سے ایسا درد دیتے ہیں جیسے کسی عضو کو اپنے سے جدا کر دینا لیکن کہہ نہیں سکتی تھی۔ وہ جانتی تھی حیدر کو بھی سات برس پہلے اتنی تکلیف نہیں ہوئی ہوگی جتنی آج بچھڑتے وقت ہو رہی تھی۔ کاش نامراد ٹھہرنے والی محبتوں کو کبھی زبان نہ ملے۔

......☆۞☆......

”تم نے ٹھیک کہا تھا مہک نصیب ہی چیزوں کو ہم سے دور کرتا ہے۔“ وہ لان میں کھلنے والی برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھی ہوا میں آزاد اڑتے پنچھیوں کو رشک کی نظر سے دیکھ رہی تھی۔

”پر تمہارا کہنا تھا کہ بہت سی چیزیں ہم لائف میں محض اپنی نادانی میں کھو دیتے ہیں۔“ مہک کو بھی یاد تھی کچھ دن پہلے کی وہ بات۔

”ہاں......“ ثمن ہلکا سا مسکرائی۔ ”اور تم نے کہا تھا وہ نادانی ہم سے اس لیے سرزد ہوتی ہے کہ چیز ہمارے نصیب میں نہیں لکھی تھی۔“ نصیب کی وضاحت کے لیے شاید اس سے بہتر جملہ نہیں ہو سکتا۔

”نہیں ثمن......“ مہک نے نفی میں سر ہلاتے نرمی سے اس کا بازو چھوا۔ ”شاید اس میں بھی ذرا سے اضافے کی ضرورت ہے کیونکہ اگر یہ سچ ہوتا تو دنیا میں کوئی بھی آگے بڑھنے کی جستجو اپنے اندر نہ رکھتا اور ہاتھ پہ ہاتھ دھرے ایک جگہ بیٹھ جاتا یہ سوچ کر کے جو میرا نصیب ہے وہ خود بخود سامنے آ جائے گا...... آگے بڑھنے کی لگن میں نصیب کا وہم پالنے کے بجائے اپنی نیت اور ایمان داری کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ چیزیں ہمیں اس وقت حاصل ہوتی ہیں جب ان کے حصول کے لیے ہم پرخلوص ہوں۔ ہاں اگر اس کے بعد بھی ناکامی ہی مقدر بنے تب کم از کم دل ضرور مطمئن ہوتا ہے کہ بہرحال ہم نے کوشش تو کی تھی اور جانتی ہو تب ہمیں ناکامی بھی بوجھ نہیں لگتی لیکن اگر بددیانتی کر کے زبردستی اپنی خواہش کو قدرت سے چھینا جائے تو وہ کامیابی دل کو کھوکھلا کر دیتی ہے تب آپ حاصل کر کے بھی تہی دست رہتے ہیں۔“

”ہوں......“ ثمن نے بے ساختہ نگاہ چرالی، آج مہک کا حرف با حرف اس کی دلی کیفیت کا ترجمان تھا۔ وہ بھی تو بددیانتی سے حیدر کو حاصل کرنا چاہ رہی تھی اور وقت یہ ثابت کر دیتا کہ حاصل کر کے بھی وہ خالی دامن ہی رہتی۔

”تھینک یو مہک۔“ وہ دل ہی دل میں اس کا شکریہ ادا کرتی وہاں سے اٹھ گئی...... ایمان داری سے اس قید جدائی کو گلے لگانا اب شاید اتنا کٹھن نہ لگے۔ سوکھے پتوں بھری خاموش روش پر جھکا سر بھیگی پلکیں لیے وہ دور تک اکیلی چلتی رہی تھی۔

اسے کہنا
محبت میں خسارہ بھی
منافع بخش ہوتا ہے

۞

شوقِ خواب اور خواہش

صباحت رفیق چیمہ

تیرے بغیر جس میں گزاری تھی ساری عمر
تجھ سے جب آئے مل کے تو وہ گھر ہی اُور تھا
کیا ہوتے ہم کلام بھلا ساحل و چراغ
وہ شب ہی اُور تھی وہ سمندر ہی اُور تھا

حسن میاں گلی کے آخری کونے پہ واقع اپنے دوست کی کریانے کی دکان میں کافی تفکر کے عالم میں بیٹھے حقے کے کش لے رہے تھے۔ ان کے ماتھے کی سلوٹیں ان کی پریشانی کو ظاہر کررہی تھیں۔ سجاد صاحب اپنے گاہکوں کو نمٹانے کے ساتھ ساتھ ایک نظر ان پہ بھی ڈال لیتے جو آج خلاف معمول جب سے آئے تھے خاموش بیٹھے تھے۔ گاہکوں کو فارغ کرنے کے بعد وہ حسن میاں کی طرف متوجہ ہوئے۔

"کیا بات ہے حسن میاں...... گھر میں سب خیریت تو ہے ناں؟"

"ہاں یار خیریت ہی ہے۔"

"تو پھر یہ ماتھے پہ سلوٹیں کیوں؟ اور یہ کن سوچ و بچار میں گم ہیں؟" حقے کا کش لینے کے بعد دھواں مرغولوں کی صورت فضا میں چھوڑتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں بس پچھتا رہا ہوں۔" سجاد صاحب نے ان کی بات پہ حیرت سے پوچھا۔

"ارے حسن میاں کس بات پہ پچھتا رہے ہیں؟"

"بیٹیوں کو اعلیٰ تعلیم دلوا کر۔"

"اس میں پچھتانے کی کیا بات ہے؟"

"شادی کی عمریں ہیں کہ گزرتی جارہی ہیں لیکن اب میں ان کے معیار کے رشتے کہاں سے ڈھونڈ کر لاؤں؟ برادری میں لڑکوں نے بمشکل میٹرک یا ایف اے کیا ہے۔ میری تو راتوں کی نیندیں بھی اڑ گئی ہیں۔ اسی بات پہ اب پچھتا رہا ہوں نا بیٹیوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائی ہوتی نا ان کے معیار کے رشتے ڈھونڈنے میں یوں خود کو ہلکان کرتا۔"

"حسن میاں آپ ذلفی میاں کو تو جانتے ہی ہیں ناں انہوں نے بھی تو بیٹیوں کو بہت تعلیم دلوائی اور پھر ان کے رشتے ڈھونڈتے ڈھونڈتے ان کی شادی کی عمریں نکل گئیں۔ ایک بیٹی کو جس سے بیاہا اس کی کریانے کی دکان ہے اور دوسری بیٹی کو جہاں بیاہا وہ بھی قبول صورت لڑکا تھا چھوٹا موٹا کاروبار کرتا تھا۔ اس لیے اگر میری مانیں تو جو ذرا مناسب رشتے ملتے ہیں وہاں "ہاں" کردیجئے اگر آپ بھی برابری کے رشتے ڈھونڈنے نکلے تو بیٹیوں کی شادی کی عمر نکل جائے گی۔" سجاد صاحب نے سمجھانا چاہا۔

......☆☆......

حسن میاں کی شریک حیات جب سے اس دنیا کو

خیر باد کہہ کے شہر خموشاں چل بسی تھیں تب سے ساری پریشانیاں ان کے کندھوں پہ آن پڑی تھیں۔ حسن میاں کو اپنے بچپن میں پڑھنے لکھنے کا خاصا شوق ہوا کرتا تھا لیکن والدین نے بس میٹرک کرایا اور پھر کام پر لگوا دیا۔ اپنا یہ شوق انہوں نے اپنی بیٹیوں پہ پورا کیا۔ اللہ نے انہیں تین بیٹیوں سے نوازا تھا۔ یاسمین، افشین اور نوشین۔ وہ انہیں اپنے لیے ہمیشہ رحمت ہی سمجھتے آئے تھے۔ کبھی یہ خیال دل میں نہ آیا کہ اگر بیٹیوں کی جگہ بیٹے ہوتے تو ان کا سہارا بنتے بلکہ اپنی ان بیٹیوں کو ہی اپنا بیٹا سمجھتے رہے تھے۔ تینوں بیٹیوں کو شہر کی اچھی یونیورسٹیوں سے تعلیم دلوائی۔ دو نے اپنی تعلیم مکمل کر لی تھی اب ایک کالج میں اور ایک یونیورسٹی میں پڑھا رہی تھی جبکہ سب سے چھوٹی ابھی یونیورسٹی میں پڑھ رہی تھی۔ خاندان اور محلے والے سب ان کی بیٹیوں کی مثالیں دیتے۔ ہر کوئی ان کی تعریف کرتا آخر کو وہ خاندان کی پہلی بیٹیاں تھیں جنہوں نے یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی تھی۔ جس نے جو بھی مشورہ لینا ہوتا یا کچھ بھی پوچھنا ہوتا تو سب ان کے پاس ہی آتے۔ اپنی بیٹیوں کو اچھے عہدوں پہ دیکھ کر حسن میاں کا سر فخر سے بلند ہو جاتا۔ شریک حیات کے چل بسنے کے بعد جب ان کے کندھوں پہ ساری ذمہ داری آن پڑی تو انہوں نے اپنی بیٹیوں کی شادیوں کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا تھا۔

خاندان میں جتنے لڑکے تھے وہ یا تو شادی شدہ تھے یا پھر ان کی تعلیم نہ ہونے کے برابر تھی۔ چلو تعلیم نہ بھی ہوتی لیکن کوئی کاروبار ہوتا تو وہ پھر بھی کسی ایک بیٹی کا خاندان میں ہی کر دیتے لیکن یہاں تو ہاتھ پہ ہاتھ دھرنے والا معاملہ تھا۔ گورنمنٹ کے ملازم بننے میں انہیں شرم محسوس ہوتی تھی۔ خاندان سے باہر کئی رشتے دیکھے لڑکوں کی اچھی نوکریاں تھیں۔ ان کو رشتے پسند بھی آئے لیکن بیٹیوں کی بس ایک ہی خواہش تھی کہ کم از کم لڑکوں کی تعلیم ان کی تعلیم کے برابر تو ہونی چاہیے۔ دو



سے تین سال ہو چکے تھے انہیں مسلسل رشتے دیکھتے۔ اب وہ حقیقی معنوں میں پریشان رہنے لگے تھے کہ کاش نا انہوں نے بیٹیوں کو اتنی تعلیم دلوائی ہوتی نا ان کے معیار اتنے بلند ہوتے۔ اب وہ ان کے معیار کے عین مطابق شہزادے کہاں سے ڈھونڈ کے لاتے؟

......☆☆......

وہ کافی پریشان بیٹھے تھے جب انہوں نے اپنی شریک حیات کو اپنے پاس بیٹھتے دیکھا۔

"یاسمین کے ابا آپ کیوں پریشان ہیں؟"

"پریشانی کی بات ہے اور پریشان نہ ہوں؟ فائزہ بیگم آپ کو ہی شوق تھا کہ اولاد کو بہت سا پڑھائیں گے۔ اب دیکھ لیا نتیجہ، کیا فائدہ ہوا پڑھانے کا؟ رشتے تو وہی ان سے کم پڑھے لکھے لوگوں کے آرہے ہیں۔"

"یہ اگر میرا شوق تھا تو آپ کی خواہش بھی تو تھی ناں۔ وہ خواہش جو آپ کے والدین تو آپ کی پوری نہیں کر پائے تھے اس لیے آپ اپنی اولاد پہ پورا کرنا چاہتے تھے انہیں اچھے مقام پر دیکھنا۔ کیا نہیں چاہتے تھے آپ؟"

"چاہتا تو تھا۔"

"پھر...... آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کہ آپ کی بیٹیوں نے آپ کی خواہش کو بہت احسن طریقے سے پورا کیا۔ خاندان بھر میں اور محلے میں کیا سب لوگ ہماری بیٹیوں کی مثالیں دیتے ہیں ہر کوئی انہیں ہماری بیٹیوں کی طرح اعلیٰ تعلیم دلوانا چاہتا ہے۔ میں نے اپنے شوق اور آپ نے اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لیے تعلیم دلوائی تھی ہمارا مقصد یہ تو نہیں تھا کہ ان کے لیے اعلیٰ تعلیم یافتہ گھرانوں سے رشتے آنے لگیں گے۔ آپ کا پریشان ہونا فضول ہے۔ وہ آپ کی بیٹیاں ہیں آپ کا سر کیسے جھکا سکتی ہیں؟ آپ بس یہ دیکھیں کہ اچھا کھاتا پیتا گھرانہ ہو۔ لڑکے کی کوئی نوکری ہو۔ ہونا تو وہیں ہے جہاں اللہ نے لکھا ہے۔" ان کی شریک حیات کی بات نے انہیں سوچنے پہ مجبور کر دیا تھا۔

"کہہ تو آپ ٹھیک رہی ہیں۔"

"اس لیے بہتر ہے اب آپ ٹھنڈے دماغ سے سوچ کر کوئی فیصلہ لیں جو رشتہ مناسب لگے وہاں ہاں کر دیجئے۔ اچھا اب میں چلتی ہوں مجھے کہیں جانا ہے۔"

"فائزہ بیگم کہاں جانا ہے آپ نے؟"

"بہت دور۔" یہ کہنے کے ساتھ ہی وہ وہاں سے چلی گئیں اور حسن میاں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ کان میں فجر کی اذان کی آواز گونجنے لگی۔ تب انہیں احساس ہوا کہ وہ خواب دیکھ رہے تھے لیکن اس خواب نے ان کی ساری پریشانی دور کر دی تھی۔

......☆☆......

"نوشی...... نوشی...... کب سے دروازے پر دستک ہو رہی ہے جا کر دروازہ کھولو۔" نوشین لیپ ٹاپ پر ڈرامہ دیکھ رہی تھی۔ پیپر چیک کرتی افشین کی آواز پہ غصے سے لیپ ٹاپ بند کرتے ہوئے اٹھی۔

"کون؟"

"نوشی بیٹا میں ہوں ساجدہ۔" دروازہ کھول کے انہیں اندر آنے کا راستہ دیتے ہوئے کہا۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام! کیسی ہو بیٹا۔ باقی سب کہاں ہیں؟"

"میں ٹھیک ہوں آنٹی۔ یاسمین باجی تو یونیورسٹی لیکچر لینے گئی ہیں اور افشین اندر کمرے میں ہے بلاؤں؟"

"ارے نہیں رہنے دو کام کر رہی ہوگی میں اندر ہی چلی جاتی ہوں۔"

"آنٹی آپ کیا لیں گی جوس یا چائے؟"

"چائے لے آؤ ایک چمچ چینی ڈالنا۔" ساجدہ آنٹی کے اندر جانے کے بعد وہ بڑبڑاتے ہوئے کچن میں چلی آئی۔

"لو بھئی بندہ جھوٹے منہ انکار ہی کر دیتا ہے کہ نہیں نوشی بیٹا رہنے دو میں ابھی پی کر آئی تھی۔ میں نے کون

ساخالی ٹرخا دیتا تھا جوس یا کوک لے جاتی تھی لیکن نہیں جی چائے لے آؤ۔ چائے جو کہ بنانا مجھے دنیا کا سب سے برا کام لگتا ہے لیکن پینا اتنا ہی اچھا وہ بھی صرف دوسروں کے ہاتھ کی۔ امی کی دوست ہیں امی کے ہوتے تو میں نے ان کو کبھی دیکھا نہیں اور اب ہفتے میں ایک چکر ان کا لازمی ہوتا ہے اور پھر آتی بھی اتنے غلط وقت پر ہیں جب رات کا کھانا پکانے کا ٹائم ہوتا ہے۔ افشین اب بیٹھیں گی ان کے پاس اور ان کی جگہ مجھے کھانا پکانا پڑے گا۔" وہ چائے لا کر ان کو دینے کے بعد پاس ہی بیٹھ گئی لیکن اب ڈرامہ دیکھنے کی بجائے فیس بک کھول لی تھی۔ مقصد ان کی باتیں سننا تھا ناں۔

"افشین بیٹا وہ جو پچھلے دنوں رشتہ دیکھا تھا اس کا کیا بنا؟"

"پتا نہیں آنٹی۔ لڑکا خاص پیارا نہیں ہے، کافی زمینیں ہیں ان کی، ان کی والدہ کا اپنا اسکول ہے گاؤں میں، ان کا مقصد تو یہی ہے کہ میں جا کر ان کا اسکول چلاؤں۔ مطلب میں اب بھی جاب ہی کروں اور اگلے گھر جا کر بھی جاب ہی کروں؟ میں شادی کے بعد زبردستی جاب نہیں کرنا چاہتی۔"

"ابو کو پسند ہے یہ رشتہ؟"

"جی...... چچی نجمہ کہہ رہی تھیں کہ ابو کو پسند ہے یہ رشتہ۔"

"میں سمجھ رہی تھی کہ یاسمین کے لیے آئے تھے وہ بڑی ہے۔"

"ابو کے دور کے جاننے والے ہیں، امی کی وفات پہ گھر آئی تھیں وہ آنٹی۔ اس لیے انہوں نے میرا بولا۔"

"ظاہر سی بات ہے بیٹا۔ یاسمین کی عمر اٹھائیس سال ہوگی اور تم ابھی پچیس چھبیس سال کی ہو۔ اس لیے تمہارا ہی بولیں گی۔"

"اچھا بیٹا ایک بات تو بتاؤ۔"

"جی پوچھیں۔"

"آپ لوگ یونیورسٹی میں پڑھی ہیں کسی کلاس فیلو کے ساتھ دوستی نہیں تھی اور یاسمین تو اب بھی پڑھا رہی ہے کوئی نظر میں نہیں؟" افشین ان کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے کہنے لگی۔

"آنٹی ہمیں اپنے گھروں کے ماحول کا پتا ہے اس لیے کبھی کسی کو لفٹ ہی نہیں کرائی۔"

"یہی تو بیٹا آپ لوگوں نے غلطی کی...... اب وہ زمانہ نہیں رہا، والدین اب کہاں سے ڈھونڈیں اچھے رشتے؟ اس لیے لڑکیاں خود ہی پسند کر لیتی ہیں۔ دوستی ہوتی ہے، بات محبت تک پہنچتی ہے تو وہ انہیں فورس کرتی ہیں رشتہ بھیجنے کے لیے اور یوں شادی۔ میری بیٹی زرتاشہ کی دو سے تین دوستوں نے اپنے کلاس فیلوز سے اسی طرح پسند کی شادی کی ہے اور زرتاشہ کی بھی اپنے کزن کے ساتھ پسند کی شادی ہوئی ہے۔" نوشی خاموشی سے اٹھی اور کھانا پکانے کچن میں آ گئی۔ دو گھنٹے بعد جب کھانا تقریباً پک چکا تھا تب افشین کچن میں آئی۔

"لاؤ اب میں کر دیتی ہوں؟"

"کیا کر دیتی ہو؟ نظر نہیں آ رہا سارا کام ہو گیا ہے۔"

"اس میں میرا کیا قصور...... ساجدہ آنٹی کو چھوڑ کے کچن میں آ جاتی کیا؟"

"تو انہیں بھی تو سوچنا چاہیے ناں، مجھے ان کے آنے پر مسئلہ نہیں ہے جتنی دفعہ مرضی آئیں۔ ان کو خود تو خیال کرنا چاہیے ناں کہ شام کے وقت ہر کوئی مصروف ہوتا۔ ہر کسی نے کھانا پکانا ہوتا، ان کی طرح اب ہر کوئی فری تو نہیں ہوتا۔ انسان کو کسی کے گھر جاتے وقت ہمیشہ وقت کا خیال رکھنا چاہیے۔ یہی تو پڑھے لکھے اور ان پڑھ لوگوں کی پہچان ہوتی ہے۔ پڑھے لکھے لوگ کبھی صبح صبح یا دوپہر کو یا پھر مغرب کے وقت منہ اٹھا کر کسی کے گھر بھی نہیں چل پڑتے۔ وہ ان کے درمیان والے وقتوں میں جاتے ہیں جب اگلا بندے کے سونے یا مصروف ہونے کے امکان نہ ہوں جبکہ ان

پڑھ لوگ یوں ہی منہ اٹھا کر جب مرضی چلے آتے ہیں۔ افسوس کہ آنٹی ساجدہ ایجوکیٹڈ وومن ہیں پھر بھی ایسی حرکتیں؟ ایسے لوگوں کی وجہ سے ہی پڑھے لکھے اور ان پڑھ لوگوں کا فرق مٹ گیا ہے دونوں کو برابر ہی سمجھا جاتا ہے۔'' اتنی لمبی تقریر پہ افشین نے ابرو اچکاتے ہوئے پوچھا۔

''خیریت ہے خاصی تپی ہوئی لگ رہی ہو؟'' چاولوں کو دم پر رکھتے ہوئے پلٹ کر بولی۔

''خیریت ہی تو نہیں ہے۔''

''کیوں؟''

''بس پچھتا رہی ہوں۔''

''ہیں......وہ کیوں؟''

''کہ آپ لوگوں کی بات مان کے کبھی کسی کلاس کے لڑکے سے بات تک نہیں کی حد ہوتی ہے، میری کلاس فیلوز کو دیکھو اتنی اتنی اچھی جگہ پہ منگنیاں ہوئی ہیں۔ اپنی دوستوں کو ہی دیکھ لو پڑھے لکھے اور اتنے امیر گھرانوں میں ان کی شادیاں ہوئی ہیں اور ایک ہم ہیں، ہمیں پڑھایا ہی کیوں ابو نے؟ میرا دل کر رہا سب چھوڑ کے گھر بیٹھ جاؤں۔ کیا فائدہ اتنا پڑھنے کا جب شادی تو پھر وہی قبول صورت ہم سے بھی کم حیثیت اور کم پڑھے لکھے لوگوں میں ہونی ہے۔ چلو مجھے تو تعلیم کا بھی مسئلہ نہیں اس پہ کمپرومائز کیا جا سکتا ہے لیکن بندہ خوبصورت تو ہو، اچھی جاب تو ہو کہ کل کو اگر کوئی کلاس فیلو مل جائے تو بندے کو بتانے میں شرمندگی تو نہ ہو لیکن نہیں جی۔ آپ لوگوں نے بھی غلطی کی ہے۔ وہ تمہارا کلاس فیلو جس نے تمہیں پرپوز کیا تھا۔ اتنا خوب صورت تھا، ویل ایجوکیٹڈ فیملی تھی اور تو اور تاؤن میں اتنی اچھی کوٹھی تھی۔ ہاں بس یہ کہ وہ ہماری ذات کا نہیں تھا۔ کہیں تو کمپرومائز کرنا پڑتا ہے ناں۔ اگر تم ہاں کر دیتی تو ابو نے مان جانا تھا۔ جیسے کہ وہ کہتے ہیں جہاں میری بیٹیاں کہیں گی وہیں میں ان کی شادی کروں گا۔ اب ایسے نہ دیکھو میں بھی فیس بک استعمال کرتی ہوں بس تب وہیں پر تمہارے اس کلاس فیلو کی ساری انفارمیشن کھنگالی تھیں، تم نے ایویں انکار کر دیا۔ اب بھگتنا، میں تو پچھتا رہی ہوں کاش میں نے اپنی طرف بڑھنے والے لڑکوں کو ٹھینگا نہ دکھایا ہوتا۔''

''ایک بات تو بتاؤ نوشی تمہیں کیا لگتا ہے کہ یہ جو ابو کہتے ہیں وہ اس پہ عمل بھی کریں گے؟ آنٹی ساجدہ کے گھر کا ماحول اور ہے۔ ہمارے ماحول اور ان کے ماحول میں زمین آسمان کا فرق ہے لے کے تو دیکھو اپنی زبان سے کسی غیر لڑکے کا نام اسی خاندان نے کاٹ نہ ڈالا تمہیں تو میرا نام بدل دینا اور یہ تمہاری پھپیاں بھی جو آ کر میٹھی بن کے اکثر پوچھتی رہتی ہیں کہ کوئی لڑکا نہیں نظر میں؟ یہ دراصل ہم لوگوں سے کچھ اگلوانے کی کوشش کرتی ہیں تاکہ انہیں ہماری طرف انگلیاں اٹھانے کا اور خاندان میں ہمارے خلاف باتیں بنانے کا موقع مل سکے لیکن ہم کیوں ایسا کوئی کام کریں جس سے اس خاندان کی اگلی لڑکیوں کا یونیورسٹی جانا ممنوع ہو جائے۔ ہم اگر یونیورسٹی سے پڑھنے والی پہلی لڑکیاں ہیں ناں اس خاندان میں تو ہمیں اپنے والدین کی عزت کی لاج رکھنی ہوگی۔ ہمیں باقی لڑکیوں کے لیے مثال بننا ہوگا۔ ایسی مثال جس سے ہمارے باپ کا سر فخر سے اونچا ہوا کرے۔ ایسی مثال نہیں جس سے ان کا سر جھک جایا کرے۔ اس لیے کچھ بھی ایسا کرنے سے پہلے سوچ لینا۔'' دروازے پہ ہونے والی دستک کی آواز سن کر افشین اپنی بات ختم کرتے دروازہ کھولنے جانے لگی جب نوشین نے کہا۔

''تم یہ چاول دیکھ لو میں جاتی ہوں۔'' باجی یاسمین اور ابو آئے تھے۔ کھانا کھانے کے بعد جب ابو نماز کے لیے مسجد چلے گئے تو افشین نے ساجدہ آنٹی کی گفتگو اور پھر نوشی کے رویے کے بارے میں یاسمین کو سب بتا دیا تھا۔ ساری باتیں سننے کے بعد یاسمین نے کوئی جواب نہ دیا۔ کچھ توقف کے بعد بولی۔

''ابو نے تمہارے لیے اس گاؤں والے رشتے کو

ہاں کردی ہے۔ اس اتوار کو وہ رسم کرنے آئیں گے۔"
"ابو ایسا کیسے کر سکتے ہیں، بڑی تم ہو، پہلے تمہاری شادی ہونے چاہیے پھر میری۔"
"اب زبان بند کرو جو ہو رہا ہونے دو۔ میری قسمت میں جب ہوگی تب ہو جائے گی۔ اب کیا میرے انتظار میں تم دونوں بھی بیٹھی رہوگی؟"
"لوگ باتیں کریں گے، ایسا کیا تھا کہ بڑی کو چھوڑ کر چھوٹی کا پہلے کر رہے ہیں؟"
"مجھے یہ تو بتاؤ لوگ کب باتیں نہیں کرتے؟ لوگوں کی تو عادت ہے باتیں کرنا۔ اللہ کے واسطے لوگوں کی پروا کرنا چھوڑ دو جو ہو رہا ہے اسے ہونے دو۔ اس میں ابو کا کوئی قصور نہیں، ابو نے ساری زندگی صرف ہمارے لیے محنت کی ہے اور پھر ابو تمہاری اور میری شادی ایک ساتھ ہی کرنا چاہتے ہیں۔ ابھی تمہاری بس بات پکی کر رہے ہیں۔" فشین نے کوئی جواب نہ دیا۔ نوشین بھی ان کے پاس آکر بیٹھ گئی تو یاسمین نے کہا۔
"اور نوشی میڈم...... آپ کن شہزادوں کے خواب دیکھ رہی ہیں؟ اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلائے جاتے ہیں۔ ہمارے خاندان میں بیٹیوں کو یوں یونیورسٹیوں میں نہیں بھجواتے اور بجائے تم اس بات پہ فخر کرنے کے اور اپنے باپ کا احسان مند ہونے کے ان کی عزت کو مٹی میں ملانے کا سوچ رہی ہو کہ لڑکوں سے دوستیاں کروگی کسی سے چکر چلاؤ گی۔ ڈوب مرو، تعلیم انسان کو شعور دیتی ہے کہ وہ اپنے اردگرد کے ماحول کو دیکھ کر اس کے مطابق فیصلہ لے سکے لیکن تم تو بغاوت پہ اتر آئیں، ابو جو کر رہے ہیں بالکل ٹھیک کر رہے ہیں۔ میں نے تو کبھی ایسے خواب نہیں پالے کہ کسی اونچے ویل ایجوکیٹڈ خاندان سے رشتہ آئے گا کیونکہ انسان جس ماحول میں رہ رہا ہو اسے اسی ماحول کے مطابق ہی خواب دیکھنے چاہیے۔ غلطی تو تم دونوں کی ہے جنہوں نے اپنی حیثیت سے اونچے خواب دیکھے۔ اب کسی کو قصوروار کہنا کا کیا فائدہ؟" اتنا کہہ کے یاسمین نماز پڑھنے کے لیے وضو کرنے چل دیں اور وہ دونوں سوچ رہی تھیں کہ واقعی ہی غلطی تو ان کی ہے جنہوں نے اپنی حیثیت سے اونچے خواب دیکھے اور اب اپنے باپ کا مان رکھ کر ان کے فیصلے پہ سر جھکا کر انہیں لوگوں کی اس بات کو غلط ثابت کرنا تھا کہ تعلیم انسان کو باغی بنا دیتی ہے۔

رات کی تاریکی میں چپکے سے
بے نام سی کوئی آواز گونجی ہے
دکھوں نے حسرتوں سے کہا
ارے دیکھو تو کچھ ٹوٹا ہے
کیا ٹوٹا ہے؟
کیا ٹوٹا ہے؟
میں ٹوٹا ہوں
میں ٹوٹا ہوں
کسی کی آنکھ میں پلنے والا
ادھورا سا ایک خواب ہوں
کئی سالوں سے کسی کی آنکھوں میں
بہت چاہت سے رہا ہوں
لیکن زمانے کی روایتوں نے
مجھے یوں بے دردی سے توڑا ہے
دیکھو میرا بدن لہولہو ہوا ہے
کیسے چکنا چور ہوا ہے
ایک پچھتاوا جو میرے اندر چھپا ہے
اب کسی کی آنکھوں کا
مجھے بے مول خواب نہیں بننا ہے
کوئی زہر پلاؤ مجھے اب مرنا ہے
ہمیشہ ہمیشہ کے لیے

قسط نمبر اٹھارہ

کیوں نہیں آ کرتے مجھ کو تسلیم

راحت وفا

وہ خواب تھا بکھر گیا، خیال تھا ملا نہیں
مگر دل کو کیا ہوا، یہ کیوں بجھا پتا نہیں
ہر ایک دن اداس دن، تمام شب اداسیاں
کسی سے کیا بچھڑ گئے کے جیسے کچھ بچا نہیں

تاج دین بابا کو پہلے بھی ظہیر ہمایوں صاحب سے یہ شکوہ تھا کہ وہ چاہت کو غلط سمجھتے ہیں اور ابھی وہ تحمل سے ان کا غم وغصہ برداشت کر کے ناپسندیدہ انداز میں بولے۔

''میاں صاحب! آپ کا خیال ہمیشہ سے غلط ہے اس نمانی بی بی کے لیے، وہ آپ سے اور کیا کہیں؟ بولیں ان کو آپ نے کچھ دیا نہیں تو بے چین بھی کیوں کرتے ہیں؟ انہیں خمار بیٹی سے کیا لینا دینا، وہ کیوں اتنا انتظار کرتیں آپ کو بدنام کرنا چاہتیں تو کب کی یہاں آ کر شور مچا کر سب کو سنا دیتیں۔ بالکل خاموش ہوگئیں یہ ان کی اچھائی ہے۔'' تاج بابا نے اتنی طویل بات کی کہ وہ ایک لفظ کی بھی نفی نہ کر سکے۔

''میاں صاحب! وہ لڑکا خود سے سب کر رہا ہے۔''

''لیکن وہ میری اور چاہت کی کہانی کا حوالہ دے رہا ہے۔''

''تو دینے دیں، کہیں سے سن لیا ہوگا۔''

''تاج دین...... میری شہر میں عزت ہے، یہ راز میرے اور چاہت کے علاوہ صرف اس کی پھوپو کو پتا تھا۔''

''آپ نے راز رکھا ہی کیوں؟ گھر لے آتے تو شہر میں کتنی عزت ہوتی؟'' وہ بولے۔

''تاج دین...... اب کی بات کرو۔'' وہ چڑ کر بولے۔

''تو اب کیا ہوگیا؟ اب بھی کوئی برائی نہیں۔''

''وہ مجھے شکست دے۔''

''کوئی ہار جیت نہیں ہے میاں صاحب...... دل نرم کریں۔'' تاج دین بابا نے کہا۔

''اور خمار جو راضی نہیں۔''

''ہو جائیں گی راضی، آپ خوشدلی سے سمجھائیں، اس لڑکے کو پہلے خود اچھے سے قبول کریں۔''

''دل نہیں چاہتا، مجبوراً ہاں کی ہے۔'' وہ شکست خوردہ سے بولے۔

”نہ کریں میاں صاحب مجبوریوں کے حوالے اس گھر کی خوشیوں کو، پہلے اپنی خوشیاں گنوائیں اب راستہ نہ روکیں، خوشی خوشی نبھائیں۔“ تاج دین بابا نے کافی سنجیدگی کا اظہار کیا۔

”لیکن خمار راضی نہیں تو خوشی کیسی، یہ تو میری مجبوری کا سودا ہے۔“ وہ بہت بے بسی سے انتہائی کم آواز میں بولے۔

”کہا نا کہ راضی ہو جائیں گی آپ آرام سے سمجھائیں، لڑکا اچھا ہے، مجھے تو اس میں کوئی خامی نظر نہیں آتی۔“

”پھر آپ ہی خمار کو سمجھائیں۔“

”کوشش کرتا ہوں۔“

”کوشش ہی نہیں لازمی مناؤ، پرسوں جمعرات کو اس کے گھر والے آ رہے ہیں۔“ انہوں نے زور دے کر کہا۔

”آپ بس چاہت بی بی کی طرف سے دل صاف کر لیں، وہ ایسا نہیں کر سکتیں۔“

”کیا دل صاف کرنا، اب بچا ہی کیا ہے؟ اس کی دنیا وہ احمق گھر کا ملازم ہے۔“ وہ طنزیہ مسکرا کر بولے۔

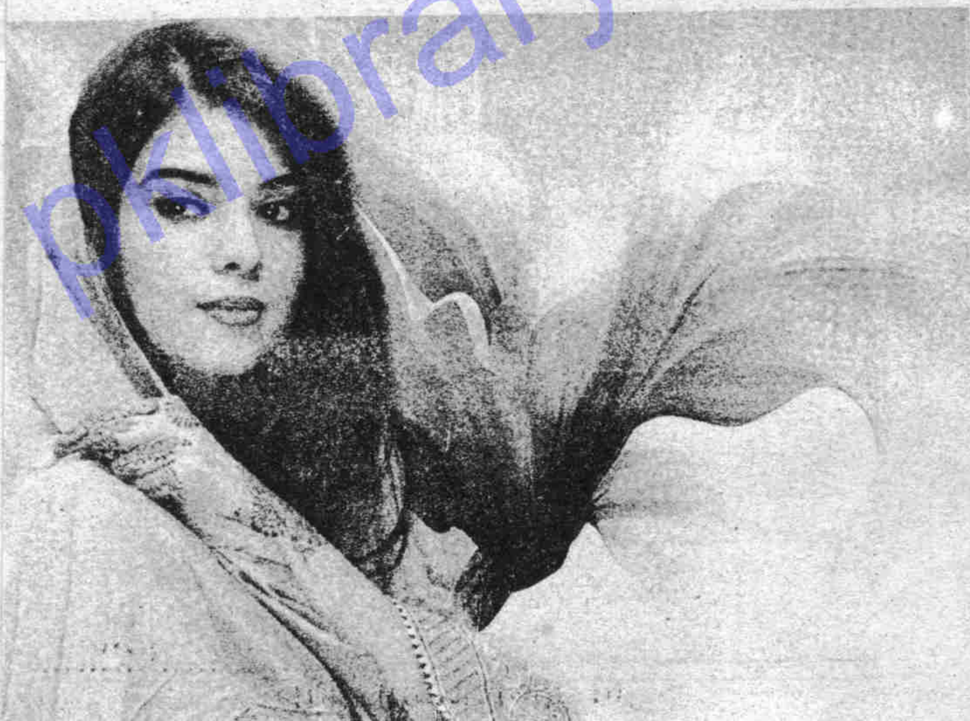
”نہ...... نہ بولیں ایسا کچھ میاں صاحب، سچ اور بہتان میں بال جتنا فاصلہ ہوتا ہے۔“ تاج دین بابا کی مذہبی حوالے سے باتیں ان کے دل پر اثر کرتی تھیں۔

”ٹھیک ہے جاؤ، ایک کپ کافی بھجواؤ۔“

”اچھا...... بالکل فکر نہ کریں، آرام کریں، سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ تاج دین بابا نے جاتے ہوئے کہا۔

”ایک منٹ تاج دین۔“ انہوں نے پکارا تو وہ رک گئے۔

”جی......“



مہر عندلیب

ثنا احسان

ہمیشہ حلقۂ نہ مہرباں میں رہتے ہیں
جو حق پہ ہوتے ہیں وہ امتحاں میں رہتے ہیں
حسد کی آگ سے کس کس کا گھر جلاؤ گے
کہ اہلِ عشق تو سارے جہاں میں رہتے ہیں

صالحہ ہما کسی درخشاں ستارے کا دوسرا نام تھا۔ کم از کم ہماری یونیورسٹی کے تمام طلباء کو ایسا ہی لگتا تھا۔ مجھے یونیورسٹی آئے دوسرا ہفتہ تھا اور اب میں اس صالحہ نامہ سے خاصا اکتا چکا تھا۔ ہفتے کی شام ہاسٹل کے کامن روم میں سارے لڑکوں کی محفل جمی تو اتفاقاً میں بھی اس کا حصہ بن گیا۔ عمار حسن نے حسب معمول اپنا پسندیدہ عنوان چھیڑ دیا تھا، جسے سن کر میں ہر بار کی طرح زیر لب مسکرا دیا تھا۔

"پوری یونی کی سب سے خوب صورت لڑکیاں ہمارے بیچ میں ہیں۔" اس نے گویا اعلان کیا۔ ایک منچلے نے کسی خوب صورت دوشیزہ کا نام لیا اور پھر تو بحث ہی چھڑ گئی تھی۔

ہم سب اکنامکس کے سال اول کے طالب علم تھے، ہم میں سے زیادہ تر لڑکے ساری زندگی بوائز ہائی اسکول اور کالج کے عادی تھے، اب یونیورسٹی کے مخلوط تعلیمی نظام اور آب و ہوا کو ہضم کرنے کے بعد ہماری حالت ناگفتہ بہ تھی۔ میں بذاتِ خود بچپن سے نامور اداروں میں پڑھ چکا تھا، میرے لیے یہ سب مضحکہ خیز ہی تھا۔ ایک دم عمار حسن نے بڑی سنجیدگی سے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"باقی بحث ایک طرف لیکن ہم سب کو یہ ماننا پڑے گا کہ سب سے زیادہ مسحور کن شخصیت صالحہ ہما کی ہے۔"

مجھے حیرت کا ایک جھٹکا ہی تو لگا تھا اور اس کا اظہار میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"وہاٹ......؟" سارے لڑکے ایک دم میری طرف متوجہ ہوئے، میری اعلیٰ تعلیم اور خود اعتمادی کی وجہ سے اکثر لڑکے خصوصاً میرے ہم جماعت، میری رائے کو بہت اہمیت دیا کرتے تھے۔ صالحہ ہما کی تعریف پر میری حیرت میرے ان کے اس نظریے پر واضح اختلاف تھا، اس لیے وضاحت لازمی تھی۔

"کچھ اتنی بھی خاص نہیں ہیں آپ کی صالحہ ہما، جسے دیکھو وہ ذہنی غلام بنا ہوا ہے، اب ایسے کون سے اس میں نایاب ہیرے موتی جڑے ہوئے ہیں۔" میں نے ہلکے پھلکے انداز میں بات ہوا میں اڑانے کی کوشش کی۔

کامران ہمدانی نے مجھے یوں دیکھا گویا اسے میری ذہنی حالت پر شبہ ہو۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد وہ صرف اتنا بولا۔

"تم نئے ہو اس لیے ایسا کہہ رہے ہو۔" اور یہی نیا ہونا مجھے ہمیشہ ناگوار گزرتا تھا۔ میں کسی فیلڈ میں نیا نہیں ہوتا تھا، [illegible] ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ میں نے ناک سے مکھی

اڑاتے ہوئے کہا۔

"کوئی ایسی خوب صورت بھی نہیں ہے، اس سے زیادہ حسین چہرے موجود ہیں اس دنیا میں۔" اب کی بار واضح خاموشی پھیل گئی تھی۔ عمار حسن نے ایک طنزیہ مسکراہٹ سے میرا اختلاف رد کیا اور بولا۔

"وہ ان تمام حسین چہروں سے زیادہ باوقار ہے جس کا تم ذکر کر رہے ہو، بہت جلد جان جاؤ گے۔" میں نے جواب دینا مناسب نہیں سمجھا، تم از کم میری خود ساختہ عزت نفس کسی لڑکی سے شدید متاثر، اس کے مداحوں سے بحث کرنے کی اجازت نہیں دیتی تھی، میری زندگی میں اور بھی بہت سے ضروری کام تھے۔

صالحہ ہما کو میں ایک آدھ دفعہ کلاس میں دیکھ چکا تھا، وہ ایک عام سی لڑکی ہی تو تھی، بھورے رنگ کے اسکارف میں لپٹا اس کا صبیح چہرہ کسی حد تک خوب صورت اور پرکشش تو تھا لیکن ایسا بھی نہیں کہ ساری یونیورسٹی کے طلباء مجنوں ہی بن جائیں۔ نہایت خاموشی سے وہ کلاس میں داخل ہوتی اور ایک طرف بیٹھ جاتی پھر اسی خاموشی سے کلاس ختم ہوتے ہی نکل بھی جاتی تھی۔ میرے نزدیک صالحہ ہما کم گو، کم اعتماد اور مشرقی لڑکی تھی جس کے نزدیک سب سے بڑا خوف مخلوط تعلیمی نظام ہو جبکہ میرا خیال تھا کہ ترقی کے اس دور میں ایسی لڑکیوں کی جگہ باورچی خانے کا چولہا سنبھالنا ہوتا ہے، ملکی معاشیات پر تبصرے کرنا نہیں۔

رائے قائم کرنا کبھی میری عادت نہیں رہی تھی لیکن صالحہ ہما کی شان میں پڑھے گئے قصیدوں نے مجھے اس کی ذات میں ہزاروں خامیاں ڈھونڈنے پر اکسایا اور پھر آنکھیں تو وہی دیکھتی ہیں جو دل دکھانا چاہے، اس لیے میرے پاس صالحہ ہما کی خامیوں کی ایک لمبی فہرست تیار تھی، میں لاشعوری طور پر صالحہ ہما کو نوٹ کرنے لگا، نہ چاہتے ہوئے بھی میری سماعتیں اس کی طرف لگی رہتیں۔ تین ماہ کے عرصے میں میرا مشاہدہ اتنا جان گیا تھا کہ وہ عام لڑکی نہیں ہے، جو تمام خامیاں مجھے اس میں نظر آئی



تھیں، وہ بالکل بھی اس میں موجود نہیں تھیں۔ میں نے اسے انڈراسٹیمیٹ کیا تھا۔ وہ خاموش سامع ضرور تھی لیکن وہ کم اعتماد یا کم گو بالکل نہیں تھی۔

کلاس میں اکثر مختلف مباحثے ہوتے، اکثر رنگ برنگی لڑکیاں ہاتھ ہلا ہلا کر بے بنیاد دلائل سے پروفیسروں کی نظر میں آنے کی کوشش کرتیں اور لڑکے ان لڑکیوں پر دھونس جمانے کے لیے ہر اعتراض کی نفی کرتے۔ جب بحث کسی وسیع اختلاف پر آ کر رک جاتی تو کلاس کے بائیں کونے کے آخر سے ایک آواز ابھرتی اور نہایت خوش اسلوبی سے جامد دلائل کے ساتھ سب اس آواز سے متفق ہو جاتے۔

وہ نرم، مہربان آواز صالحہ ہما کی ہوتی۔ میں گردن موڑے بغیر ہی تسلیم کر لیتا کہ صالحہ ہما کی آواز کو کوئی بھی نہیں ہرا سکتا۔ صالحہ ہما کو شاید مصوری سے بہت لگاؤ تھا۔ وہ اکثر آرٹس کلب میں کینوس کے سامنے پائی جاتی تھی۔ عمار حسن کہتا تھا صالحہ ہما مسحور کن شخصیت ہے لیکن میرا مسئلہ تھا مجھ پر کسی کی شخصیت کا سحر اثر نہیں کرتا تھا۔ صالحہ ہما کی خوبیوں کا میں معترف تھا لیکن میں مداح کبھی نہیں رہا۔ دوسروں کی طرح میں نے اس کی عادات و اطوار سے اثر نہیں لیا لیکن یہ تب صرف میرا خیال ہی تھا۔ پھر وہ دن بھی آ گیا جب میری صالحہ ہما سے پہلی ملاقات ہو گئی تھی۔

ایگزام سے پہلے ہماری پریزنٹیشن تھی، صالحہ ہما اور میں ایک گروپ میں تھے، گروپ لیڈر رنگ چڑھی سی زوبیہ جبار تھی۔ زوبیہ کو کام سے زیادہ فضول گوئی میں دلچسپی تھی۔ میں اصول پسند انسان تھا، مجھے بہترین کام کے لیے زوبیہ سے الجھنا پڑا اور نتیجتاً زوبیہ جبار نے گروپ سے کنارہ کشی کا اعلان کر دیا تھا۔ میں بھی غصے میں سب کچھ چھوڑ کر لائبریری چلا گیا تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد صالحہ ہما لائبریری میں داخل ہوئی اور سیدھا میرے ڈیسک کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور سادگی سے مجھے مخاطب کیا۔

''فیضان صاحب، کچھ پریزنٹیشن کے ٹاپکس پر پندرہ منٹ بعد میٹنگ ہے، آپ اپنے پوائنٹس تیار رکھیے گا، ہم چاہتے ہیں جلد از جلد اس پریزنٹیشن سے نمٹ لیں۔'' میں نے حیرت سے اسے دیکھا، ابھی کچھ دیر پہلے اچھی خاصی تو تو، میں میں ہو چکی تھی۔ کسی بگڑے ہوئے بچے کی طرح میں نے چہرے کے زاویے بگاڑے (اگرچہ یہ ضدی پن میری عادت کبھی نہیں رہی تھی لیکن آج کل میں سب کچھ عادات کے خلاف کرتا تھا)

''مس صالحہ، اگر گروپ لیڈر وہی محترمہ ہیں تو میں کسی میٹنگ میں شامل نہیں ہونا چاہتا۔ وہ خود کو بہت کچھ سمجھتی ہیں۔'' میں خاموش ہوا تو صالحہ ہما نے ایک گہری سانس لی اور میرے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''فیضان صاحب کیا ایسا ممکن نہیں ہے کہ ہم انہیں ویسا ہی سمجھنے دیں جیسا وہ خود کو سمجھ رہی ہیں؟ کیا ہم کسی کو یہ مان نہیں دے سکتے کہ وہ جو کچھ بھی ہیں، بہترین ہیں، بس ذرا سا سمجھوتہ؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میں سمجھ نہیں پایا کہ کیوں مزید بحث کی شدید خواہش کے باوجود میں نے اثبات میں سر ہلا گیا، میں حیران تھا کہ میں نے اس قدر خاموشی سے اس میٹنگ میں زوبیہ جبار کی موجودگی کے باوجود شرکت کیسے کر لی؟ میری انا مجھے کبھی بھی صلح کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ شاید مجھے صالحہ ہما کی بات نے مخمصے میں ڈال دیا تھا۔

اس کے بعد صالحہ ہما سے میرا رابطہ صرف دعا سلام تک ہی محدود رہا تھا۔ کبھی کاریڈور میں، کسی گروپ ڈسکشن میں، کبھی کینٹین کی قطار میں کھڑے ہو کر وہ نہایت شائستگی سے میرے سلام کا جواب دیتی اور چائے کا کپ بھرنے تک میری طرف متوجہ رہتی پھر سر ہلا کر جانے کی اجازت مانگتی اور یوں ہماری اس چند لمحوں کی ملاقات کا اختتام ہو جاتا۔

پہلے سمسٹر کے امتحان کا نتیجہ آیا اور سب کی امیدوں پر پورا اترتے ہوئے صالحہ ہما نے پورے ڈیپارٹمنٹ میں ٹاپ کیا تھا۔ اگرچہ میں شروع سے اپنی پڑھائی کے معاملے میں بہت حساس رہا تھا، مجھے اس کی کامیابی نے طیش نہیں دلا دیا تھا۔ ایسا ممکن ہی نہیں تھا کہ میں کبھی کسی

مقابلے میں خود سے آگے بڑھنے والے سے حسد کا شکار نہ ہوں یا شاید اندر ہی اندر میں صالحہ ہما کی صلاحیتوں سے متاثر تھا لیکن زبان سے قبول کرنے میں میری انا آڑے آرہی تھی۔ خیر سب کی طرح میں نے بھی اسے مبارک دی، جسے سر کی ہلکی سی جنبش سے اس نے قبول کی۔ وہ زیادہ تر ایسی ہی رسمی مسکراہٹ سے ملتی تھی۔

دوسرے سمسٹر کو شروع ہوئے دوسرا ہفتہ تھا، پروفیسر ذیشان احمد نئے پروفیسر تھے۔ میں قطار میں کھڑا اپنی اسائمنٹ جمع کرانے کا انتظار کررہا تھا کہ اسی لمحے صالحہ ہما اپنی اسائمنٹ لیے میرے دائیں طرف آ کھڑی ہوئی۔ میرے بعد اس نے اپنا نام بتایا تو پروفیسر صاحب یوں اچھلے گویا کرنٹ لگ گیا ہو پھر ابرو سکیڑ کر چشمے کے اوپر سے گھورتے ہوئے تجسس سے پوچھنے لگے۔

''اچھا آپ ہیں صالحہ ہما؟'' یقیناً ان تک بھی صالحہ ہما کی کامیابیوں کے قصیدے پہنچ چکے تھے۔ صالحہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ بوڑھے پروفیسر نے مشکوک انداز میں اسے دیکھا پھر بولے۔

''صالحہ ہما کون ہے ایک لفظ میں بتائیں؟'' شاید ان کے لیے بھی میری طرح اس سادہ سی دکھنے والی لڑکی کی صلاحیتوں اور قابلیتوں پر اعتبار کرنا مشکل تھا۔ ظاہر ہے متاثر ہونے والوں کی اس دنیا میں باطن کے راگ الاپنے والوں کی کوئی جگہ نہیں ہوتی، اس کی بھی نہیں تھی۔ صالحہ نے چند لمحے کی خاموشی کے بعد یک لفظی جواب دیا۔

''مصورہ۔'' پروفیسر زیرلب مسکرائے، جیسے جواب سے متاثر ہوئے ہوں۔

''بہت خوب، دنیا کے سارے رنگوں کو جذب کیا ہوا ہے آپ نے مصورہ صاحبہ۔'' پھر ذرا راز داری سے بولے۔

''مس صالحہ، رنگوں کی دنیا میں کھو کر اس دنیا سے غافل مت ہوجایئے گا، یہاں جو رنگ جتنا کھلا ہوا ہے، وہ اتنا سیاہ ہے، یاد رکھیں سیاہ میں صرف ایک خامی ہے، دوسرے کو بھی بے رنگ کردیتا ہے۔'' صالحہ دھیمی سی مسکراہٹ سے سننے کے بعد صرف اتنا بولی۔

''ضرور سر...... ان رنگوں نے ہی تو بدلتے رنگوں کو پہچاننے کا ہنر عطا کیا ہے۔'' اس فلسفے کی مجھے ذرہ بھی سمجھ نہیں آئی، یہ فلسفے یا تو بوڑھے لوگوں کو سمجھ میں آتے ہیں یا خبطی بے عقل لوگوں کو، اللہ کا شکر تھا میں ان دونوں صفات میں نہیں آتا تھا۔

صالحہ کہہ کر چلی گئی، اللہ جانے میرے دل میں کیا خیال آیا میں بھی اس کے پیچھے لپکا اور اسے آواز دی۔

''مس صالحہ، رنگ بھی کچھ سکھا سکتے ہیں؟'' یہ وہ واحد بات تھی جو مجھے سمجھ آئی تھی۔ شاید میں اس سے بات کرنے کا کوئی بہانہ ڈھونڈ رہا تھا۔ مجھے ایک نظر دیکھنے کے بعد وہ سامنے دیکھ کر چلتے ہوئے بولی۔

''جی بالکل...... قدرت کی ہر تخلیق استاد ہوتی ہے اور میرے محسن رنگ ہیں۔'' مجھے اس کی بات سننے کے لیے اس کے ساتھ قدم ملا کر چلتے ہوئے دقت پیش آرہی تھی شاید اسے کہیں جانے کی جلدی تھی، اس لیے وہ تیزی سے چل رہی تھی۔

''مثلاً؟'' میں نے سوال پوچھا۔ تیز چلتے قدموں کو ایک دم بریک لگے۔ وہ رکی اور پوری طرح میری طرف گھوم گئی۔

''مثلاً'' اس نے ایک نظر مجھے دیکھا، اس کی آنکھیں بالکل سیاہ تھیں، ایسی سیاہ جیسے رات کا حصہ ہو، جیسے سیاہ ماربل کا چمکتا ٹکڑا ہو یا پھر جیسے سیاہ شیشہ ہو، چمکتا ہوا سیاہ شفاف کانچ۔ چمکتی آنکھیں لمحے بھر کو الجھیں پھر وہ نہایت صاف گوئی سے بولی۔

''مثلاً...... میرے رنگ مجھے بتاتے ہیں کہ آپ مجھے ناپسند کرتے ہیں۔'' میں بھونچکا کررہ گیا۔ ٹھیک ہے میں صالحہ ہما کو ویسے پسند نہیں کرتا تھا جیسے سب کرتے تھے لیکن میں اسے ناپسند بھی نہیں کرسکتا تھا۔

وہ یقیناً اپنے آس پاس سے بے خبر نہیں رہتی تھی، شاید میرے چہرے کے رنگوں میں اس نے کوئی ناپسندیدگی کا رنگ پڑھ لیا تھا۔

"میں کیوں آپ کو ناپسند کروں گا؟" میں نے پوچھا۔ اس نے جواب میں شان بے نیازی سے کندھے اچکائے اور بولی۔

"رنگ کیسے اور کیوں کی وضاحت نہیں دیتے، صفائیاں دینا انسانوں کا کام ہوتا ہے۔" میں نے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے جواب دیا۔

"آپ کے رنگوں کو غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے۔" صالحہ نے مجھے یوں دیکھا جیسے کوئی بڑا کسی چھوٹے بچے کی بچگانہ دلیل سننے کے بعد دیکھتا ہے۔ نہ جانے مجھے کیا سوجھی، میں نے ایک دم اسے پیشکش کی۔

"یہ غلط فہمی چائے کے ایک کپ سے بھی دور ہو سکتی ہے؟" سیاہ کانچ سی آنکھوں میں تذبذب سا پھیلا پھر اگلے لمحے وہ ذرا سا مسکرا دی۔

"ارے نہیں...... مجھے غلط فہمیاں پالنے کی عادت نہیں، پیشکش کا شکریہ۔" میں نے پھر بھی ہمت نہیں ہاری۔

"چلیں غلط فہمی دور کرنے نہ سہی کلاس فیلو ہونے کے ناتے؟" مجھے سو فیصد یقین تھا، اس روز صالحہ ہما نے بہت بے دلی سے صرف مروت میں میرے ساتھ چائے پینے کی ہامی بھری تھی۔ وہ بہت سے کام صرف مروت میں کرتی تھی، اتنا میں جان گیا تھا، وہ سمجھوتے میں زندگی گزارنے کی عادی تھی۔

چائے کا آخری گھونٹ بھر کر کپ رکھتے ہی اس نے نہایت سلیقے سے کپ کے نیچے اپنے حصے کا بل رکھا۔ میں واضح براماں گیا تھا۔ میرے نزدیک یہ مجھے کسی لحاظ سے بیچ ثابت کرنے کی کوشش تھی۔ ویٹر کو بل دیتے ہوئے میں نے اس کے حصے کا بل بھرنے کی کوشش کی تو وہ ٹھنڈے لہجے میں بولی۔

"فیضان صاحب، کلاس فیلوز ہونے کے ناتے چائے ایسی ہی پی جاتی ہے، مجھے اپنا بل خود دینے کی عادت ہے۔ بہت شکریہ۔" اس قدر صاف گوئی سے میں یک لخت ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ ویٹر کپ اور چائے سمیٹ کر چلا گیا اور میں اس سب کی روداد سوچتے حیرت میں مبتلا وہاں سے اٹھ گیا تھا۔

مجھے اس کے طرز عمل کی سمجھ نہیں آئی تھی۔ شاید اس کی وجہ زندگی کے وہ سات سال تھے جو میں نے لندن کے مادر پدر آزاد معاشرے میں گزارے تھے۔ میری زندگی کا ابتدائی دور اگرچہ پاکستان میں گزرا تھا لیکن جس معاشرے میں میں پروان چڑھا تھا وہاں کی ہوا نے مجھے قدرے آزاد خیال بنا دیا تھا۔ میرے نزدیک بہت سی باتوں کی طرح مرد اور عورت کے کرداروں میں کچھ زیادہ تفریق نہیں تھی لیکن صالحہ ہما بہت مختلف تھی، اس کی شخصیت بہت پراسرار تھی یا شاید صرف مجھے لگتی تھی۔ وہ اپنا نسوانی وقار برقرار رکھتے ہوئے ہم مردوں کے شانہ بشانہ چلتی بلکہ اکثر اوقات ہمیں بھی پیچھے چھوڑ جاتی تھی۔ اس کے پراعتماد انداز نے کبھی اس کی نسوانیت کو پامال نہیں کیا تھا۔ صالحہ ہما سے میں چاہ کر بھی کبھی بے تکلف نہ ہو پایا، ہر دفعہ ایک حجاب سا آڑے آ جاتا تھا۔ انتہائی پراعتماد ہونے کے باوجود میں اس سے، بہت کچھ کہتے ہوئے خاموش ہو جایا کرتا، نہ چاہتے ہوئے بھی الجھنے کی خواہش کو ترک کر دیتا، شاید مجھے اس کی طرح سمجھوتے کی عادت ہونے لگی تھی اور یہ حالت صرف میری نہیں ہم سب کی تھی۔ کسی کی ہمت نہیں ہوتی کہ اسے اپنے کسی بے ہودہ مذاق کا حصہ بنانے کی کوشش کرے۔ وہ اپنے خول میں بند رہ کر وہ تمام کام کرتی جس کے لیے نام نہاد تنظیمیں حقوق نسواں کا ڈھنڈورا پیٹتی تھیں۔

میری اور صالحہ ہما کی ملاقات ان دو اجنبیوں کی طرح ہوتی جو ریل میں دو گھنٹے ساتھ گزار کر اترنے کے بعد ایک دوسرے کے نام اور تعارف کو یکسر فراموش کر دیتے تھے۔ البتہ ہماری کہانی میں فراموش شاید صرف صالحہ ہما مجھے کر رہی تھی میں بھی نہیں کر پایا تھا۔

ایک دفعہ میں لائبریری کسی کام سے گیا تو صالحہ لائبریرین سے کسی کتاب کا پوچھ رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر رسمی انداز میں سلام کیا۔ لائبریرین کہیں سے وہ کتاب ڈھونڈ

لایا تو میں نے سرورق پڑھ کر تعجب سے صالحہ کو دیکھا۔
"آپ لارا انگیلز سیریز بھی پڑھتی ہیں؟"
"وہ امریکی رائٹر جس نے بچوں کے لیے ادھوری کہانیاں لکھیں؟" صالحہ ہما نے سوالیہ انداز میں ابرو سکیڑے۔
"ادھوری کہانیاں؟" میں نے اپنی بات کی وضاحت کے لیے کتاب کی طرف اشارہ کیا۔
"اس کا اختتام ادھورا ہے، اس سیریز کی تمام کتابوں کے اختتام پر یہ خاندان ایک نئے سفر کی تیاری کرتا ہے۔ ساری کہانی ایک سفر میں گزار کر، کتاب کا اختتام کسی نئے سفر کی تیاری سے ہوتا ہے۔ مجھے یوں تجسس میں چھوڑ دینے والی کتابیں شدید ناپسند ہیں۔" توجہ سے سنتی صالحہ ہما کی سیاہ شیشے سی شفاف آنکھیں لمحے بھر کو چمکی تھیں۔ اس نے کتاب کا سرورق میری طرف کیا۔
"جی بالکل فیضان صاحب، ہر کہانی ایک سفر ہے، جس کا اختتام ایک نیا سفر ہوتا ہے۔ ہم بھی تو ساری زندگی مسافت میں گزار دیتے ہیں، کبھی کسی چاہت کے حصول کے لیے اور کبھی نئی زمین پر گھر بنانے کی چاہ میں، جیسے لارا کے ماں باپ کی خواہش تھی۔ ہم سب بھی تو ادھوری کہانیاں چھوڑ کر ہی مر جاتے ہیں۔" مجھے پہلی دفعہ یہ معلوم ہوا کہ وہ بہت خوب صورت بولتی ہے، ٹھہر ٹھہر کر نہایت شگفتہ انداز میں ایسا کہ سامع کا دل ہمیشہ سننے کی خواہش کرے، میں لاجواب ہوا اور ایسا پہلی دفعہ ہرگز نہیں ہوا تھا۔ میں نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔
"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" اس کے علاوہ میں اور کچھ کہہ بھی تو نہیں سکتا تھا۔ میں جس کام سے لائبریری آیا تھا وہ تو مجھے بھول گیا تھا، اس لیے ویسے ہی خالی ہاتھ واپس لوٹ گیا تھا۔ صالحہ ہما کی وجہ سے میں ہمیشہ ہی خالی ہاتھ رہ جاتا ہوں۔
مجھے یاد ہے ایک دفعہ ہماری کلاس نے سینئرز کے لیے الوداعی ڈنر کی تقریب کا اہتمام کیا تھا۔ وہ نمبر کی ایک ٹھنڈی خزاں آلود سی شام تھی۔ مجھے اس دن معلوم ہوا تھا کہ صالحہ ہما ایک خاموش شاعرہ بھی ہے۔ اس کی سہیلیوں نے شرارتاً مائیک سنبھالتے ہوئے صالحہ کو اسٹیج پر بلایا کہ وہ اپنی تازہ لکھی ہوئی غزل سنائے۔ مجھے صالحہ ہما کے چہرے پر چھائی حیرت اور تاسف آج بھی یاد ہے۔ شاید وہ اپنی شاعری کی تشہیر نہیں چاہتی تھی لیکن پھر بھی وہ با دل ناخواستہ اٹھ کر اسٹیج پر آ گئی تھی۔
ڈنر کے بعد کافی پیتے ہوئے میری نظر صالحہ پر گئی، وہ ساری روشنیوں سے دور آخری میز پر تنہا بیٹھی فضا میں کسی غیر مرئی نکتے کو گھور رہی تھی۔ میں ٹہلتے ہوئے اس کی میز پر پہنچا تو وہ بھی میری طرف متوجہ ہوگئی پھر ایک رسمی مسکراہٹ سے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔
"پینٹنگ کے ساتھ ساتھ شاعری کا ڈپارٹمنٹ بھی آپ نے سنبھالا ہوا ہے، کمال ہے۔" میں نے بے تکلفی سے کہا گویا وہ میری بچپن کی دوست ہو۔ جواب میں صالحہ نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا تھا۔
"آپ بہت گہری شاعری کرتی ہیں۔" میں نے اس سطر کا اضافہ کرنا ضروری سمجھا۔
"میں صرف گہرا سوچتی ہوں۔" اس نے کندھے اچکا کر اپنی طرف ۔۔۔ ہے گویا بات ختم کی اور رخ موڑ کر رنگ برنگی روشنیوں کو دیکھنے لگی۔
مجھے صالحہ کے رنگوں کی زبان نہیں آتی تھی، ورنہ میں اس دن اس کے پہنے ہوئے بالکل سفید رنگ کے کپڑوں کے بارے میں ضرور سوچتا، تب مجھے صرف ایک بات محسوس ہوئی تھی، صالحہ ہما سفید رنگ میں بہت خوب صورت لگتی ہے۔ شاید لڑکپن کا اثر تھا یا میں صالحہ ہما کا ردعمل دیکھنا چاہتا تھا، میں نے ایسے ہی بہت دلنشین انداز میں اسے مخاطب کیا۔
"صالحہ...... آپ بہت ذہین ہونے کے ساتھ ساتھ بہت خوب صورت بھی ہیں۔" صالحہ نے گردن موڑ کر مجھے دیکھا اور بہت اطمینان سے صرف اتنا کہا۔
"میں جانتی ہوں۔" مجھے لگا کسی نے میرے اوپر ٹھنڈے پانی کا ٹب الٹ دیا ہو۔

تعریف ہر عورت کی کمزوری ہوتی ہے لیکن وہ کوئی عام عورت نہیں تھی، وہ صالحہ ہما تھی۔ ان دنوں میں لڑکیوں میں خاصا مقبول تھا، اگر میں صالحہ کے علاوہ کسی بھی دوسری لڑکی کو ایسا کہتا تو یقیناً وہ خود کو بہت خوش قسمت تصور کرتی لیکن میں جس سے متاثر تھا، اسے میری وجاہت، مقبولیت اور ذہانت میں کوئی دلچسپی نہیں تھی یا شاید اسے وہ سب نظر ہی نہیں آتا تھا۔ میں مداحوں کے غول میں رہتا تھا، نظر انداز کیے جانے پر اگرچہ مایوس نہیں ہوا تھا لیکن حیرت زدہ ضرور تھا۔ میں خاموشی سے صالحہ ہما کے پاس سے اٹھ آیا اب مزید بیٹھنے کا کوئی جواز بھی تو نہ بچا تھا۔

اس رات کے بعد میں صالحہ کو دانستہ طور پر نظر انداز کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ شاید یہ کوشش اس کے سحر اور طلسم سے بچنے کی تھی۔ میں اس کی مضبوط شخصیت سے متاثر نہیں ہونا چاہتا تھا لیکن میں چاہ کر بھی اس کو نظر انداز نہیں کر پا رہا تھا۔ کوئی بھی نہیں کر پاتا تھا۔

دو سال کا وہ عرصہ یوں تحلیل ہوا گویا ایک لمحہ ہو۔ آخری سمسٹر کے شروع ہونے سے پہلے مجھے اپنے تھیسس میں صالحہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ میں اسے یونیورسٹی میں ڈھونڈنے نکلا تو وہ آرٹ کلب کے لان میں ایک کرسی کی پشت سے سر ٹکائے، آنکھیں بند کیے بیٹھی نظر آئی۔ میں چند لمحے خاموش کھڑا رہا پھر دھیرے سے آواز دی۔

”مس صالحہ۔“ اس نے بدقت آنکھیں کھولیں، آج سیاہ آنکھیں بہت تھکی ہوئی محسوس ہوئی تھیں، سیاہ چمکتے کانچ میں سرخ ڈورے تیر رہے تھے، جیسے وہ بہت عرصے سے سوئی نہیں ہو یا جیسے وہ تنہائی میں بہت روئی ہو۔ نہیں میں نے اپنا دوسرا خیال فوراً مسترد کیا، صالحہ ہما جیسی مضبوط عورت کبھی نہیں رو سکتی۔ یہ میرا یقین تھا۔

اس نے اسی رسمی مسکراہٹ سے میرا استقبال کیا جو اس کی خود اعتمادی کی نشانی تھی۔ میں دوسری کرسی کھینچ کر بیٹھا تو اس نے میز پر رکھے رنگ سمیٹے۔ پاس ہی کینوس کے موٹے کاغذ پر اس کی نامکمل تخلیق اپنے خالق کی توجہ کی منتظر تھی۔ صالحہ ہما تجریدی آرٹ کے نایاب فن پارے بنانے میں بہت مشہور تھی۔ اس وقت بھی وہ نامکمل پینٹنگ کسی بے رنگ پودے کی تھی جس کی آخری ٹہنی پر کوئی بے رنگ پرندہ ترچھا بیٹھا تھا۔ مجھے کسی نے بتایا تھا کہ صالحہ ہما، بین الاقوامی سطح پر این سی اے کے منعقد سالانہ مقابلے میں شرکت کے لیے کوئی نئی پینٹنگ بنا رہی ہے۔ میں نے بات شروع کرنے کے لیے کوئی موضوع ڈھونڈا۔ مجھے ہمیشہ اس سے بات کرنے کے لیے موضوع ڈھونڈنا پڑتا تھا۔

”مس صالحہ آرٹ میں بہت دلچسپی ہے آپ کو؟“

صالحہ کو لمبی چوڑی وضاحت دینے کی عادت نہیں تھی، نہ ہی وہ اپنے کام پر لمبے لمبے تبصرے کرتی تھی۔ اس کے کام کا رزلٹ خود بولتا تھا اور اپنے ساتھ ساتھ صالحہ کے خاموش وجود کی وضاحت بھی دیتا تھا۔ میری بات کے جواب میں وہ صرف اتنا بولی۔

”آرٹ میں دلچسپی کس کو نہیں ہوتی؟ بس زندگی کی دوڑ دوڑتے ہوئے، ہم میں سے بہت سوں کی ترجیحات بدل جاتی ہیں۔“

”پھر بھی مس صالحہ...... آپ معاشیات میں آ کر خود کو ضائع کر رہی ہیں۔ آپ کی آرٹ میں غیر موجودگی سے آرٹ، بہت خسارے میں ہے۔“ میں نے بہت ہی خلوص سے مشورہ دیا۔

”کیا معانی رکھتا ہے یہ فیضان صاحب، اگر کسی کے پاس کچھ کر گزرنے کا ہنر ہے تو اس کا صرف ایک نتیجہ ہوتا ہے فنکار اپنی تمام تر صلاحیتوں سے فن پارے بناتا ہے، لوگ متاثر ہو جاتے ہیں۔ یہی ہنر مداح اور حاسدوں کو جنم دیتا ہے۔ مداح آپ کو خود سے بہت اوپر، آسمان کا ستارہ سمجھتے ہیں اور حاسد آپ کو اس آسمان سے نیچے اتارنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔“ وہ رک کر تلخی سے ہنس دی۔

”مداح، مداح اور حاسد، حاسد صرف تب تک رہتا ہے جب تک ہنر موجود ہے۔ جیسے ہی ہنر کی اشاعت ختم، ساری مانوسیت ختم، سب صرف اجنبی رہ جاتے ہیں۔ کسی ہنر مند انسان کے ہم سطح کوئی نہیں ہوتا جو اسے انسان

سمجھے۔ شہرت اسی مداح اور حاسدوں کی موجودگی ہی کو تو کہتے ہیں۔" سیاہ ماربل جیسی آنکھوں میں موجود سرخی پہلی دفعہ دھندلائی تھی۔ اس دن صالحہ ہما نے اپنی زندگی میں پہلی دفعہ مجھ سے اتنی لمبی بات کی تھی۔ مجھے محسوس ہوا وہ آج کسی ذہنی انتشار کے باعث ذومعانی باتیں کررہی ہے پھرایک دم جیسے وہ چونکی، شاید اسے محسوس ہوگیا تھا کہ ایسی تلخ باتیں میری سمجھ میں نہیں آئیں گی۔ اس نے بات بدلی اور میں شدید خواہش کے باوجود اس کی تلخی کی وجہ نہ پوچھ سکا۔

ہمارا آخری سمسٹر ختم ہونے میں چند ہفتے باقی تھے، تمام طلباء ایک دوسرے کو یادگاری تحائف دے کر مفارقت کو آسان کرنے کی کوشش میں مگن تھے۔ ہمارے بیچ میں کل پندرہ لڑکیاں اور چوبیس لڑکے تھے۔ ہم لڑکوں نے کچھ تحفے خریدے، مجھے سمجھ نہیں آیا صالحہ ہما کو کیا دینا چاہیے؟ میں اسی کشمکش میں مبتلا رہا اور چوبیس لڑکوں میں، میں وہ واحد لڑکا تھا جو صالحہ ہما کو کوئی تحفہ نہ دے سکا تھا۔

صالحہ ہما نے بھی ہم سب لڑکوں کو تحفے دیے، اس کے ہر کام کی طرح اس کے تحفہ دینے کا انداز بھی نایاب تھا۔ میں نے ہاسٹل آ کر اپنا تحفہ کھولا تو اس میں سرمئی رنگ کے ململ کا نسوانی ہیڈ اسکارف تھا، ساتھ میں ایک کاغذ پر چند سطریں تحریر تھیں۔

"مجھے سمجھ نہیں آیا کہ میں آپ سب کو کیا تحفہ دوں؟ میری طرف سے یہ تحفہ آپ اپنی محبت کو دیجیے گا۔ میں امید کرتی ہوں فیضان صاحب کہ مستقبل قریب یا بعید میں آپ کی محبت آپ کو سفید اور سیاہ کی جامد حقیقت کے درمیان کے صیغے سے آشنا کرادے گی، آپ کو یہ سکھادے گی کہ حالات اور انسان صرف سیاہ اور سفید نہیں ہوا کرتے، ان کے درمیان ایک اور رنگ کا صیغہ بھی ہوتا ہے سرمئی رنگ، انسان کبھی مکمل نہیں ہوا کرتے، آپ کامل انسانوں کو ڈھونڈ بھی نہیں سکتے۔ میری دعا ہے زندگی آپ کے حق میں بہتر رہے۔"

"صالحہ کو رنگوں کی زبان میں بات کرنے کی عادت تھی، اس کا مشاہدہ میرے بارے میں شاید بالکل صحیح تھا، چاہے وہ باقی انسان تھے یا پھر صالحہ ہما کی ذات، میں سیاہ دیکھتا تھا یا سفید، سرمئی رنگ تو کہیں تھا ہی نہیں میری کتاب میں اور اس کی وجہ شاید میری خودساختہ انا تھی۔"

بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ اس نے سب لڑکوں کو مختلف رنگوں کے ہیڈ اسکارف دیے تھے، اپنے مشاہدے، نئی محبت کی نوید اور نیک تمناؤں کے ساتھ۔

دو ہفتوں بعد این سی اے کے اس مقابلے کا نتیجہ آیا اور صالحہ ہما نے پندرہ ملکوں کے مایہ ناز مصوروں میں اول پوزیشن حاصل کرلی تھی۔ اس کامیابی کی خوشی میں آرٹ کلب نے شاندار ڈنر کا اہتمام کیا تھا۔ آج میں کسی خیال کے تحت وہ سرمئی رنگ کا اسکارف بھی ساتھ لایا تھا، میرا ذہن ان دنوں کچھ تخریب کار سا ہوگیا تھا یا شاید مجھے ہمیشہ سے بہترین کی تلاش رہی تھی۔ صالحہ یونیورسٹی کی بہترین اور کامل شخصیت تھی، میں اس سے بات کرنا چاہتا تھا اور شاید اس کو حاصل بھی۔

اس شام مجھے صالحہ ہما بہت متذبذب نظر آئی۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں وہ اندر ہی اندر تکلیف میں تھی، مجھے اس کی ازلی خوداعتمادی کی جگہ الجھن اور ذہنی تھکاوٹ محسوس ہوئی۔ اس کی پینٹنگ کی ایک کاپی اسٹیج کے وسط میں چسپاں تھی۔

میں نے پہلی دفعہ اس کی کسی پینٹنگ کو غور سے دیکھا تھا۔ وہ گلاب کے ایک پودے کی سرمئی، بےرنگ تصویر تھی جس کی آخری ٹہنی پر سیاہ بلبل ترچھا بیٹھا تھا، گلاب کے پودے کا ایک موٹا کانٹا بلبل کے دل میں پیوست تھا اور خون کی سرخ دھار، رگ کی شکل میں ٹہنی سے ہوتے ہوئے ایک بےرنگ گلاب کی طرف جارہی تھی۔ گلاب آدھا سیاہ اور آدھا لال تھا، یوں محسوس ہورہا تھا جیسے بلبل کے دل کے خون کی وجہ سے گلاب کی سرخی کا وجود ہے۔ پینٹنگ کے نیچے اس کا عنوان لکھا تھا۔

DEDICATION EXPLOITED (پامال شدہ خلوص)، یہ ایک انگریزی لوک داستان کی عکاس تھی۔ میں اس

کہانی کو بہت پہلے پڑھ چکا تھا۔ انعام لینے کے بعد صالحہ ہما نے شستہ انگریزی میں صرف تین فقرے کہے تھے۔

"آسکر وائلڈ نے اس لوک کہانی میں بلبل کے ایثار کو تحریر کیا ہے اور ساری دنیا کہانی کے آخر میں بلبل کی قربانی پر غمزدہ ہوتی ہے، میرے نزدیک موت سے زیادہ تکلیف دہ خلوص کا استحصال ہے، مجھے یہ اطمینان ہے کہ بلبل اپنے خون کا عطیہ دے کر اس رات ہی مر گیا تھا اگر وہ اپنے آپ کو قربان کردینے کے بعد اس گلاب کو ردی کی ٹوکری میں دیکھتا تو شاید اسے موت آسان لگتی۔ سمجھوتہ کرنا آسان ہوتا ہے، اپنی قربانی کو رائیگاں جاتے دیکھنا نہیں، شکریہ۔" میں نے اس کو مبارک باد دینے کے لیے سب کے جانے کا انتظار کیا، جب وہ آخری کرسی پر تنہا رہ گئی تو میں اس کے پاس گیا۔

"کیسے بنا لیتی ہیں ایسے شاہکار؟" میں نے گرم جوشی سے تبصرہ کیا اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ پہلی دفعہ صالحہ نے صرف مسکرا کر جواب دینے پر اکتفا نہیں کیا، وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولی۔

"کوئی بھی شاہکار بذات خود بے مثال نہیں ہوتا، اس میں چھپا درد مقبولیت حاصل کرتا ہے چاہے وہ تصویر ہو یا کوئی لکھی گئی کہانی۔ درد کا اپنا کوئی وجود نہیں ہوتا، اس کی تاثیر ہوتی ہے، جو دیکھنے والوں کو صرف محسوس ہوتی ہے۔ کسی کا درد کسی کے ڈرائنگ روم کی زینت بن جاتا ہے۔ فن کار تو تکلیف کو رنگوں یا لفظوں کا جامہ پہناتے پہناتے ختم ہوجاتا ہے۔" میں نے ایک نظر صالحہ کو دیکھا اور استعجاب سے پوچھا۔

"مس صالحہ ہما آپ بھی کسی درد کا شکار ہوسکتی ہیں؟"

"کیوں درد اور تکلیف پر صرف آپ لوگوں کا حق ہے کیا؟ مجھ میں ایسی کون سی خاص بات ہے؟" اس نے ایک دم شگفتگی سے بات کا رخ بدلنے کی کوشش کی۔ چند لمحے پہلے کی ساری تھکاوٹ ہوا ہوگئی تھی۔ اس دن مجھے معلوم ہوا صالحہ ہما کو اپنے وجود اور شخصیت پر پردہ ڈالنے کا ہنر خوب آتا ہے۔ وہ بہت رسانیت سے اپنے بکھرتے وجود اور ڈگمگاتے لہجے پر قابو پالیتی تھی۔

"نہیں...... میرا وہ مطلب نہیں تھا، مس صالحہ ایک بات بتائیں آپ کو کبھی محبت ہوئی ہے؟" میں نے سوکھتے حلق سے اس سے سوال پوچھا۔ اگر مجھے رنگوں کی زبان آتی تو میں اس کے چہرے کے بدلتے رنگ پڑھ پاتا جسے اس نے ایک دم چھپالیا تھا۔

"یہ سوال وہ لوگ پوچھتے ہیں فیضان صاحب جن کو نئی نئی محبت ہوئی ہو...... خیریت تو ہے ناں؟" اس نے سوال کے جواب میں سوال پوچھا، وہ ہمیشہ ایسے ہی کرتی تھی۔

"آپ نے محبت کے بارے میں اتنے یقین سے لکھا تھا کہ یہ سیاہ اور سفید کے درمیان کے سرمئی رنگ کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ اگر میں کہوں کہ مجھے کسی میں دلچسپی ہے اور میں اسے محبت سمجھتا ہوں تو آپ کیا کہیں گی؟" میں نے وضاحت کی۔

قریب کسی نے اسٹیج پر آرکسٹرا کی ہلکی سی دھن چھیڑی، مجھے وہ سیاہ رات کا مسحور کن ماحول بہت خوب صورت لگی اور صالحہ ہما بھی۔

"تو میں آپ کو مشورہ دوں گی کہ آپ پہلے بیٹھ کر یہ طے کرلیں کہ آپ کو اس سے محبت ہے یا صرف اسے جاننے کا تجسس ہے، اگر جواب مل گیا تو محبت ہوگی اگر نہیں ملا تو آپ اپنا وقت صرف تجسس میں ضائع کررہے ہیں۔" اس نے بہت خوش اسلوبی سے مجھے ٹھنڈے کوڑے مارے، کم از کم مجھے ایسا ہی محسوس ہوا تھا۔

"کیا فرق پڑتا ہے، ایک ہی بات ہے، اب اس دور میں مجنوں جیسی محبت تو ہونے سے رہی، کیا یہ کافی نہیں کہ مجھے جو پسند ہے وہ خوب صورت اور پراعتماد ہے پھر یہ کہ میں بہت سے معاملات میں اسے خود سے بہتر سمجھتا ہوں۔" میں نے واضح اختلاف کیا۔

"دور بدل گیا ہے فیضان صاحب مگر انسان وہی ہے، اس کے اعضاء دل اور دماغ کے جذبات وہی ہیں، ہم ترقی کو انسانی جذبات پر اپلائی نہیں کرسکتے۔ آپ محبت کو حسن اور خوبیوں سے متاثر ہونا سمجھتے ہیں، میں اسے محبت کیسے

کہہ دوں؟" میں اس سے متفق نہیں تھا۔ میں وہ سرمئی ہیڈ کور صالحہ ہما کو دینے کے لیے لایا تھا۔ صالحہ ہما نے لکھا تھا، اسے اپنی محبت کو دینا۔ میں چاہتا تھا میں اسے اپنی محبت کا یقین دلاؤں۔ شاید میرے نزدیک تب محبت اسی کو کہتے تھے۔

وہ بہترین مصورہ تھی، قابل، خوب صورت اور پراعتماد تھی، سب سے بڑی بات وہ ہر دل عزیز تھی۔ مجھے ہمیشہ سے نایاب چیزیں استعمال کرنے کی عادت تھی۔ میں لائف پارٹنر بھی ایسا ہی چاہتا تھا جو زمانے کے قدم سے قدم ملا کر چل سکے۔ صالحہ ہما میرے لیے بہترین انتخاب ہوتا لیکن اس کے نظریے نے مجھے واضح کشمکش میں ڈال دیا تھا۔

"آپ کو کبھی محبت ہوئی ہے مس صالحہ؟" میں نے اپنا سوال دوبارہ پوچھا۔ پہلی دفعہ سیاہ ماربل سی آنکھیں کانپی تھیں۔

"اگر میں کہوں ہاں تو؟" مجھے لگا کسی نے میرا مذاق اڑایا ہو۔

"تو میں جاننا چاہوں گا وہ کون ہے؟" میں نے ایسے پوچھا جیسے ہم بہت بے تکلف رہے ہوں۔

"میں نہیں جانتی کہ کون ہے۔" اس نے سادگی سے کہا۔

"کیا مطلب؟" میں حیران ہوا۔

"فیضان صاحب، کیا کبھی ایسا ہو سکتا کہ کسی شخص کو نہ کبھی دیکھا ہو اور نہ ہی کبھی ملاقات کی ہو مگر اس کے قلم سے آپ کے وجود کے لیے لکھے گئے الفاظ پڑھ کر آپ کو اس کی ذات سے محبت ہو جائے یا کسی مصور کی بنائی گئی تصاویر کی وجہ سے وہ مصور دل کے قریب ہو جائے؟ کیا یہ لازم ہے کہ کسی سے محبت کے لیے اس کا جسمانی حسن اور عادات جانچے جائیں؟ محبت تو روح سے روح کا تعلق ہوتا ہے، کیا یہ ممکن نہیں کہ اس سے جسم اور اس خوب صورتی کے کانسیپٹ کو نکال دیا جائے؟" وہ پہیلیوں میں باتیں کرتی تھی اور میں پہیلیاں بوجھنے میں بہت نالائق تھا۔ وہ

خود ایک مشکل پہیلی تھی، میں پھر بھی خود کو اس کے لائق سمجھتا تھا۔ کتنا احمق تھا میں۔

میں بھول گیا تھا کہ میں ایک حساس مصورہ سے بات کررہا ہوں۔ میں اس کی بات سمجھا یا نہیں لیکن اتنا جان گیا تھا کہ اگر میں اپنی اس نام نہاد محبت کا اظہار کر بھی دوں تو بھی شاید یہ محبت نہیں، محبت کے نام پر استحصال کرنے کی کوشش ہوگی۔ اس کی باتوں کے بعد مجھے خود اپنے جذبات مشکوک لگنے لگے تھے۔ مجھ پہ اتنا واضح ضرور ہوا کہ شاید میں صرف اس کی پراسرار شخصیت کے بارے میں تجسس کا شکار ہوں اور یہ محبت ہرگز نہیں ہے۔

ہاسٹل واپس آ کر عمار حسن نے میرے سر پر ایک اور بم پھوڑا دیا تھا۔ اس کے خفیہ ذرائع نے اسے خبر دی تھی کہ صالحہ ہما کی منگنی، شہر کے مشہور بزنس ٹائیکون رضا آفندی کے اکلوتے بیٹے شاہ زیب آفندی سے طے ہوگئی ہے اور دو مہینے بعد اس کی شادی ہے۔ مجھے لمحوں میں بات سمجھ آئی۔ صالحہ ہما ڈسٹرب تھی اور اس کی وجہ یقیناً یہ نیا رشتہ تھا۔ وہ جس محبت کی بات کررہی تھی، شاید اس محبت سے دستبردار ہونے کا وقت اب آچکا تھا۔ میں نے ایک گہری سانس بھر کر خود کو کمپوز کیا۔

مجھے حیرت تھی کیا صالحہ ہما جیسی مضبوط کردار اور شخصیت والی عورت بھی کسی سے اتنی محبت کرسکتی ہے کہ بھری محفل میں بیٹھے بیٹھے کھو جائے؟ پہلی دفعہ وہ مجھے کسی دوسری مخلوق کے بجائے انسان لگی تھی۔ شاید محبت صرف انسان ہی کرتے ہیں اس لیے یا شاید صالحہ ہما کو انسان ثابت کرنے کے لیے محبت کا ہونا ضروری تھا۔

یونیورسٹی کی سب لڑکیاں صالحہ ہما کو خوش قسمت سمجھتی تھیں۔ اکثر صالحہ کے امیر اور وجیہہ منگیتر پر تبصرے کرتی ٹھنڈی آہیں بھرتی پائی جاتیں۔ کسی کے نزدیک صالحہ ہما گولڈ ڈگر تھی اور کوئی دبے الفاظ میں اس کے اس نئے رشتے کو لمبے عرصے کی محبت کا نتیجہ کہتا تھا۔ حقیقت شاید صرف میں جانتا تھا۔ میں حیران تھا اگر اسے کسی اور سے محبت ہے تو وہ خاموش رہ کر خود کو ان چاہے رشتے میں ضائع کیوں کررہی ہے؟

میری آخری ملاقات صالحہ ہما سے فیرویل کی تقریب پر ہوئی۔ میں کشمکش و پیچ میں مبتلا تھا اس لیے فنکشن ختم ہوتے ہی صالحہ ہما کے پاس پہنچ گیا۔

"آپ خوش ہیں مس صالحہ؟" میں نے بغیر کسی تمہید کے پوچھا۔ وہ کسی جوہیر سے محو گفتگو تھی، میری طرف مڑی اور الجھن زدہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔

"آپ نے کہا تھا محبت روح سے روح کا تعلق ہے، کیا آپ اپنے حصے کی محبت میں اتنی کمزور ہیں کہ کسی ان چاہے رشتے میں باندھ کر اس تعلق کو توڑ دیں گی۔ کیا آپ خوش ہیں اس سب سے مس صالحہ؟" میں نے کوفت سے اپنے سوال کی وضاحت دی۔ صالحہ نے جوہیر کو اختتامی کلمات کہے اور میری طرف متوجہ ہوئی۔

"کیا فرق پڑتا ہے فیضان صاحب اب اس سب سے؟" اس نے آنکھیں میچ کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔ اس کے لہجے میں زمانے بھر کی اداسیاں تھیں۔

"یعنی آپ خوش نہیں ہیں؟" میں نے اس سے اعتراف مانگا۔

"فیضان صاحب، اگر خوش رہنا ہنسنے مسکرانے کو کہتے ہیں تو جی میں بہت خوش ہوں اور اگر خوشی اطمینان کو کہتے ہیں تو شاید آپ کے سوال کا جواب میرے پاس نہیں ہے۔" برقی قمقموں کی ست رنگی روشنیاں اس کی تھکن زدہ چہرے پر پڑ رہی تھی۔ سیاہ آنکھوں کی چمک آج پژمردہ تھیں۔ اگرچہ میں اس کی شان میں قصیدے پڑھنے والوں سے خاصا چڑتا تھا پھر بھی میں نے کبھی صالحہ ہما کو ایسے دیکھنے کی خواہش نہیں کی تھی۔

"زندگی میں ہر دفعہ سمجھوتہ واحد حل نہیں ہوتا محترمہ...... ہر پیچیدگی کے حل کے لیے دوسرا راستہ ضرور ہوتا ہے۔" میں نے اسے سمجھانا چاہا۔

"عرصہ ہوا میں نے راستے ڈھونڈنا ترک کردیا، اب جو راستہ نظر آتا ہے وہ صحیح لگتا ہے۔" اس نے بات کو مختصر کرنے کی کوشش کی۔

آج آخری ملاقات تھی، میں آج خاموش رہنے کا رسک نہیں لے سکتا تھا۔ وہ خاموش اور پراسرار کتاب تھی اور ابھی مجھے اس سے صرف ہمدردی ہورہی تھی۔ مجھ پر نہ جانے کیا خبط سوار تھا۔ مجھے وہ ایسے پسند تھی گویا محبت ہو، میں اس کو خود سے برتر بھی سمجھتا تھا لیکن میں اس کو سب کے سامنے ماننا نہیں تھا۔ یہ حسد نہیں تھا، فطرت تھی۔ شاید ہر مرد کی خواہش ہوتی ہے کہ ناقابل تسخیر عورت اس کی تحویل میں ہو میری بھی تھی۔

''کمال ہے..... آپ کی محبت اتنی ارزاں ہے؟ آپ کو شاید انسانوں کی اور ان کے جذبات کی قدر نہیں ہے۔'' میں تلخ ہوا، میرے نزدیک یہ حقیقت پسندی تھی۔ وہ تھکن زدہ سی مسکرائی۔

''فیضان صاحب، میری محبت ایسے انسان سے ہے جسے میں ایک فرضی نام کے علاوہ جانتی بھی نہیں ہوں۔ وہ اسی ملک کے کسی چھوٹے شہر میں راہ گیروں کے خاکے بناتے ہیں اور فارغ اوقات میں رسالوں میں لکھتے ہیں۔ مجھے اگر کسی لکھاری کے الفاظ اور تخیل سے محبت ہو جاتی ہے تو کیا یہ کوئی ایسی ناممکنہ بات ہے جو آج کے دور میں ناقابل یقین ہو؟'' اس نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''آپ کو ایک اسٹریٹ وینڈر سے کیسے محبت ہو سکتی ہے مس صالحہ؟'' مجھے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔

میرا تعلق جس کلاس سے تھا وہاں ایسے کسی بھی انسان کو اسٹریٹ وینڈر (پھیری والا) ہی کہا جاتا تھا جو سڑک پر کوئی کام کرتا ہو، اس بات سے ماورا کہ وہ کتنی قابلیتوں کا پیکر ہے۔

''مسٹر فیضان، جو جمع تفریق کر کے کی جائے آپ کے نزدیک وہ محبت ہوگی، میرے نزدیک نہیں۔'' ایک دم وہ بہت سرد مہری سے بولی۔ مجھے اس کے لہجے کی خنکی اپنی ریڑھ کی ہڈی میں اترتی محسوس ہوئی۔

''وہ اسٹریٹ وینڈر نہیں ہیں، میں نے آپ سے کہا تھا فن کار تکلیف کو رنگوں یا لفظوں کا جامہ پہنا پہنا کر ختم ہو جاتا ہے۔ میری ان سے ملاقات ایک اخبار کے قلمی دوستوں والے صفحے پر ہوئی تھی۔ کسی کے الفاظ سے اگر میری زندگی میں روشنی آتی ہے، کسی کے خوب صورت تخیل سے اگر میرے بے جان کینوس پر زندگی جنم لینے لگے، کسی کی ذات میری محسن ہو اور مجھے اس سے محبت ہو جائے، کیا یہ خام خیالی ہے؟ ہمارے معاشرے کی محبت کا دوغلا پن ہے کہ حسن اور خوبیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے محبوب کا انتخاب ہوتا ہے۔ آپ نہیں جانتے ہیں مسٹر فیضان، ایسی کتنی احساس پر مبنی محبتیں لیے انسان بڑھاپے تک پہنچ جاتا ہے۔ ہمارے آس پاس کتنے ہی لوگ اس طرح کی محبتوں کو تعویذ بنا کر سینے میں دفن رکھتے ہیں جس سے لمحہ بہ لمحہ چنگاریاں بلند ہوتی رہتی ہیں اور ساری زندگی روح کو جھلساتی رہتی ہیں۔''

''اور وہ صاحب خود کو مرد کہتے ہیں آپ کے سامنے محبت کا دعویٰ کر کے؟'' میں نے طنزیہ کہا تو وہ ڈھیرے سے مسکرائی۔

''فیضان صاحب کیا محبوب کو یہ بتانا لازم ہے کہ آپ کو اس سے محبت ہے؟''

''آپ کو جس سے محبت ہے اسے یہ معلوم ہی نہیں ہے مس صالحہ؟'' آج صالحہ کی ہر بات مجھے حیران کر رہی تھی۔

''کیا انہیں یہ معلوم ہونا ضروری ہے؟ ان کے بہت مداح ہوں گے، کسی ایک قلمی دوست کو یاد رکھنا شاید ان کے لیے آسان نہ ہو۔ میں نہیں چاہتی اگر میری محبت لاحاصل ہے تو میرا محبوب کبھی اس وجہ سے پشیمان یا گلٹی ہو، محبت نہ کرنے کا اختیار میرے پاس نہیں تھا، محبت میں خاموش رہنے کا اختیار میرے پاس ہے۔ میں کسی کو زبردستی سے محبت کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔'' یہ وہ آخری بات تھی جو میری سماعتوں نے صالحہ ہما کے منہ سے سنی تھی۔

مجھے صالحہ کی ذات، بہت مقدس اور بلند محسوس ہوئی اور اپنی محبت اسی قدر حقیر اور خود غرض۔ میں اس روز لاجواب ہو کر وہاں سے اٹھ آیا تھا۔ ہمیشہ ہی ایسا ہوتا تھا۔

صالحہ ہما کا وجود چھوئے کی طرح تھا، باہر سے مضبوط

خول جیسا کہ جس سے پتھر بھی ٹکرا کر دور جا گرے اور اندر سے ایسا نرم کہ ذرا سی سختی سے سوکھ کر مرجھا جائے۔ وہ جتنی مضبوط دکھتی تھی شاید وہ اندر سے اتنی ہی اندیشوں میں گھری ہوئی تھی۔ بعض دفعہ ہم انسانوں کے باہر کے سخت خول کی وجہ سے غلط رائے قائم کر لیتے ہیں۔ ساری دنیا اسے جتنی خود اعتماد جانتی تھی شاید وہ اتنی جاندار نہیں تھی۔ محبت میں خاموش رہنے سے اس کی روح میں گہرے ناقابل مرمت سوراخ ہو رہے تھے۔

ہمارے ایگزام ختم ہوئے اور پھر صالحہ ہما کی شادی۔ مجھے بھی دعوت نامہ موصول ہوا لیکن میں شامل ہونے کی ہمت نہ کر پایا۔ میں اتنا بہادر نہیں تھا کہ کسی کی محبت پر فاتحہ پڑھنے شامل ہو جاتا۔ بعد میں اتنا ضرور سنا تھا کہ اس کی جوڑی بہترین جوڑیوں میں سے تھی اور یہ تو میں ہی جانتا تھا، وہ رنگوں کی زبان میں بات کرنے والی کسی دو جمع دو چار کرنے والے کے ساتھ آخر کیسے جوڑی بنا سکتی ہے؟

صالحہ ہما کی شادی کو سال ہونے والا تھا۔ میں ان دنوں لندن میں ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کر رہا تھا۔ میرے والدین کو میری شادی کی بہت فکر تھی۔ میرا لاشعور شاید کسی صالحہ ہما جیسی عورت کا انتظار کر رہا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا صالحہ ہما جیسی عورتیں ہما پرندے جیسی ہوتی ہیں اور ہما کا پرندہ صرف بادشاہوں کے سروں پر سایہ فگن ہوتا ہے۔ کسی کم ظرف پر ان کا سایہ پڑے تو ہما خود فنا ہو جاتی ہے۔

ایک صبح مجھے یونیورسٹی کی اسٹوڈنٹ کونسل سے کسی جونیئر نے کال کی اور بتایا کہ صالحہ ہما دل کے عارضے کی وجہ سے چل بسی ہے۔ میں نے بے ساختہ رک کر آفس کاریڈور کی دیوار کا سہارا لیا۔ اس لمحے میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ تجسس نہیں تھا، وہ محبت تھی۔ وہی ایک لمحہ مجھے لڑکپن سے میچورٹی تک کی سرحد عبور کرا گیا تھا۔ صالحہ ہما بھی لارا انگیلو سیریز کی طرح ادھوری کہانی چھوڑ کر چلی گئی تھی۔

مجھے کبھی کبھی محسوس ہوتا کہ مجھے صالحہ ہما سے سچی محبت اس کے گزر جانے کے بعد ہوئی۔ کیا ایسا بھی ممکن ہے؟

سب حیران تھے بائیس سال کی کم عمری میں صالحہ ہما کیسے دنیا چھوڑ کر جا سکتی ہے؟ یہ جو کم عمری میں بغیر کسی وجہ کے جو اموات ہوتی ہیں، مجھے لگتا ہے یہ اس سب کی وجہ وہ زہر ہے جسے خاموش محبت کہتے ہیں۔

جو لڑکیاں صالحہ کو کبھی رشک سے دیکھتی تھیں، انہوں نے یہ کہہ کر خود کو مطمئن کیا کہ صالحہ ہما کو بری نظر لگ گئی تھی۔ جو ذرا دقیانوسی خیالات رکھتے تھے، ان کے نزدیک کسی نے کالا جادو کروا دیا تھا۔ میں ان کی سرگوشیاں سن کر صرف اتنا سوچتا کہیں اس ادھوری محبت کا جادو واقعی تو اثر نہیں کر گیا؟

صالحہ ہما کے مرنے کے بعد میں صرف ایک دفعہ یونیورسٹی کیمپس گیا۔ اس کی پہلی برسی پر جب کچھ جونیئرز نے اپنی محبوب صالحہ باجی کے لیے فاتحہ خوانی رکھی تھی۔ ایڈمن آفس سے گزرتے ہوئے میری نظر ڈیڈیکیشن ایکسپولیٹڈ والی اس تصویر پر پڑی جسے یونیورسٹی والوں نے تمغے کے ساتھ استقبالیہ کاؤنٹر پر سجا دی تھی۔ بے ساختہ میرے سینے کے دائیں طرف درد کی ایک ٹیس سی اٹھی گویا وہ کانٹا بلبل کے نہیں، میرے دل میں پیوست ہو۔ یقیناً اس سے زیادہ تکلیف صالحہ کو یہ تصویر بناتے ہوئے محسوس ہوگی۔ میرے کانوں میں صالحہ کی آواز گونجی تھی۔

"درد کا اپنا کوئی وجود نہیں ہوتا، اس کی تاثیر ہوتی ہے، جو دیکھنے والوں کو صرف محسوس ہوتی ہے۔ کسی کا درد اور تکلیف کسی کے ڈرائنگ روم کی زینت بن جاتی ہے۔"

اس کے بعد مجھے دوبارہ یونیورسٹی جانے کی ہمت نہیں ہو پائی تھی۔

مجھے آج پھر صالحہ ہما شدت سے یاد آئی۔ اس کی وجہ میرا بیس سالہ پوتا ہے جو ابھی میرے کمرے سے ہو کر گیا تھا۔ کچھ دیر پہلے وہ اپنی دادی سے اس بات پر بحث کر رہا تھا کہ اسے اپنی ایک جونیئر پسند ہے لیکن وہ اس سے محبت نہیں کرتا۔ اپنے انگریزی لب و لہجہ میں اس نے مجھے مخاطب کیا تھا۔

"گرینڈ پا...... مجھے اس سے محبت نہیں ہے، میں مانتا

ہوں وہ قیمتی ہیرا ہے لیکن آپ جانتے ہیں میں ہیروں سے متاثر نہیں ہوتا۔ پلیز گرینی کو سمجھائیں، اسے محبت نہ کہے۔"

میری بیوی (اس کی دادی) نے ہنس کر مجھے دیکھا اور میرے جواب کا انتظار کیے بغیر کہا۔

"یہ کیا بتائیں گے تمہیں، تمہارے دادا کو محبت کرنی نہیں آتی، عورت جانتی ہے محبت نہ ملنے کا روگ کیا ہوتا ہے۔" شاید میری بیوی کو مجھ سے سالوں بعد بھی یہ شکایت ہے کہ مجھے محبت کرنا نہیں آتی۔ میں اپنے پوتے کو سمجھانا چاہتا ہوں کہ وہ جس محبت سے انکاری ہے، بہت جلد یہ انکار اس کا پچھتاوا بننے والا ہے۔ جیسے مجھ پر اپنے لاغر وجود کے ساتھ اپنی محبت کا حقیقی ادراک صالحہ ہما کی موت کے بعد ہوا تھا لیکن میں جانتا ہوں، وہ کبھی بھی میری بات نہیں سمجھے گا، میں بھی کبھی نہیں سمجھتا تھا۔

میں نہیں چاہتا میرا پوتا سالوں بعد اپنے پوتوں اور نواسوں کو دیکھتے ہوئے اپنی اس پہلی محبت کو کھو دینے پر پچھتائے۔ سردیوں میں جلتی آگ کے سامنے بیٹھ کر اس شام کو سوچے جب اس نے محبت کا مذاق اڑایا تھا۔ برسات کی کسی ٹھنڈی شام چائے کے کپ سے اٹھتے دھوئیں کی سفید دھار اسے اس چائے کی یاد دلائے جو کسی نے اس کے ساتھ صرف مروت میں پی تھی۔

میں بہت کوشش کے باوجود وہ سرمئی رنگ کا وہ ہیڈ اسکارف اپنی بیوی کو نہیں دے سکا کیونکہ صالحہ نے کہا تھا اسے اپنی محبت کو دینا۔ شاید مجھے صالحہ ہما کا انتظار ہے، جس کو اس کے مر جانے کے بعد میں اپنی محبت سمجھتا ہوں۔ اس کے تمام ہم جماعت اور مداح اسے صرف ماضی کا حصہ سمجھتے ہوئے کسی گیٹ ٹوگیدر میں یاد کرتے ہیں کہ ایک صالحہ ہما تھی۔ سب اسے بھول کر اپنی زندگیوں میں مگن ہیں، سوائے میرے۔ مجھے صالحہ کی یہ بات اب بھی یاد ہے، اس نے ایک دفعہ کہا تھا۔

"مداح...... مداح...... اور حاسد...... حاسد صرف تب تک رہتا ہے جب تک ہنر موجود ہے۔ جیسے ہی ہنر کی اشاعت ختم ساری مانوسیت ختم، سب صرف اجنبی رہ جاتے ہیں۔" اس کے جانے کے بعد بھی سب ختم ہوگیا تھا۔ وہ صحیح کہتی تھی۔

صالحہ اتنی بہادر نہیں تھی کہ اپنے بڑھاپے تک اس روگ کو سینے سے لگا سکتی، اپنی پوتے پوتیوں کو اسی سب سے گزرتا دیکھ سکتی، جو کبھی اس کی زندگی کا حصہ رہے تھے۔ موت ایک دفعہ آسان ہوتی ہے، بار بار مرنے کی تکلیف سے اللہ دشمن کو بھی محفوظ رکھے۔ اب بھی سوچوں تو خیال آتا ہے، صالحہ خوش قسمت تھی جوانی میں اس تکلیف سے آزاد ہوگئی۔ ہر کوئی اتنا خوش قسمت نہیں ہوتا، کچھ میری طرح بدنصیب بھی ہوتے ہیں جو روگی بن جاتے ہیں۔

آج سالوں بعد بھی میں جانتا ہوں وہ تصویر یونیورسٹی کی اسی دیوار پر چسپاں ہوگی، ہر صبح پیون اسے جھاڑتے ہوئے بلبل کو ترحم کی نظر سے دیکھتا ہوگا جس کے خون سے گلاب کی رعنائی برقرار ہے۔ کسی کو یہ علم نہیں کہ اس تصویر کے مصور کو بلبل کے اس رات مر جانے پر کتنا اطمینان تھا کیونکہ مصور کے نزدیک اگر بلبل اپنی قربانی دینے کے بعد اس گلاب کو ردی کی ٹوکری میں دیکھتا تو شاید اسے موت آسان لگتی، صرف اس لیے کہ سمجھوتہ کرنا آسان ہوتا ہے، اپنی قربانی کو رائیگاں جاتے دیکھنا نہیں۔ صالحہ ہما مجھے وہی بلبل لگتی ہے، جس نے محبت اور سمجھوتے کو اپنا نصب العین بنایا لیکن آہ محبت، تم ہر ایک کے لیے حسین گلاب نہیں ہو۔ ہر قربانی کے آخر میں لال گلاب وجود میں نہیں آتے، کچھ کے اختتام پر سمجھوتہ کرتے کرتے صرف بلبل مر جایا کرتے ہیں۔ مہر عندلیب (بلبل کی محبت) ہر کسی کے مقدر میں ہوتی بھی نہیں ہے۔



قسط نمبر سات

دل کانچ کا گھر

ام ایمان قاضی

ہر اک سوال کا اس کو جواب کیا دیتا
اپنی ذات کا اس کو حساب کیا دیتا
جو ایک لفظ کی خوشبو نہ کرسکا محفوظ
میں اس کے ہاتھ میں پوری کتاب کیا دیتا

''اور سنائیں صفا...... کیسی رہی آپ کی اپنے والد سے ملاقات؟''

''جی عمر سر، تشریف رکھیے میں خود بھی آپ سے ڈسکس کرنا چاہتی تھی کچھ باتیں، شکر ہے۔'' وہ احساس تشکر میں گھر کر بولی۔

''میں بات شروع نہ کرتا تو شاید آپ بات نہ کرتیں، پتا ہے صفا کبھی کبھی آپ کا یہ غیریت برتنا مجھے بہت دکھ دیتا ہے۔'' وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا اور تاسف سے بولا۔

''نہیں...... نہیں عمر سر، بخدا ایسا ہرگز نہیں ہے۔ بس میں سوچتی ہوں کہ ہر انسان کی زندگی سے متعلق مسائل اس کے اپنے ہوتے ہیں۔ دوسرا ان کو اس زاویہ نظر سے نہیں دیکھتا جسے وہ انسان خود دیکھتا ہے جس سے وہ مسائل جڑے ہوتے ہیں۔ ایسے میں اپنی پریشانی میں دوسرے کو پریشان کرنا اچھی بات تو نہیں ہے ناں۔''

''افسوس صفا...... میں کل بھی آپ کے لیے دوسرا تھا آج بھی دوسرا ہوں۔'' اس نے صفا کی بات پکڑلی۔

''کیا ہو گیا ہے عمر سر...... آپ کی اہمیت ہے میری نظر میں تب ہی تو زندگی کا وہ گوشہ بھی آپ کے سامنے عیاں کر کے رکھ دیا جسے ہم خود سے بھی چھپا کر رکھتے ہیں اور انسان اپنے پرسنل دوسروں سے شیئر نہیں کرتا اور جس سے کرتا ہے وہ پھر دوسرا کہاں رہتا ہے۔'' اس کی اتنی گہری بات پر عمر نے گہری نظروں سے صفا کو دیکھا جس پر وہ بے ساختہ نظریں چرا گئی تھی۔

''عثمان......'' عمر نے مسکراتے ہوئے جیب سے سیل نکالا اور منیجر سے بات کی۔

''میرے سسٹم میں ایرر آ رہا ہے وہ ذرا چیک کرلیں اور جو انفارمیشن ابھی کچھ دیر پہلے آپ کو بھیجی ہیں میم صفا والے سسٹم پر بھیج دیں۔ میں یہیں پر فائنل کر کے آپ کو بھیجتا ہوں۔''

''جی تو صفا۔'' سیل ٹیبل پر رکھ کر وہ صفا کی طرف متوجہ ہوا۔

''سسٹم آن رکھیں اور اگر برا نہ مانیں تو میری سیٹ پر آ جائیں اور مجھے وہاں آنے دیں۔ اس کے بعد بغیر رکے بولتی

جائیں کہ کیا ڈسکس کرنا چاہ رہی تھیں آپ۔" عمر نے ہلکے پھلکے انداز میں بات سمیٹی۔

"جی......جی سر آ جائیں۔" صفا نے اپنی سیٹ چھوڑ دی۔ عمر اس کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ صفا اس کے مقابل بیٹھ گئی تھی۔

"جی بولیں۔" وہ ایک نظر مانیٹر پر ڈال کر صفا کی طرف متوجہ ہوا۔

"پتا ہے عمر سر...... ہم گھر والوں میں سے ہر فرد نے سلیم احمد کے مظالم کی ایک لسٹ بنا رکھی ہے اور ان مظالم کی نوعیت کے حساب سے ان پر فرد جرم بھی عائد کی گئی ہے۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔ عمر خاموشی سے اس کی بات سن رہا تھا۔

"ہم میں سے ہر ایک یہی دعا کرتا تھا کہ وہ اب ہمیں کبھی نہ ملیں اور اگر مل گئے تو کیا کچھ ان کو کہنا تھا، کیا سزا سنانی تھی، یہ سب کچھ تو ہماری روزمرہ کی سوچ کا حصہ ہی بن گیا تھا مگر کل ان سے ملنے کے بعد......" اس کی آواز ہلکے سے کپکپائی۔

"میں نے سوچا کہ ایک لٹے پٹے، زندگی ہارتے اور پچھتاوؤں سے لڑتے شخص سے کیا حساب لوں جو خود پل پل احساس جرم کی اذیت بھگت رہا ہے، مجھے لگا کہ جن کا انصاف اللہ خود کر دے اس کی کیا عدالت اور اس پر کیسی فرد جرم عائد کرنی۔"

"بالکل ایسا ہی ہے صفا، جب آپ نے مجھے اپنی ماں پر ہونے والے مظالم کی داستان سنائی تھی تو آپ کے والد سے مجھے بھی نفرت محسوس ہوئی تھی مگر جب میں ان سے ملا مجھے وہ صرف ایک باپ نظر آئے، اپنے بچوں کی جدائی میں تڑپتے باپ۔ اس لیے جب انہوں نے آپ سے ملنے کی التجا کی تو نجانے کیوں میں اسے رد نہ کر سکا۔ بہر حال مجھے، بہت خوشی ہو رہی ہے کہ میں دو بچھڑے ہوؤں کو ملانے میں تھوڑا بہت وسیلہ بنا ہوں۔"

"میں نے ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ لے لی ہے عمر سر اور بہت چاہنے کے باوجود بھی شاید میں ان کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس نہ جا سکوں تو اگر آپ......" وہ کچھ ہچکچا کر بولی، جب عمر نے اسے ٹوکا۔



جال سازی

ہما قریشی

دل میں شکایتیں نہیں، لب پہ فغاں نہیں
جیسے اب اہلِ دل کا کوئی راز داں نہیں
بے اعتنائی سے مجھے صَرفِ نظر نہ کر
منزل نما ہوں، گردِ رہِ کارواں نہیں

آج بادل خوب جم کر برس رہے تھے۔ کھڑکی کے عین سامنے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے ہاتھ میں ایک بوسیدہ اخبار تھامے بیٹھا شخص ایک عجیب ہی تکلیف سے دوچار ماضی میں گم تھا۔

پلکوں پر ٹھہری نمی اس کا واضح ثبوت تھی کہ وہ آج بھی اسی اذیت اور تکلیف سے دوچار ہے جس سے وہ اس وحشت ناک رات میں دوچار ہوا تھا۔ آج بھی موسم کے تیور بگڑے ہوئے تھے۔ بادلوں کی ہولناک گرج چمک دکھ آمیز قلب پر کاری ضربیں لگا رہی تھی۔ ہاتھ میں موجود بوسیدہ اخبار اور اس پر درج سطریں آج بھی اسی طرح تازہ تھیں جس طرح زندگی ایک روگ بن کر رہ گئی تھی۔

......☆☆......

ریسپشنسٹ کی ڈیسک پر کھڑی نازک سی لڑکی کی مخروطی انگلیاں بہت تیزی سے کی بورڈ پر چل رہی تھیں۔ کانوں میں ایئر پوڈ لگائے وہ مسلسل کچھ گنگنانے میں مصروف تھی۔ گداز گلابی ہونٹوں کی حرکت نے اسے چونک کر دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا جو اپنے اردگرد سے بے نیاز سر جھکائے اپنی ہی دھن میں توجہ سے کام میں مصروف تھی۔ کب وہ اٹھ کر اس کی ڈیسک تک آ گیا اسے خبر ہی نہیں ہو سکی تھی۔

الماس دھیمی آواز میں گنگناتی اپنے خیالوں میں مگن تھی جبکہ کسی کی پرشوق نگاہیں کافی دیر سے اس کے حسین چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ اچانک خود پر کسی کی نظروں کی تپش محسوس کرتی وہ چونکی اور سر اٹھا کر مخالف سمت میں ڈیسک پر کہنی رکھ کر کھڑے شخص کو دیکھا۔ اس کی پیشانی پر بل نمودار ہوئے۔ یہ وہاج کی رعب دار پرسنیلٹی کا رعب تھا یا پھر اس کی پرکشش شخصیت، لحظہ بھر کو وہ مجھند سی ہو گئی تھی۔

”ہیلو مسٹر...... کوئی کام تھا آپ کو؟“ اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے پوچھا اور پھر وہ ایکسٹینشن اٹھا کر انٹرویو کی کال پر سامنے کی لائن میں بیٹھی لڑکی کو باس کے آفس میں جانے کا پیغام دیتی وہ اس کے قریب آ گئی۔

وہاج اپنے خیالوں میں اس قدر محو تھا کہ اسے پتا ہی نہیں چلا اور وہ گڑبڑا کر رہ گیا۔

”جی فرمائیے آپ نے مجھ سے کچھ کہا؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کیا دیکھ رہیں مسٹر، کیا کبھی کسی لڑکی کو کام کرتے ہوئے نہیں دیکھا آپ نے؟“ وہ تیز لہجے میں بولی۔

”دیکھی ہے مگر آپ جیسی خوب صورت نہیں۔“ وہاج نے پرشوخ انداز میں کہا۔

”شٹ اپ......“ الماس نے غصے سے کہا۔

”اوکے۔“ وہ تابعداری سے سر ہلا کر بولا۔ وہ اسے گھور کر رہ گئی۔

"کچھ دیر بعد آپ کو انٹرویو کے لیے بلایا جائے گا لہٰذا آپ سامنے والی نشست پر بیٹھ کر اپنی باری کا انتظار کریں۔" وہ ابھی مزید کچھ اور بھی کہنا چاہ رہی رہا تھا کہ اس کی باری آ گئی۔

"او کے......" وہ سر کو خم دے کر اپنی ٹائی کی ناٹ درست کرتا آفس کی جانب بڑھ گیا۔

الماس پچھلے ایک سال سے اس کمپنی میں ریسپشنسٹ کے فرائض سرانجام دے رہی تھی۔ آج دلاور کے گھر والوں نے اس کا رشتہ لے کر آنا تھا۔ اسی لیے صبح سے اس کا موڈ خاصہ خوش گوار تھا۔

......☆......

الماس اور دلاور کی ملاقات ایف بی کے ذریعہ ہوئی تھی اور روزانہ کی بات چیت کب چاہت میں بدل گئی پتا ہی نہیں چلا۔ الماس کا تعلق ایک پسماندہ خاندان سے تھا جبکہ دلاور اپنے رئیس باپ کی اکلوتی اولاد تھا۔ الماس اور دلاور کے تعلقات ایک طویل عرصے سے قائم تھے مگر دلاور ہر بار شادی سے انکار کر دیتا تھا۔ وجہ ان دونوں کے درمیان حائل خاندانی معیار کا فرق تھا مگر الماس اس سے شادی کے لیے باضد تھی۔ بالآخر دلاور کو اس کی ضد کے آگے ہار ماننا ہی پڑی اور آج شام کو وہ اس کا ہاتھ مانگنے اپنی والدہ کے ساتھ اس کے گھر آ رہا تھا۔

اچانک ہی موسم نے انگڑائی لی تھی اور ہلکی بارش نے دیکھتے ہی دیکھتے تیز ہواؤں کے ساتھ آندھی کی شکل اختیار کر لی تھی۔ بارش میں بھی شدت آ گئی تھی۔ وہ چاہنے کے باوجود تاخیر کا شکار ہو گئی تھی۔ وہ کافی دیر سے بس اسٹاپ پر کھڑی بس کا انتظار کر رہی تھی مگر بس کا کہیں نام ونشان تک نہیں تھا اور دور دور تک صرف دھند پھیلی ہوئی تھی۔ وقت تھا کہ پر لگا کر اڑتا ہی چلا جا رہا تھا۔ شام کے سائے گہرے ہونے لگے تھے۔ بارش کی شدت میں کمی آتی دیکھ کر وہ پیدل ہی گھر کی جانب چل دی۔ بارش میں بھیگنے اور سردی کی وجہ سے پورا وجود کانپ رہا تھا۔ جب ہی سامنے سے آتی تیز آنکھوں کو چندھیا دینے والی روشنی اپنے قریب آتی محسوس ہوئی۔ اس سے قبل وہ اس تیز روشنی سے بچنے کے لیے ایک طرف ہوتی ایک ویگن تیزی سے اس کے قریب رک گئی اور دوسرے ہی لمحے کسی نے ایک جھٹکے سے اسے گھسیٹ کر ویگن کے اندر بیٹھا لیا تھا۔ سڑک بارش کے



باعث بالکل ویران تھی۔ اس کی گھٹی گھٹی سی چیخ وہیں دم توڑ گئی تھی۔ چار نقاب پوشوں کو دیکھ اس کے حواس کام کرنا چھوڑ گئے تھے مگر اس کی مسلسل مزاحمت کی وجہ سے ایک نقاب پوش کا چہرہ بے نقاب ہوگیا اور یہی وہ گھڑی تھی جب الماس کے دماغ نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

......☆......

وہاج آج صبح سے مختلف بینکوں اور کمپنیوں میں انٹرویو دیتا اور اپنی سی وی ڈراپ کرتا تھکا ہارا شام کو بارش میں بھیگتا ہوا گھر جارہا تھا۔ تیز بارش کے باعث اس کی خستہ حال بائیک جواب دے گئی تھی۔ پچھلے ایک گھنٹے سے گھٹنوں گھٹنوں پانی میں بائیک کو کھینچتا وہ نڈھال ہوگیا تھا۔ ابھی وہ سامنے کی سڑک سے ہوتا ہوا دوسری سڑک پر آیا ہی تھا کہ اس کی نظریں اچانک سامنے کی جانب اٹھیں جہاں سڑک کنارے لوگوں کا ہجوم تھا۔

''یا اللہ خیر......'' دل میں پہلا خیال ہی بارش کے باعث کسی جانی نقصان کا آیا تھا۔ بائیک کو ایک طرف کھڑا کرکے وہ دوڑ کر ہجوم کو چیرتا نزدیک آیا۔ جہاں سڑک کے کنارے کسی لڑکی کا بے ہوش وجود پڑا تھا۔ وہ جھٹ گھٹنوں کے بل اس کے نزدیک بیٹھ گیا تھا اور اس لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر اس کی نبض چیک کی جہاں زندگی ابھی باقی تھی۔

''اس کی سانسیں چل رہی ہیں، ہمیں اسے اسپتال لے کر جانا چاہیے۔'' وہاج سب تماشائی بنے لوگوں کو دیکھ کر امید سے بولا۔

''یہ پولیس کیس ہے...... پولیس کو اطلاع کردی ہے، پولیس بس آتی ہی ہوگی۔'' سب ہی فوراً پیچھے ہوگئے تھے۔

''اتنی دیر میں تو یہ مرجائے گی۔'' وہاج ان کی بزدلی پر چیخا۔

''تو ہمدردی کے چکر میں، ہم جیل چلے جائیں کیا۔ اللہ جانے کون ہے، کہاں سے آئی ہے، پتا نہیں کس کی عزت ہے، ناجانے کس نے اس لڑکی کو یہاں پھینک دیا ہے۔'' ان میں سے ایک شخص بے رحمی سے بولا۔

وہاج نے سب پر ایک افسوس بھری نگاہ ڈال کر جلدی سے اس کا بے ہوش وجود اٹھا کر اسپتال لے جانا چاہا مگر دور دور تک کوئی ٹرانسپورٹ نظر نہیں آرہی تھی۔

''جب ہی دور سے ایک گاڑی آتی نظر آئی۔ وہاج فوراً گاڑی کے سامنے آگیا۔ گاڑی میں موجود شخص نے فوراً بریک لگائے۔ جس کی وجہ سے گاڑی چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ ایک جھٹکے سے رک گئی تھی۔

''پلیز میری مدد کیجیے، اس لڑکی کو اسپتال لے کر جانا ہے، اس کی جان خطرے میں ہے۔'' ونڈو کی جانب آتا وہ التجائیہ انداز میں بولا۔

''آپ پیچھے بیٹھیں جلدی سے۔'' وہ کوئی اللہ کا نیک بندہ تھا۔ وہاج شکریہ ادا کرتا جلدی سے پیچھے بیٹھ گیا تھا۔

''اسپتال پہنچ کر اس لڑکی کو فوری ایمرجنسی میں لے جایا گیا۔ لڑکی کا چہرہ پوری طرح سے بگڑ گیا تھا۔ جیسے کسی نے چہرہ نوچ ڈالا ہو...... کچھ ہی دیر میں پولیس بھی وہاں آگئی تھی۔ کچھ گھنٹوں کی تفتیش کے بعد اسے گھر جانے کی اجازت مل گئی مگر وہ لڑکی ابھی تک ایمرجنسی میں تھی۔

کئی گھنٹوں کے انتظار کے بعد ڈاکٹر نے اس کے کومہ میں جانے کی ہولناک خبر سنائی تھی۔ لڑکی کے گھر والوں میں کسی کا کوئی پتا نہیں تھا۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق اس لڑکی کا ریپ کیا گیا تھا۔ اس کیس میں حد سے زیادہ مداخلت اس کے لیے پریشانی کا سبب بن سکتی تھی۔ لہٰذا وہ تھکے قدموں سے اپنے گھر واپس لوٹ گیا تھا۔

دو دن بعد پولیس کو اس لڑکی کے خاندان کے بارے میں معلوم ہوگیا تھا مگر وہ دوبارہ اسپتال نہیں گیا تھا۔ اتوار کا اخبار بیڈ پر پھیلائے وہ اپنے لیے نوکری تلاش کررہا تھا کہ جب ہی اچانک اس کی نظر دوسرے صفحے پر جھلملاتی ایک لڑکی کی بڑی سی تصویر پر ٹھہر گئی تھی۔ جہاں اس آفس والی لڑکی کا چہرہ واضح نظر آرہا تھا۔ وہاج کے ہونٹ بے ساختہ مسکراہٹ آئی مگر جیسے ہی نظر دوسری تصویر اور خبر پڑی اسے اپنا سانس بند ہوتا محسوس ہوا۔

اس زوردار بارش میں برباد ہونے والی ہستی اور کوئی نہیں بلکہ الماس بیگ ہی تھی جس سے پہلی ملاقات آفس میں ہوئی تھی۔ خبر کے مطابق جس کا ریپ کرکے سڑک کے بیچ و بیچ پھینک دیا گیا تھا۔ ساتھ ہی دوسری تصویر اسی رات کی تھی۔ جب وہاج اسے اسپتال لے کر گیا تھا آنکھوں کے آگے ایک دم اندھیرا چھا گیا تھا۔

مزید خبر پڑھی تو یہ انکشاف ہوا کہ اس کی ماں اور ایک چھوٹے بھائی نے بہن کے بارے میں جان کر زہر کھا کر خودکشی کرلی تھی۔ وہاج کی نگاہوں میں بے ساختہ ہی الماس کا

اس روز والا ہنستا مسکراتا چہرہ گھوم گیا مگر اب اس کا چہرہ دیکھنے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔ پوری خبر پڑھ کر وہ اپنے اوپر ضبط نہ رکھ سکا اور اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے تھے۔

وہاج اپنی حالت پر قابو پاتا جلدی سے گھر سے باہر نکل گیا، وہ جلد از جلد اسپتال پہنچنا چاہتا تھا۔ آخر ان چند گھنٹوں میں ایسا کیا ہوا تھا جو ایک ہنستی مسکراتی لڑکی زندہ لاش بن گئی تھی۔

آئی سی یو میں داخل ہو کر وہ اس کے بیڈ کے نزدیک آیا، وہ سخت رنج میں مبتلا اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ جب ہی اسے اس کی پلکوں میں جنبش سی محسوس ہوئی تھی۔ وہاج نے ہڑبڑا کر ساتھ کھڑی نرس کو پکارا۔ آج پندرہ دن بعد اس کے مردہ وجود میں کوئی حرکت ہوئی تھی جو شاید آہستہ آہستہ ہوش میں آ رہی تھی۔ نرس فوری باہر کی جانب بھاگ گئی تھی۔

ڈاکٹروں نے اسے باہر نکال دیا تھا۔ وہ پہلے ہی بہت مشکل سے اندر آ سکا تھا۔ کچھ دیر میں پولیس اہلکار بھی اس کا بیان ریکارڈ کرنے کے لیے آئی سی یو میں آ گئے تھے۔

الماس نے پولیس کو بیان دیتے ہوئے جن لوگوں کا بتایا تھا ان میں سے ایک چہرہ دلاور عبید کا بھی تھا جو شہر کی ایک مہذب شخصیت کا بیٹا تھا۔ اس وقت وین میں چار افراد موجود تھے۔ مسلسل مزاحمت کرنے کے باعث الماس کی نظر اس ایک چہرے پر بھی پڑ گئی تھی جس نے اس کے جسم سے جان تک کھینچ لی تھی۔ مسلسل رحم کی بھیک مانگتی وہ دلاور کا چہرہ دیکھتے ہی حواس کھو بیٹھی تھی۔ ان انسانی درندوں نے اپنا کام پورا کرتے ہی اسے بے جان ہوتا دیکھ کر بیچ سڑک میں ہی پھینک کر بھاگ گئے تھے۔

الماس بیگ اپنی زندگی میں انجانے میں کسی غیر پر کیے گئے بھروسے کے باعث اس عبرت ناک انجام کی مستحق ٹھہری تھی اور اب اس میں مزید ذلت برداشت کرنے کی ہمت باقی نہیں رہی تھی، اپنے مجرم کا نام لکھواتی وہ ہمیشہ کے لیے ابدی نیند سو گئی تھی۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ اور وکٹم کے بیان کے تحت دلاور عبید کے ساتھ ساتھ باقی گروہ کے تمام لوگوں کو بھی گرفتار کر لیا گیا تھا۔ میڈیا پر یہ بات جنگل میں آگ کی مانند پھیل گئی تھی۔ دلاور کا باپ جو دبئی میں تھا فوری وطن لوٹا آیا مگر جب تک بہت دیر ہو گئی تھی۔

دلاور نے الماس کی موت اور اپنے خلاف ملنے والے تمام تر ثبوت کے تحت پولیس کو اپنا بیان ریکارڈ کروا کر سارا سچ اگل دیا تھا۔ انجانے میں دلاور سوشل میڈیا کے ایک ایسے گروہ کا حصہ بن گیا تھا جہاں معصوم لڑکیوں کو ورغلا کر گھر سے نکلنے پر مجبور کیا جاتا اور انہیں اپنے کئی برے کاموں میں استعمال کیا جاتا تھا۔

الماس کی تربیت تھی اور کچھ دلاور کے دل میں خوف آ گیا تھا جو وہ اسے ہر بار بہکانے میں ناکام رہا تھا مگر گروہ کے باقی لوگوں کے پریشر میں آ کر آج اس نے الماس کے گرد ایسا جال بنا تھا کہ وہ خود ہی اس میں پھنس گئی تھی۔ احساس جرم کے تحت دلاور نے اپنا گناہ قبول کرنے کے ساتھ ساتھ باقی تمام گروہ کا پتا بھی بتا دیا تھا۔ عدالت میں اس کے باپ نے اپنے بیٹے کو بچانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا مگر برائی اپنے انجام کو پہنچ گئی تھی اور نجانے کتنی الماس جیسی لڑکیاں تھیں جن کی انہوں نے زندگی برباد کر دی تھی۔ آج الماس کے ساتھ ساتھ سب کو انصاف مل گیا تھا۔

ایک دن کی، ایک اجنبی لڑکی سے ملاقات نے وہاج کی زندگی پر گہرے نشان چھوڑ دئے تھے جو ہر بار اسے اسی تکلیف سے دوچار کرتے تھے۔ جیسے وہ آج سے دس سال پہلے ہوا تھا۔

"وہاج...... آپ اس فضول سے اخبار کو پکڑ کر کیا کر رہے ہیں؟ پھینکیں اسے اور باہر آئیں۔ اتنی تیز بارش ہو رہی ہے، چلیں موسم کا لطف اٹھاتے ہیں۔" وہ یوں ہی بیٹھا تھا جب ہی اس کی بیوی نے کمرے میں داخل ہو کر اسے ماضی کی سوچوں سے باہر نکالا اور ساتھ ہی وہ اخبار لے کر کھڑکی سے باہر پھینک دیا تھا۔ وہ ایک نظر بھیگتے اخبار پر ڈال کر باہر لان کی جانب بڑھ گیا جبکہ وہ اخبار بارش کے پانی کے ساتھ ختم ہوتا چلا گیا۔ کچھ تکلیف دہ یادوں کا جڑوں سے ختم ہونا بہت ضروری ہوتا ہے ورنہ وہ تاحیات تکلیف سے دوچار رکھتی ہیں۔



واپسی

تنزیلہ احمد

آنکھ کھل جاتی ہے جب رات کو سوتے سوتے
کتنی سونی نظر آتی ہے گزر گاہِ حیات
ذہن و وجدان میں فاصلے تن جاتے ہیں
شام کی بات بھی لگتی ہے بہت دور کی بات

کمال صاحب نے دونوں ہاتھوں میں درد سے پھٹتے سر کو جکڑ رکھا تھا۔ روز روز کی تلخ کلامی ان کے اعصاب کو بری طرح متاثر کررہی تھی۔ دفتر سے تھکے ہارے گھر آتے تو ایک نئی چخ چخ ان کی منتظر ہوتی۔ حسنہ کی روز روز کی فرمائشیں پوری کرنا ان کے لیے مشکل ہی نہیں ناممکن ہونے لگا تھا۔ ایک اہم سرکاری ادارے میں وہ گزیٹڈ افسر اور شریف وخاندانی گھرانے کے اکلوتے چشم وچراغ تھے۔

ان کے والد کے گزر جانے کے بعد والدہ نے ساری جمع پونجی لگا کر انہیں پڑھایا، اپنے پیروں پر کھڑا ہونا سکھایا اور افسر بنا دیا تھا۔ افسر بنتے ہی ان کی زندگی کی کایا پلٹ گئی تھی۔ وہ سب بھولے بھٹکے رشتے دار بھی ملنے جلنے کے لیے پر تولنے لگے جو عرصہ قبل ان سے تعلق توڑ چکے تھے۔ ایک سے ایک اچھا رشتہ ان کا منتظر تھا۔ سبھی رشتہ داروں کو اپنی بیٹیوں کے لیے کمال بہترین بر دکھائی دینے لگا تھا۔

اکلوتا افسر بیٹا اور ماں، بھرا پرا خاندان تو تھا ہی نہیں۔ رشتوں کی خود غرضی کئی برس گزرنے کے بعد ایک بار پھر ان پر آشکار ہوئی تھی۔

بھلی مانس والدہ نے اونچا خاندان اور حسین وجمیل امیر بہو ڈھونڈنے کی بجائے دور پار کی ایک ملنے والی جوان کی منہ بولی بہن تھیں، ان کی بیٹی کو ترجیح دی۔ مناسب شکل وصورت والی حسنہ بی اے پاس تھی۔ حسنہ کے گھر کے حالات تنگ تھے اور وہ ٹھہریں نرم دل۔ جہیز، کپڑے لتے کی تو انہیں ویسے بھی کوئی آرزو نہ تھی اس لیے وہ سادگی سے حسنہ کو اپنے بیٹے کمال کی دلہن بنا لائیں۔ اپنی دانست میں انہوں نے اکلوتی بہو کے بھی چاؤ پورے کردیئے تھے۔ اچھی بری تیار کی اور اپنا سونے کا سیٹ بہو کو چڑھا دیا۔ پر ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ بہو کے آنے سے ان کے پرسکون گھر کے حالات کیسے کروٹ بدلنے والے ہیں۔

☆

''غضب خدا کا کیسے لوگ ہیں آپ، اللہ سے ڈریں ارے، گھر آئے رزق کو کون ٹھکراتا ہے؟'' حسنہ کی تیز آواز پر کمال صاحب اور بی جی نے اسے بے یقینی سے دیکھا۔ گھر میں آئی پھلوں کی پیٹیاں واپس بھجوانے پر لڑائی طول اختیار کرتی جارہی تھی۔

''تمہیں بات کرنے کی تمیز نہیں ہے کیا، اپنے لہجے اور الفاظ پر غور کرو یہ کون سا طریقہ ہے بات کرنے کا؟'' انہوں نے غصے کو دبانے کی کوشش کرتے ہوئے بھاری آواز میں کہا۔

''مجھے طور طریقے اور تمیز سکھانے کی ضرورت نہیں، گھر

آئے رزق کی قدر خود کو نہیں اور سکھانے مجھے نکلے ہیں۔" ہاتھ لہراتے ہوئے حسنہ نے دوبدو کہا تو بے جی کپکپا کر رہ گئیں۔

"دیکھو بیٹی صرف رزق نہیں دیکھتے یہ دیکھتے ہیں کہ رزق حلال ہے یا حرام۔ رشوت کے طور پر دیا جانے والا رزق حلال نہیں ہوتا۔ آج تک میں نے اپنی اولاد کو ایک لقمہ حرام کا نہیں کھلایا، آگے بھی ان شاء اللہ یہ ہی ہوگا۔" انہوں نے رسان سے سمجھانے کی کوشش کی تو وہ بھڑک اٹھی۔

"بس کر دیں آنٹی یہ دقیانوسی باتیں ہیں، آپ کا دور گزر چکا، آج کل ایسا نہیں ہوتا جیسا آپ کہہ رہی ہیں۔" پیر پٹختے ہوئے وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھی تو بے جی نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

انہیں اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ حسنہ زبان کی اتنی تیز ہوگی اس کا تو انہیں اندازہ نہ تھا۔ کیا فائدہ ایسی تعلیم کا جو اچھی تربیت نہ کر سکی اور اچھے برے میں فرق نہ سکھا سکی۔ کمال صاحب بے بسی سے وہیں صوفے پر بیٹھ گئے۔ معاملات بگڑتے ہی جا رہے تھے۔

"مجھے نیا سونے کا سیٹ بنوا کر دیں۔" ابھی چند روز قبل ہی حسنہ نے نئی فرمائش کر دی تھی۔

"بے جی نے تمہیں دیا تو ہے سونے کا سیٹ۔"

"وہ پرانے اسٹائل کا ہے، مجھے پسند نہیں۔" حسنہ نے نخوت سے جواب دیا۔

"پسند نہیں ہے تو اماں کو واپس کر دو۔ انہیں بہت پسند ہے، مرحومہ دادی جان کی نشانی کو انہوں نے ہمیشہ سینے سے لگا کر رکھا۔"

"ہونہہ...... میں کیوں واپس کروں؟ مجھے چڑھا دیا تو بس میرا ہو گیا۔ کس طرح کے افسر ہیں آپ کہ "اوپر کی کمائی" کی طرف دھیان ہی نہیں۔ شوہروں کا فرض ہوتا ہے بیویوں کے ناز نخرے اٹھانا، خرچے پورے کرنا۔ کلیم صاحب کی بیگم کو دیکھا تھا کتنا خوب صورت سیٹ پہن رکھا تھا اور کپڑے بھی کتنے مہنگے پہنتی ہیں۔" حسنہ کے الفاظ انہیں چابک کی طرح لگ رہے تھے۔ اپنی جانب سے تو انہوں نے اس کے حقوق کی ادائیگی میں کبھی کوتاہی نہیں برتی تھی۔ ان کی شادی کی خوشی میں تین ہفتے قبل



سبھی سینئر افسروں نے اجتماعی دعوت کا اہتمام کیا تھا جس میں سب کی بیگمات بھی شامل تھیں اور بیگمات کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر حسنہ خود کو گرگٹ کی طرح بدلنے لگی تھی۔

”کسی کا منہ لال ہو تو اپنا تھپڑ مار کر لال نہیں کر لیتے۔“ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گئے۔ دفتر میں سر کھپائی کے بعد حسنہ کی بےتکی باتیں سننے کی مزید ہمت ان میں نہ تھی۔

گھر کا ماحول خراب اور کھنچا کھنچا رہنے کی بدولت بے جی کی طبیعت پر بھی برا اثر پڑنے لگا تھا۔ ایک شام کمال صاحب گھر لوٹے تو حسنہ کو اپنے کمرے میں منہ پھلائے بیٹھے پایا جب کہ بے جی اپنے کمرے میں بے سدھ پڑی بخار میں تپ رہی تھیں۔ ان کی جان پر بن آئی تھی۔

”بے جی ایک دم اتنا بخار کیسے چڑھ گیا؟“ پانی کا گلاس ان کے منہ سے لگاتے ہوئے انہوں نے تشویش کا اظہار کیا مگر بے جی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ کوئی جواب دیتیں۔

”تمہیں ذرا بھی احساس ہے، بے جی بخار میں پھنک رہی ہیں اور تم یہاں مزے سے بیٹھی ہو۔“ وہ کمرے میں آتے ہی خفا ہوئے۔

”ہاں تو میں ڈاکٹر تو نہیں نہ ہی میں نے بخار کو کہا کہ انہیں چڑھے، اچھی بھلی میں اپنی سہیلی سے ملنے جا رہی تھی کہ بے جی بخار چڑھا کر لیٹ گئیں اور مجھے ان کی وجہ سے گھر رکنا پڑا۔“ ٹی وی سے نظریں ہٹائے بنا اس نے جواب دیا۔ تو یہ تھی اس کے پھولے منہ کی وجہ۔

”تم نے بے جی کے لیے پرہیزی کھانا پکایا ہے؟“ باورچی خانے کی جانب بڑھتے ہوئے ایک خیال کے زیر اثر انہوں نے پوچھا۔

”مجھے کیا پتا آنٹی بخار میں کیا کھاتی ہیں؟“ حسنہ نے لاپروائی سے جواب دیا۔

”تو پوچھ لیتی یا تم خلائی مخلوق ہو کیا جو تمہیں پتا ہی نہیں کہ بیماری کی حالت میں انسان کیسا پرہیزی کھانا کھاتا ہے؟“

”آپ کی ماں کی خدمتیں کرنا میری ذمہ داری نہیں۔“ ٹی وی کا ریموٹ پٹختے ہوئے اس نے کچھ ایسے انداز میں کہا کہ وہ بھڑک اٹھے۔

”کیسی بےحس اور خود غرض عورت ہو تم، میری قسمت پھوٹی جو... بے جی نے تم جیسی عورت کو بہو بنانے کا فیصلہ کیا۔“ غصے سے کمال صاحب کی آواز پھٹ پڑی تھی۔

”زبان سنبھال کے بات کریں، تم جیسی عورت سے کیا مراد ہے آپ کا؟ بیوی ہوں آپ کی کوئی ملازم نہیں۔“

”ہم بھی تمہارے ملازم نہیں جو بس تمہارے ناز نخرے ہی اٹھاتے رہیں۔ اگر تمہارے دل میں اس گھر کے مکینوں کے لیے جگہ نہیں تو اس گھر میں بھی تمہارے لیے کوئی جگہ نہیں۔“ تنبیہی انداز میں کہہ کر وہ بے جی کے لیے دلیہ بنانے کی غرض سے باورچی خانے میں چلے آئے۔ اپنے پیچھے انہیں حسنہ کی تیز آوازیں سنائی دیں مگر انہوں نے پروا نہ کی۔

بے جی کو دلیہ اور دوائی کھلا کر وہ گھنٹے بھر بعد کمرے میں آئے تو خالی بکھرا کمرہ چیخ چیخ کر بتا رہا تھا کہ اس کا حشر بگاڑ کر وہ جا چکی ہے۔

”کاش کہ تم نے یہ بھی سیکھا ہوتا کہ اپنے خواب اور چاؤ پورے کرنے کے چکر میں دوسروں کی زندگیاں عذاب نہیں بناتے۔“ زیر لب بڑبڑاتے ہوئے کمرے کا پھیلاوہ سمیٹ رہے تھے۔

☆

”بڑی خوش قسمت ہو تم حسنہ، مختصر سی سسرال ہے تمہاری، ساس تو بڑی بھلی مانس اور سادہ سی ہے۔ شروع سے ہی انہیں دبا کر رکھنا۔ اپنی من مانی کرو گی تو ٹھیک رہو گی۔ انہیں موقع نہ دینا کہ یہ لوگ تم پر حکمرانی کریں۔“ شادی کے موقع پر اس کی تیز طرار دوست نے مشورہ دیا تھا اور حسنہ نے اسے پلو سے کس کر باندھ بھی لیا تھا۔ اسے لگا کہ شریف لوگوں کو وہ بآسانی دبا لے گی۔ وہ تو سمجھ رہی تھی کہ شادی کے نام پر اس کی لاٹری نکل آئی ہے اور اب اس کا کام صرف اپنے چاؤ پورے کرنا اور ناز اٹھوانا ہے۔

شوہر سے جھگڑ کر میکے آنے کے بعد حسنہ پر یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ شوہر کے دم سے ہی بیوی کی عزت ہوتی ہے۔ وہ سب لوگ جو کمال صاحب کے ساتھ شادی ہونے کے بعد اس کے آگے پیچھے بچھے جا رہے تھے، وہ ہی اب اس کی زبان کی

تیزی اور فطرت کو لے کر پورے خاندان میں باتیں پھیلا رہے تھے۔ ابھی اسے میکے آئے تین روز بھی مشکل سے ہوئے تھے کہ اس روز اماں نے سپاٹ آواز میں پوچھا۔

"اپنے گھر کب جاؤ گی حسنہ؟" تو وہ چونکی۔

"کیوں اماں یہ میرا گھر نہیں؟"

"میرا خیال ہے اب تمہیں اپنے گھر جانا چاہیے۔" انہوں نے اس کا سوال یکسر نظر انداز کرتے ہوئے مشورہ دیا۔

"اللہ کا شکر ادا کرو حسنہ کہ گھر بیٹھے تمہیں اتنا اچھا رشتہ ملا ورنہ کمال کے لیے رشتوں کی کمی نہ تھی۔ جیسے ہمارے گھر کے حالات ہیں اور جیسی تمہاری فطرت ہے، آس پاس میں سے تو کوئی رشتہ لینے کو تیار نہ تھا۔ بہت اچھا قابل شوہر، شریف خاندان اور نیک فطرت ساس جسے تم نے ماں سمجھا ہی نہیں۔ ان کے دلوں میں جگہ بنا کر تم ساری زندگی اس گھر پر راج کر سکتی ہو۔ یاد رکھنا اچھی بیوی ہی اچھی ماں بنتی ہے اور آنے والی نسلوں کی اچھی تربیت صرف اچھی مائیں ہی کر سکتی ہیں۔"

"لیکن اماں، ان کو میری فرمائشیں بھی تو پوری کرنی چاہیے۔" اس نے منہ بگاڑتے ہوئے کہا۔

"کن ہواؤں میں اڑ رہی ہو تم ہم سر پر چھت، کھانے کو رزق حلال، پہننے کو اچھے کپڑے، احساس کرنے والا شوہر سر پہ کوئی فالتو ذمہ داریاں نہیں پھر بھی تم خوش نہیں؟ اپنا گھر اپنے ہاتھوں اجاڑ کر کہاں جاؤ گی، یہاں آؤ گی؟ نہ کھانے کو اچھا، نہ پہننے کو ڈھنگ کا اور......" انہوں نے اسے سوچ میں ڈوبتے دیکھ کر دانستہ جملہ ادھورا چھوڑا اور خاموشی سے کمرے سے نکل گئیں۔

......☆......

کافی سوچ بچار کے بعد حسنہ نے کمال کو واٹس ایپ کیا۔

"آپ مجھے لینے کب آئیں گے؟"

"میں تمہیں لینے نہیں آؤں گا اور تم خود آنے کا سوچ رہی تو تب تک نہ آنا جب تک تمہارا دماغ درست نہیں ہو جائے۔ میرے گھر میں کسی ایسی عورت کے لیے جگہ نہیں جسے حلال، حرام اور بڑے چھوٹے کی تمیز نہ ہو۔" کمال صاحب کے جوابی پیغام نے اسے ٹھٹکنے پر مجبور کر دیا۔ اسے اپنے پاؤں کے نیچے سے زمین نکلتی محسوس ہوئی۔ وہ کس زعم میں تھی؟ بے چینی سے ہاتھ ملتے ہوئے وہ اب اپنے ناروا رویے اور بدزبانی پر پچھتا رہی تھی۔

اگلی شام وہ اپنا سامان سمیٹ کر خود ہی گھر آگئی تھی۔ بے جی کا بخار اتر چکا تھا مگر وہ کافی کمزور لگ رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر ان کے چہرے پر خوشی کی کرنیں پھیلیں جبکہ کمال صاحب نے اس کی جانب دیکھنا بھی گوارہ نہیں کیا تھا۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام! آگئی میری بیٹی، کیسی رہی تمہاری دوست کی شادی؟" بے جی کی نقاہت زدہ آواز میں چھپی اپنائیت آج اسے پہلی بار محسوس ہوئی تھی۔ ان کے سوال پر حسنہ نے ناسمجھی سے بے جی کو دیکھا۔

"کمال نے بتایا تھا کہ تمہاری دیرینہ دوست کی شادی تھی، اس لیے تمہیں جانا پڑا۔" اس نے شکر گزاری کی نظر سے ان کی جانب دیکھا۔ اپنی ماں کے سامنے انہوں نے بیوی کا پردہ اور عزت رکھ لی تھی۔ اپنے بیچ کی لڑائی اور تلخ کلامی کا اشتہار نہیں لگایا تھا۔

"اچھی ہوگئی بے جی۔" حسنہ نے جواب دیا تو کمال صاحب نے زیرک نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔ آج پہلی بار اس نے بے جی کہا تھا اور تو اور اس کے تیور بھی بدلے ہوئے لگ رہے تھے۔

"شکر ہے کہ کچھ عقل ٹھکانے آئی۔" دل ہی دل میں سوچتے ہوئے انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

جب کہ حسنہ نظریں جھکائے سوچ رہی تھی کہ اسے نیک نیتی سے کیسے اس گھر اور مکینوں کے دل میں اپنی جگہ مضبوط کرنی ہے کہ گھر تو اسی کا ہی تھا اور گھر والے بھی۔



ادھورے خواب

سحر گل

مدت کے بعد ہے وہ ستم گر ملا مجھے
جس کی مجھے تلاش تھی گوہر ملا مجھے
میں چاہتی تھی وہ فقط میرا ہو ہمسفر
وہ میری کائنات سے بڑھ کر ملا مجھے

بلوچستان کے ایک پسماندہ علاقے میں رات پھیل رہی تھی۔ آبگینہ چارپائی پر بابا کے ساتھ ان کے سینے پر سر رکھے لیٹی ہوئی تھی۔ آسمان ستاروں سے بھرا ہوا تھا۔ چاند کی روشنی میں اس کا چہرہ خوشی اور امید سے چمک رہا تھا۔

''بابا جب فصل پک جائے گی تو آپ میرا شہر کے اسکول میں داخلہ کروادو گے ناں؟'' اس نے دوبارہ یقین دہانی چاہی تھی۔

''ہاں میری بچی کروادوں گا۔'' بابا نے اس کے بال سہلاتے ہوئے کہا۔ وہ خوشی سے مسکرادی۔

اسے آٹھویں پاس کیے ایک سال ہوچکا تھا۔ باقی بہن بھائیوں کو پڑھائی کا شوق نہیں تھا مگر اس نے گاؤں کے مڈل اسکول سے آٹھ جماعتیں پاس کرلی تھیں۔ ساتھ والی چارپائی پر ماں سوئی ہوئی تھی۔ بابا اور اس کے علاوہ سب سو چکے تھے۔

''کیا ماں مان جائے گی؟'' وہ پھر پریشان سے بولی۔

''اسے میں منالوں گا تم پریشان مت ہو، اب سو جاؤ۔'' بابا نے اس کا ماتھا چوما تو وہ اٹھ کر چھوٹی بہن کے ساتھ لیٹ گئی تھی۔

☆☆......

ماں روٹی پکا رہی تھی اور آبگینہ سب کو کھانا دے رہی تھی۔

''کیا بات ہے بڑی خوش نظر آرہی ہو؟'' ماں نے اسے چہکتا دیکھ کر پوچھا۔

''بس کوئی خواب پورا ہونے جارہا ہے اسی لیے۔'' اس نے کندھے اچکائے۔

''کیا بات ہے...... صحیح سے بتا۔'' ماں کو تشویش ہوئی تھی۔

''یہ تو آپ کو بابا ہی بتائیں گے۔'' وہ روٹی اٹھاتی ہوئی ساتھ ہی بابا کو اشارہ بھی کیا۔

''پوچھتی ہوں تیرے بابا سے۔'' ماں نے توے پر روٹی ڈالتے ہوئے کہا۔

''بہزاد کے ابا بتاؤ کیا آس دلائی ہے اسے جو وہ اتنی خوش ہے؟'' ماں نے بے چینی سے پوچھا۔

''پہلے تم وعدہ کرو میری بات تحمل سے سنو گی اور اس پر ٹھنڈے دماغ سے سوچو گی۔''

''آخر بات کیا ہے؟''

''کچھ ہفتوں تک فصل پک کر تیار ہوجائے گی اور پھر کٹائی ہوگی تو رقم ملے گی۔''

"یہ تو مجھے معلوم ہے، اصل بات کیا ہے وہ بتاؤ۔" ماں نے اسے ٹٹولا۔

"بات یہ ہے کہ آبگینہ آگے پڑھنا چاہتی ہے شہر کے اسکول میں۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہو؟" ماں چارپائی سے اٹھ گئی۔ بھنویں بھنچ گئی تھیں۔

"تم بیٹھ جاؤ، بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" بابا نے چارپائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"آبگینہ کی پڑھائی کے خرچے پورے کرو گے تو باقی سب کو کیسے پالو گے، کیا انہیں بھوکا مارو گے؟" ماں نے سوال اب سے کیا۔

"کچھ نہ کچھ ہو جائے گا، آگے پڑھنا اس کا خواب ہے۔"

"ہم جیسے غریب لوگ ایسے اونچے خواب نہیں دیکھ سکتے، تم اسے سمجھاتے کیوں نہیں؟"

"وہ ابھی بچی ناسمجھ ہے۔ اس کا دل ٹوٹ جائے گا، تم ابھی اسے کچھ مت کہنا، میں کچھ کرتا ہوں۔"

"کیا کرو گے؟"

"کچھ نہ کچھ تو کر ہی لوں گا۔"

"ایک زمین کے علاوہ اور ہے ہی کیا ہمارے پاس۔"

"اللہ مالک ہے۔"

......☆☆......

"آبگینہ میں سوچ رہی تھی، تم کچھ دنوں کے لیے اپنی خالہ کے گاؤں چلی جاؤ۔" ماں نے سوچا تھا کہ وہ کچھ دن وہاں رہے گی تو آگے پڑھنے کا خواب اس کے ذہن سے نکل جائے گا۔

"سچ......!" اس نے خوشی سے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

پلوشے اس کی ہم عمر تھی اور اس کے ساتھ اس کی اچھی خاصی دوستی تھی۔

"ہاں تمہاری خالہ بھی تمہیں بہت یاد کر رہی ہے، پچھلی بار جب ملی تھی تو کہہ رہی تھی کہ آبگینہ کو کچھ دن کے لیے



میرے پاس بھیج دو۔"

"تو کیا آپ میرے ساتھ نہیں جاؤ گی؟"

"نہیں فصل پکنے والی ہے مجھے یہاں بہت کام ہیں۔ تمہارے بابا تمہیں چھوڑ آئیں گے۔"

"ٹھیک ہے ماں میں وہاں ایک ہفتہ رہوں گی۔" وہ خوشی سے بولی۔

"رہ لینا۔"

......☆☆......

"آبگینہ ٹھیک سے کھاؤ۔" خالہ نے اسے پیار سے کہا۔

"کھا رہی ہوں خالہ۔" اسے یہاں آئے دو دن ہوچکے تھے۔

"بالکل تھوڑا سا کھایا ہے تم نے۔"

"دل نہیں چاہ رہا۔"

"کیا ہوا...... طبیعت ٹھیک تو ہے ناں؟"

"کچھ نہیں، بس عجیب سی بے چینی ہورہی ہے، گھر فون کرنا چاہتی ہوں۔"

"بیٹا پریشان مت ہو، پلوشے کے ابا آئیں گے تو اس سے فون لے کر کر لینا بات۔"

اس نے فون کیا مگر رابطہ نہ ہوسکا۔ ساری رات وہ بے چینی سے بستر پر کروٹیں بدلتی رہی تھی۔

صبح ہوچکی تھی، وہ بستر سے اٹھی، بے دلی سے ناشتہ کرنے کے بعد وہ خالہ کے پاس آگئی۔

"خالہ گھر رابطہ ہوا؟" اس نے پریشانی سے پوچھا۔

"بیٹا تمہارے گھر تو بات نہیں ہوسکی مگر......"

"مگر کیا؟"

"خبر ملی ہے کہ تمہارے گاؤں میں سیلاب آگیا ہے۔"

"کیا...... یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟"

"ماں بابا تو ٹھیک ہیں ناں؟ آپ مجھے میرے گاؤں لے چلیں۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"بیٹا خود کو سنبھالو...... سیلاب بہت خطرناک تھا، وہاں جانا ٹھیک نہیں رہے گا ابھی۔"

"نہیں خالہ مجھے گھر جانا ہے، اپنے بابا، اپنی ماں اور بہن بھائیوں کے پاس جانا ہے۔" وہ بے چینی سے بولی۔

"ہم کل چلیں گے۔" خالہ نے اسے بہلانے کی کوشش کی۔

"نہیں...... مجھے ابھی جانا ہے۔" اس نے ضد کی اور وہ بری طرح روتے ہوئے بولی۔

"صبر کرو میری بچی۔" خالہ نے اسے گلے لگاتے ہوئے دلاسہ دیا تو وہ بے ہوش ہوکر گر پڑی تھی۔

"ماں...... بابا...... بہزاد...... چھوٹی......" ہوش آنے پر وہ چلاتی ہوئی روتی رہی۔ اگلے دن وہ ضد کرکے گاؤں چلی آئی تھی۔ وہاں ہر طرف صرف پانی ہی پانی تھا۔ پانی میں ڈوبے اجڑے گھر نظر آرہے تھے۔

"مجھے اپنے گھر جانا ہے۔" وہ گاؤں کی طرف بھاگتے ہوئے بولی۔ خالہ نے لپک کر اسے تھاما۔

وہاں کچھ بھی نہیں تھا، سب ختم کچھ ہوچکا تھا۔

"تم صبر کرو بیٹا۔" خالہ نے اپنے آنسو ضبط کرتے ہوئے اسے سنبھالا۔

"نہیں......" اس نے دردناک چیخ ماری۔

"ایسا کیسے ہوسکتا ہے خالہ، ماں بابا مجھے چھوڑ کر کیسے جا سکتے ہیں۔" اسے روتا دیکھ خالہ بھی رو دی تھیں۔

سب کچھ بہہ چکا تھا۔ اس کا خاندان، گھر، فصل سب کچھ یہاں تک کہ اس کے خواب بھی۔ سب خواب ادھورے رہ گئے تھے۔ وہ اپنا بے جان وجود گھسیٹتی ہوئی خالہ کے ساتھ وہاں سے واپس چلی گئی۔

عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رفاقت جاوید

عدل وانصاف کی کامل ہستی

سیدنا عمرؓ مسلمان عورتوں، لڑکیوں اور ضعیف خواتین کی خصوصی دیکھ بھال کیا کرتے تھے، انہیں ان کا حق دیتے اور ان پر کسی طرح کا ظلم نہیں ہونے دیتے تھے۔

آپؓ نے یہاں تک فرمایا۔

"اگر اللہ نے مجھے صحیح سالم رکھا تو عراق کی کسی بیوہ کو محتاج نہ چھوڑوں گا، جو میرے بعد کسی سے اپنی ضرورت مانگے۔"

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

انسان کی شناخت کے لیے نام کس قدر اہم ہوتا ہے۔ آپ سب بخوبی جانتے ہیں اور پھر نام کے معنی انسان کی شخصیت پر جو اثر انداز ہوتے ہیں ہم اسی کے مطابق انسان کے کردار کا مثبت یا منفی طریقے سے تجزیہ کرنے لگتے ہیں۔ اس لیے میں نے ان معتبر اسلامی کتابوں کا نام سے ہی آغاز کیا ہے۔

نام

آپ کا نام عمر بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی بن غلب القرشی العدوی ہے۔

آپ کا شجرہ نسب بن توی بن غالب پر نبی اکرم ﷺ کے نسب سے جاملتا ہے۔

آپ کا لقب فاروق اس لیے ہے کیونکہ جب مکہ مکرمہ میں آپ نے سلام قبول کیا تو اللہ تعالیٰ نے کفر اور ایمان کے درمیان کبھی نہ مٹنے والا فاصلہ آپ کے اسلام لانے کی وجہ سے حائل کردیا تھا۔

پیدائش

عمرؓ عام الفیل کے تیرہ سال بعد دنیا میں تشریف لائے تھے۔

خاندانی حیثیت

آپ کا خاندان مکہ کے معزز اور معتبر قبیلوں میں شمار کیا جاتا تھا، آپ کے دادا اور والد محترم کے پاس قریش اپنے مسائل لے کر آتے اور فیصلہ کرایا کرتے تھے۔ آپ کی والدہ حنمہ بنت ہاشم بن مغیرہ ابوجہل کی بہن تھیں (کہا جاتا ہے) لیکن کچھ کا کہنا ہے ابوجہل بن ہشام کی چچا کی بیٹی تھیں۔

ازدواجی رشتہ

آپ نے اسلام قبول کرنے سے پہلی زینب بن مطعون سے شادی کی تھی۔ جنگ بندی میں ان کو طلاق دے دی اور ابوجہم بن حذیفہ سے شادی کرلی تھی اور قریبہ بنت ابی امیہ مخزومی کو بھی آپ نے طلاق دی اور عبدالرحمن بن ابوبکرؓ نے ان سے شادی کرلی تھی۔

ام حکیم بنت حارث کے شوہر عکرمہ بن ابی جہلؓ شام میں شہید ہوئے تو آپ نے ان سے شادی کرلی۔ آپ نے انہیں بھی طلاق دے دی تھی۔ جمیلہ بنت عاصم جس کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا۔ آپ نے انہیں طلاق نہیں دی تھی۔ عاتکہ بنت زید پہلے ابوبکرؓ کی زوجیت میں تھیں۔ ان سے عمرؓ نے شادی کی اور جب آپ شہید ہوگئے تو زبیر بن عوام نے ان سے شادی کرلی تھی۔ ام کلثوم بنت ابی بکر کو آپ نے شادی کا پیغام عائشہؓ کے ذریعے سے بھجوایا تھا۔ یہ عائشہؓ کی بڑی بہن تھیں، پیغام کی وقت عائشہؓ چھوٹی بھی تھیں، ام کلثومؓ نے سخت مزاجی کی وجہ سے انکار کردیا تو عائشہؓ نے عمرو بن عاصؓ کے ذریعے عمرؓ کو یہ پیغام پہنچایا تو انہوں نے فاطمہؓ بنت رسول ﷺ سے مشورہ کیا تو فاطمہؓ نے فرمایا۔ آپ ان سے رسول اللہ کے تعلق کی وجہ سے شادی کرلیں۔ پھر عمرؓ نے علیؓ کو یہ پیغام دیا تو ام کلثومؓ کی شادی آپ سے کردی گئی تھی۔ عمرؓ نے ام کلثومؓ کو مہر میں چالیس ہزار دینار دیئے تھے۔

لعسہ نامی ایک یمنی عورت سے شادی کی، واقدی کا بیان ہے کہ یہ آپ کی بیوی نہیں تھیں بلکہ ام ولد تھیں۔

مورخین کا بیان ہے کہ مکھیہ نامی عورت بھی ام ولد تھیں۔ آپ کی سات بیویاں آپ کی وفات تک آپ کی ساتھ رہیں۔ باقی کو طلاق دے دی تھی۔ آپ کثرت اولاد اور امت محمد ﷺ میں اضافے کی نیت سے شادیاں کیا کرتے تھے۔

آپ کا قول تھا۔

"میں اپنی شہوت بجھانے کی غرض سے عورتوں کے پاس نہیں آتا، اگر اولاد کا معاملہ نہ ہوتا تو مجھے اس بات کی قطعاً پروا نہ ہوتی کہ ان آنکھوں سے کسی عورت کو دیکھوں۔"

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا۔

"میں خود کو جماع کرنے پر اس لیے مجبور کرتا ہوں کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ میرے نطفے سے ایسی اولاد پیدا کردے جو اس کی تسبیح کرے اور اس کو یاد کرے۔"

آپ کی اولاد

مجموعی طور پر آپ کے کل تیرہ بچے اور بچیاں تھیں۔

(۱) زینب بن مطعون کے بطن سے زمانہ جاہلیت میں عبدالرحمٰن کلاں اور حفصہ کی ولادت ہوئی۔

(۲) ملیکہ بنت جرول سے عبداللہ پیدا ہوئے۔

(۳) قریبہ بنت ابی امیہ مخزومی سے بھی اولاد ہوئی۔

(۴) ام حکیم بنت حارث سے فاطمہ کی پیدائش ہوئی۔

(۵) جمیلہ بنت عاصم سے بھی اولاد پیدا ہوئی۔

(۶) عاتکہ بنت زید آپ کے بیٹے عیض کی ماں تھیں (بعض کہتے ہیں نہیں)

(۷) ام کلثومؓ کے بطن سے زید اور رقیہ پیدا ہوئے۔

(۸) یمنی عورت سے عبدالرحمٰن اصغر کی ولادت ہوئی (ام ولد)

(۹) ماتحتی عورت سے زینب پیدا ہوئی۔ (ام ولد)

بیٹوں کے نام

"زید اکبر، زید اصغر، عبداللہ، عبدالرحمٰن اکبر، عبدالرحمٰن اوسط، عبدالرحمٰن اصغر، عبداللہ، عیاض"

بیٹیوں کے نام

"حفصہ، رقیہ، زینب اور فاطمہ رضی اللہ عنہ"

آپ کی قربت

عمرؓ کا عمر کا کافی حصہ زمانہ جاہلیت میں گزرا تھا لیکن آپ کی قربت قریش کے ہم عمر دوستوں میں رہی۔ آپ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جو پڑھنا لکھنا جانتے تھے جبکہ اس وقت پڑھے لکھے لوگ آٹے میں گھن کے برابر تھے۔

آپ کا بچپن

آپ کا بچپن باپ کی سختی میں بہت تنگی سے گزرا۔ آپ کو باپ کی دولت سے کوئی سروکار نہ تھی۔ آپ کے والد آپ کو اونٹوں کے ہمراہ چراگاہ کی طرف بھیج دیا کرتے تھے۔ باپ کی اس سختی اور بے انصافی کا آپ کے ذہن پر بہت برا اثر پڑا کہ آپ میں سختی عود کر آئی، مزاج میں تیزی آ گئی تھی۔

عبدالرحمٰن بن حاطب بتاتے ہیں۔

میں صجنان میں عمر بن خطاب کے ساتھ تھا۔ آپ نے مجھ سے کہا۔ "میں اسی جگہ اپنے والد خطاب کے اونٹوں کو چراتا تھا، وہ اس قدر سخت انسان تھے کہ لکڑیاں جمع کرنا اور اونٹ چرانا میرا ہی فرض تھا۔" آپ اس سختی کا اثر ذکر کیا کرتے تھے۔

جب عمرؓ نے حج کیا تو آپ نے فرمایا...... لا الہ الا العلی العظیم سے جو چاہتا وہ دیتا ہے، میں اسی وادی میں اون کی قمیص پہن کر اونٹوں کو چرایا کرتا تھا، وہ بہت سخت تھے، میں کام کرتا لیکن وہ میرے پیچھے لگے رہتے تھے۔ اگر مجھ سے معمولی سی کوتاہی ہو جاتی تو مجھے اس بے دردی سے مارتے تھے جیسے میرے اور اللہ کے درمیان کوئی نہیں رہے۔

پھر آپ نے مثال دی۔

"جو کچھ تم دیکھ رہے ہو، کسی کی بھی رونق باقی رہنے والی نہیں...... صرف اللہ باقی رہے گا، یہ مال اور اولاد ختم ہو جائیں گے۔

اس موت کے دن ہرمز کو اس کے خزانوں نے کوئی

فائدہ نہ دیا اور قوم عاد نے ہمیشہ باد رہنے کی کوشش کی لیکن اس میں بھی ہمیشگی نہ رہی اور نہ سلیمان عبدالسلام زندہ رہے جن کے لیے ہوائیں مسخر تھیں، انسان اور جناب اتن کے تابع تھے۔

کہاں گئے وہ بادشاہ جن کے چشموں سے ہر طرف سے آنے والا قافلہ سیراب ہوتا تھا، سب کہاں گیا؟

موت ایسا حوض ہے، جس پر یقیناً ہر کسی کو ایک نہ ایک دن آنا ہی جیسے کہ گزرے ہوئے لوگ اس پر پہنچے ہیں۔"

پھر آپؓ نے ذکر کیا۔

جب آپ امیر المومنین بن گئے تو آپ کو اس مرتبے کا خیال آیا تو آپ نے فرمایا...... اب مجھ سے افضل کون ہے؟

فوراً آپ اپنا غرور و تکبر ملیامیٹ کرنے کے لیے مسلمانوں کے درمیان کھڑے ہو کر اعلان کیا۔

"عمر بکریوں کا چرواہا تھا، بنی مخزوم سے علق رکھنے والی خالاؤں کے اونٹوں کو بھی چراتا تھا۔"

پھر منبر پر بھی یہی فرمایا۔

اللہ کی حمد و ثنا اور رسول اللہ ﷺ کو درود و سلام بھیج کر فرمایا۔

"اے لوگو! میں نے خود کو اس حالت میں پایا ہے کہ بنی مخزوم کی اپنی خالاؤں کے اونٹ چرایا کرتا تھا اور وہ مجھے مٹھی بھر کھجور یا کشمش دے دیا کرتی تھیں۔ میں اسی پر اپنا دن گزارتا تھا۔" یہ کہہ کر آپ منبر سے نیچے اتر گئے تھے۔

عبدالرحمٰن بن عوف نے آپ سے کہا۔ "اے امیر الومنین آپ نے خود کو صرف ذلیل ہی کیا ہے یہ باتیں کہہ کر اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا۔"

آپ نے فرمایا۔

"ابن عوف! تیرا برا ہو، میری بات سنو۔ جب میں امیر المومنین بنا میں تنہائی میں تھا تو میرے نفس نے مجھ کو بڑائی کا احساس دلایا، میں نے خود سے ہی کہا کہ میں تو امیر المومنین ہوں، تجھ سے افضل کون ہے تو میں نے چاہا کہ اپنے نفس کو اصلیت اور حیثیت بتادوں۔"

اسلام کا ابتدائی مرحلہ

مزاج کی سختی اور طبیعت کی وفاداری کی وجہ سے جب اسلامی دعوت کا پہلا مرحلہ شروع ہوا تو آپ نے اسلام کی دل کو لے کر مخالفت کی کیونکہ آپ خوفزدہ ہو گئے تھے، ہمارے رواج، رسمیں، عبادتیں وریاضتیں یعنی نظام زندگی کی یہ نیا دین بنیادیں ہی نہ ہلا دے۔ جبکہ مکہ کا نظام بہت مضبوط اور مستحکم تھا اور قریش کا مکہ میں خاص الخاص مقام بھی تھا اور مکہ انہی کی وجہ سے روحانی اور مادی دولت سے بھی خوب مالا مال تھا اور امراً و سرداروں کی وہاں کمی نہیں تھی۔ اس دولت، عیش و عشرت اور رونقوں کی وجہ سے سرداروں نے اسلام کے نئے دین کی بہت مخالفت کی جن میں سرفہرست عمرؓ تھے۔

اس کی وجہ جاہلیت میں ان کی پرداخت ہوئی اور باپ کے زیر سایہ بے انتہا سختیاں جھیلیں اور جب جوان ہوئے تو اپنی قوت اور مضبوط ارادے کے ساتھ مشرکین مکہ کا دفاع کیا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے ایک لونڈی نے اسلام قبول کرلیا، جب آپ کو اس کی خبر پہنچی تو آپ نے اسے مارنا شروع کردیا، جب آپ کے ہاتھ تھک گئے تو کوڑا پکڑا اور اس کی دھنائی کرتے گئے۔ جب کوڑا ہاتھوں سے گر گیا تو آپ بھی تھک کر رک گئے اس ثانیے ابوبکرؓ کا وہاں سے گزر ہوا تو آپ نے ان سے لونڈے خرید کر اسے آزاد کردیا تھا۔

اسلام میں دخلول

ام عبداللہ بنت حنتمہ کا بیان ہے، جب ہم ہجرت حبشہ کے لیے کوچ کر رہے تھیں تو عمر میرے پاس آ کر کھڑے ہو کر پوچھنے لگے۔ "اے ام عبداللہ! کیا تمہارا یہاں سے کوچ کرنے کا ارادہ ہے۔ میں نے کہا، ہاں اللہ کی قسم ہم ضرور اللہ کی زمین میں ہجرت کریں گے، آپ نے بھی ہمیں اذیتیں اور تکلیف دی ہے بلکہ آپ کے ساتھیوں نے بھی ایسا ہی سلوک روا رکھا، بہت ستایا ہے۔ امید ہے کہ اللہ ہمارے لیے کشادگی پیدا کرے گا۔"

عمرؓ نے فرمایا۔ "اللہ آپ لوگوں کا حامی وناصر ہو۔"

ئیں نے اس وقت آپ میں جو نرمی اور صبر کو محسوس کیا تھا، آج سے پہلے ایسا کبھی دیکھا نہ تھا۔

جب عامر بن ربیعہ تشریف لائے جو اپنے کسی کام کی وجہ سے باہر گئے ہوئے تھے، تو میں نے انہیں عمرؓ کے بارے میں حیرت سے سب کچھ گوش گزار دیا تو انہوں نے کہا۔ "لگتا ہے تم عمر سے اسلام قبول کرنے کی امید رکھتی ہو، یاد رکھو کہ وہ اس وقت تک اسلام قبول نہیں کریں گے جب تک ان کے باپ کا گدھا بھی اسلام نہ لے آئے گا، اسے ناممکن سمجھو۔"

عمرؓ مسلمانوں اس پختہ عزم سے اس قدر متاثر ہوئے کہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ میرا سینہ اس نئے مذہب کے لیے بے حد تنگ اور اس دین کو ماننے والے اس قدر مشکلات وذلالت سے گزرنے کے بعد بھی اپنے فیصلے پر جمے ہوئے ہیں۔ اس مذہب میں ایسی کون سی قوت ہے کہ جو اس میں داخل ہوتا ہے نہ اسے اپنی زندگی کی پروا رہتی ہے نہ اپنے خونی رشتوں کا پاس رہتا ہے۔ یہ سوچ کر آپ دل برداشتہ اور غم زدہ ہو گئے اور دل تھا کہ سنبھلنے کا نام نہ لے رہا تھا۔

قتل کی سازش

ایک وہ وقت تھا کہ قریش کے لوگ اس نئے دین کو پھیلتا ہوا دیکھ کر ایک جگہ اکٹھے ہو کر معاملے کا حل سوچ کر بولے۔ "کون ہے جو محمد (ﷺ) کو قتل کرے گا، یہ ہمارے لیے اک خطرہ ہے۔" عمر بن خطاب فوراً بولے۔ "یہ کام میں کروں گا۔" سب نے کہا۔

"اے عمر! تم ہی اس کام کے لیے بہت بہتر ہو۔"

اگلے ہی دن جبکہ دوپہر کی گرمی میں انتہا کی شدت تھی، جب آپ تلوار گردن میں لٹکا کر نبی کریم ﷺ اور ان کے ساتھی ابوبکر، علی، حمزہ اور دیگر ساتھیوں کو قتل کرنے غرض سے باہر نکلے۔ انہوں نے ابھی تک مکہ سے حبشہ ہجرت نہیں کی تھی۔

اہل قریش نے عمرؓ کو اطلاع دی کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ صفا پہاڑی کے نیچے دارارقم میں جمع ہیں، راستے میں عمر کا ٹکراؤ نعیم بن عبداللہ سے ہوا تو انہوں نے عمرؓ سے پوچھا۔ "اے عمر کہاں جانے کا ارادہ ہے؟"

آپ نے کہا۔ "میں صابی یعنی دین بدلنے والے کے پاس جا رہا ہوں۔ جس نے قریش کی یکجائی اور جمعیت کو پاش پاش کر دیا ہے، جس نے انہیں بے وقوف اور جاہل گردانا، ان کے دین میں عیب نکالے، ان کے معبودوں کو گالیاں دیں، اسی کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔"

نعیمؓ نے کہا۔ "اے عمر تم تو بہت غلط رستے پر چل نکلے ہو، اللہ کی قسم تم اپنی ذات کو ہی دھوکہ دے رہے ہو، دراصل اس وقت تم انتہا پسندی میں گرفتار ہو چکے ہو، کیا تم بنو عدی کو برباد کر کے بنو مناف کے عتاب سے بچ سکو گے، قتل کا اردہ ترک کرو اور واپس چلے جاؤ۔" دونوں قیل وقال کرتے ہوئے غصیلے ہو کر اونچی آواز میں بحث کرنے لگے تھے۔

عمرؓ نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ تو بھی صابی (دین بدلنے) والا ہو گیا ہی اگر یہ سچ ہے تو میں قتل تم سے ہی شروع کرتا ہوں۔"

نعیمؓ بولے کہ "تم کو ایک خبر سناتا ہوں کہ تمہارے بہنوئی اور بہن اور سب گھر والے مسلمان ہو چکے ہیں، جس گمراہی پر تم جمے ہوئے ہو۔ وہ انہوں نے چھوڑ دیا ہے۔"

عمرؓ نے یہ سن کر سوال کیا کہ "مجھے ان کے نام بتاؤ۔"

نعیمؓ بولے۔ "تمہارے بہن، بہنوئی اور چچیرے بھائی جو اسلام قبول کر چکے ہیں۔" یہ سن کر وہ بہن کے گھر کی طرف چل پڑے تھے۔

فاطمہ بنت خطاب

آپ غصے میں کھولتے ہوئے اپنی بہن فاطمہ بنت خطاب کے پاس جا پہنچے جب آپ نے گھر کے دروازے پر دستک دی تو اندر سے آواز آئی۔ "کون ہے؟"

"میں ابن خطاب ہوں، دروازہ کھولو۔" وہ دونوں اس وقت سورہ "طٰہٰ" کی تلاوت کر رہے تھے جب عمرؓ کی غصے وجلال میں ڈوبی ہوئی آواز سنی تو وہ وہیں قرآن چھوڑ کر چھپنے کی کوشش کرنے لگے، جب آپ اندر داخل ہوئے، بہن نے قرآن کے صحیفہ کو اپنی ران کے نیچے چھپ لیا تھا۔

عمرؓ نے پوچھا۔ "ابھی تم دونوں ہلکی سی آواز میں کیا پڑھ رہے تھے؟ جو بات میں نے معمولی سی سنی ہے وہ کیا تھی۔"

دونوں بولے۔ "ہم آپس کی ہی کوئی بات کررہے تھے۔"

آپ نے کہا۔ "تم دونوں صابی ہوچکے ہو۔" آپ اپنے بہنوئی کا اقرار اور دعوت کو سن کر بہنوئی سعیدؓ کی داڑھی پکڑ کر اٹھایا اور بھرپور قوت سے زمین پر پٹخ دیا اور انہیں روندتے ہوئے سینے پر بیٹھ گئے تو بہن انہیں شوہر سے دور کرنے لگیں تو آپ نے انہیں استحقاق سے تھپڑ مارا ان کا چہرہ خون آلود ہوگیا۔

بہن نے غصے سے چیخ کر کہا۔ "اے اللہ کے دشمن تو مجھے اس لیے مار رہا ہے کہ میں اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرتی ہوں۔"

آپ نے کہا۔ "تو جو بھی کرنا چاہتے ہو کرلے، ہم باز آنے والے نہیں۔" پھر بہن نے کلمہ شہادت بلند آواز میں پڑھا، ترجمہ۔

"میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اے عمرؓ ہم تیری مرضی کے بغیر ہی اسلام لاچکے ہیں۔"

جب عمرؓ نے بہن کے الفاظ میں مضبوطی کو محسوس کیا تو بہنوئی کے سینے سے اتر کر شرمسار ہوکر بیٹھ گئے اور کہنے لگے۔ "تمہارے پاس جو صحیفہ ہے مجھے پڑھنے کے لیے دو۔"

بہن نے کہا۔ "میں ایسا نہیں کروں گی۔"

آپ بولے۔ "تمہاری بربادی ہو، تمہارے عزم نے مجھے اس قدر متاثر کیا ہے کہ میں صحیفہ پڑھنا چاہتا ہوں، میں تجھے یقین دلاتا ہوں کہ میں اس میں خیانت نہیں کروں گا تو اسے جہاں چاہے محفوظ رکھ لینا، میں کچھ نہیں کہوں گا۔"

بہن نے کہا۔ "تم ناپاک ہو، اسے صرف پاک لوگ ہی ہاتھ میں لے سکتے ہیں۔ تم جاؤ غسل کرو اور وضو کرکے میرے پاس آؤ۔"

آپ بہن کی بات سن کر غسل کرنے چلے گئے اور جب آپ بہن کے پاس لوٹ آئے تو انہوں نے آپ کو صحیفہ پکڑایا، جس میں "طٰہٰ" اور دوسری صورتیں موجود تھیں۔

آپ نے اس کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور جب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پر پہنچے تو کانپ اٹھے، صحیفہ ہاتھ سے گر گیا، بمشکل خود کو سنبھالا اور صحیفہ اٹھا کر پڑھنے لگے۔

ترجمہ:۔ طٰہٰ ہم نے قرآن تجھ پر اس لیے نہیں اتارا کہ تو مشقت میں پڑجائے بلکہ اس کی نصیحت کے لیے جو اللہ سے ڈرتا ہے، اس کا اتارنا اس کی طرف سے ہے۔ جس نے زمین کو اور بلند آسمان پیدا کیے، جو اللہ سے ڈرتا ہے، جو رحمٰن ہے اور عرش پر قائم ہے، جس کی ملکیت آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان اور کراہ خاک کے نیچے ہر ایک چیز پر ہے، اگر تو اونچی بات کہے تو وہ ہر ایک پوشیدہ بلکہ پوشیدہ سے پوشیدہ تر چیز کو بھی بخوبی جانتا ہے، وہی اللہ ہے، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بہترین نام اسی کے ہیں۔" (سورۃ طٰہٰ)

یہ آیات آپ کے قلب وذہن میں اتر گئیں۔ "کیا قریش اسی سے بھاگتے ہیں۔"

بہن نے پھر طٰہٰ کی اگلی آیات سنائیں۔

ترجمہ:۔ "بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں۔ پس تو میری ہی عبادت کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم رکھ، قیامت یقیناً آنے والی ہے، جسے میں پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر شخص کو وہ بدلہ دیا جائے جو اس نے کوشش کی ہو، پس اب اس کے یقین سے تجھے کوئی ایسا شخص روک نہ دے جو اس پر ایمان نہ رکھتا ہو اور اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہو، پس تو ہلاک ہوجائے گا۔"

آپ نے فرمایا۔ "سمجھ گیا، جو ایسی بات کہہ رہا ہے کہ اس کے ساتھ کسی دوسرے کی عبادت نہ کی جائے، مجھے بتاؤ محمد کہاں ہیں؟"

جب آپ نے یہ واقعہ سنا تو گھر سے نکلے کیونکہ وہ

مشرکین مکہ کے ظلم وتشدد سے گھبرا کر چھپے ہوئے تھے۔عمرؓ کے پاس پہنچ کر بولے۔

"اے عمر خوش ہو جاؤ، مجھے امید ہے کہ آپ کے حق میں بروز سوموار رسول علیہ صلی اللہ کی یہ دعا قبول ہو چکی ہے۔

(دعا)

"اے اللہ! ابوجہل بن ہشام یا عمر بن خطاب دونوں میں سے جو تیرے نزدیک زیادہ بہتر انسان ہے اس کے ذریعے سے اسلام کو غالب کردے۔"

آپ کا صفا کی پہاڑی کے نیچے جانا

جب آپ کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ اپنے ساتھیوں سمیت صفا پہاڑی کے نیچے ہیں، عمرؓ نے تلوار گردن میں لٹکائی اور ان کی طرف چل پڑے، وہاں پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا، جب سب نے عمرؓ کی آواز سنی تو ان کی عداوت اور مخالفت کی وجہ سے ڈر گئے۔حمزہؓ نے سب کو خوف زدہ دیکھ کر کہا۔"دروازہ کھول دیں۔"

"اگر اللہ نے اس کے لیے بھلائی چاہی تو وہ اسلام قبول کرنے آئے ہیں اگر ان کا ارادہ قتل کرنے کا ہے تو اس کا قتل کرنا ہمارے لیے آسان ہو جائے گا۔"

دروازہ کھول دیا گیا حمزہؓ اور ایک اور ساتھی نے عمرؓ کو بازوؤں سے پکڑلیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے پاس لے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ نے فرمایا۔"اسے چھوڑ دو۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ ان کی طرف بڑھے اور عمرؓ کی چادر کھینچ کر کمر سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ کر فرمایا۔

"اے خطاب کے بیٹے، تمہارا کیسے آنا ہوا؟ اللہ کی قسم میں تم کو تمہارے ارادے سے باز آنے والا نہیں پاتا، یہاں تک کہ تم پر اللہ تعالیٰ کوئی مصیبت ڈال دے۔"

عمرؓ نے عرض کیا۔"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ میں آپ کے پاس اللہ، اس کے رسول اور اللہ کی طرف سے آپ جو لے کر آئے ہیں اس پر ایمان لانے آیا ہوں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے بلند آواز میں "اللہ اکبر" کہا۔

آپ صلی اللہ علیہ کے صحابہ جو دار ارقم میں موجود تھے وہ ادھر ادھر بکھر گئے، حمزہ بن عبدالمطلب کے ساتھ جب عمرؓ بھی اسلام لے آئے تو انہوں نے اپنے اندر قوت اور حوصلے کو مضبوط اور بلند ہوتے محسوس کیا کہ "اب ہم دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو کافروں سے کوئی نہیں تکلیف پہنچنے دیں گے اور دیگر صحابہ بھی ہمارے ساتھ اپنے دشمن سے بدلہ لینے میں کامیاب رہیں گے۔"

اسلام پر مثبت اثرات

عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ جب عمرؓ اسلام میں داخل ہوئے تو ہم کافروں پہ حاوی اور بھاری ہونے لگے۔ ہم خانہ کعبہ طواف اور نماز پڑھنے کے لیے جانے سے بہت گھبرایا کرتے تھے پھر عمرؓ نے ان مشرکین سے لڑائی کر کے ہمارے لیے وہاں کے دروازے کھول دیئے پھر ہم نے پرسکون ہو کر وہاں نماز پڑھی اور خانہ کعبہ کا طواف بھی کیا پھر آپ نے فرمایا۔

"عمرؓ کا اسلام لانا ایک فتح......" آپ کی ہجرت ایک مدد اور خلافت ایک رحمت تھی۔

عمرؓ کے بارے میں کسی شاعر کا قول۔

میری مراد فاروق سے ہے، جنہوں نے کفر و ایمان کے درمیان تلوار کی قوت سے فرق واضح کر دیا۔

انہوں نے پوشیدگی کے بعد اسلام کو ظاہر کیا اور تاریکیوں کو ختم کیا اور پوشیدگی کو دور کیا۔

اسلام لانے کی تاریخ

عمرؓ نے نبوت کے چھٹے سال ستائیس سال کی عمر میں ذی الحجہ کے مہینے میں حمزہؓ کے اسلام لانے کے تین دن بعد اسلام قبول کیا تھا۔

مسلمانوں کی تعداد

جب عمرؓ اسلام کے دائرے میں داخل ہوئے تو اس وقت مسلمانوں کی کل تعداد انتالیس تھی اور عمرؓ نے چالیس کا ہندسہ پورا کر دیا تھا۔

اکثر لوگ مسلمان ہو چکے تھے لیکن مشرکین کے خوف سے اپنے ایمان کو ظاہر نہیں کر پائے تھے، خصوصاً عمرؓ کا خوف ان کے سر پر سوار رہتا تھا کیونکہ آپ اسلام کی مخالفت کرنے والوں میں سرفہرست تھے۔

بے باکی ودلیری

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ علی بن ابی طالبؓ میرے پاس آئے اور مجھ سے پوچھا کہ سنا ہے عمر بن خطابؓ ہجرت کا سب کے سامنے الاعلان عزم کا اظہار کر چکے ہیں۔ انہوں نے تلوار کو گردن میں لٹکایا اور ترکش کو کندھے پر رکھا، ہاتھ میں تیر پکڑے اور لاٹھی لے کر یہاں سے نکل گئے ہیں، کعبہ کی طرف گئے ہیں جہاں قریش صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے نہایت اطمینان سے خانہ کعبہ کے سات چکر لگا کر طواف مکمل کیا پھر مقام ابراہیم پر نماز ادا کی پھر تمام حلقوں سے گزرتے ہوئے کہہ رہے تھے، تم لوگوں کے چہرے برباد ہو جائیں اور عزت مٹی میں مل جائے، اگر کسی مسلمان بیوہ عورت یا ماں کو کوئی ان کی طرف سے مسئلہ ہو تو مجھے اس وادی کے پیچھے آ کر ملے۔

آپ کے ساتھ کمزور مسکین افراد کی جماعت تھی۔ آپ نے ہی ان کی رہنمائی کی اور دلیری و بے باکی سے آپ آگے بڑھتے رہے۔ آپ کے ساتھ آپ کے خاندان اور گھر کے افراد تھے، آپ کے بھائی ”زیدؓ“ سراقہ کے دونوں بیٹے عمر اور عبداللہ بھی تھے، آپ کے داماد خنیس اور چچازاد بھائی سعید بھی تھے۔ واقد بن عبداللہ، خولی بن ابی خولی، مالک بن ابی خولی، بنو عجل اور بنو بکر آپ کے ساتھ یہ جنت کی بشارت والے دس افراد تھے۔

یہ تمام لوگ قبا میں بنو عمرو بن عوف کے قبیلے میں رفاعہ بن عبدالمنذر کے پاس پہنچے، سیدنا عمرؓ نبی ﷺ سے پہلے مدینہ ہجرت کر کے آئے تھے۔

براء بن عازبؓ کہتے ہیں، ہمارے پاس سب سے پہلے مصعب بن عمیر اور ام کلثوم آئے تھے۔ یہ لوگوں کو یہاں قرآن پڑھاتے تھے پھر بلال، سعد اور عمار بن یاسر آئے پھر بیس صحابہ کی جماعت میں عمرؓ مدینہ تشریف لائے، ان کے بعد نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے۔ مدینہ والوں کی خوشی دیدنی تھی جو میں نے اس سے پہلے کبھی دیکھی نہ تھی۔

آپ عمرؓ ہجرت کی تفصیل اس طرح بتاتے ہیں۔

”جب میں اور عیاش بن ابی ربیعہ اور ہشام نے مدینہ تشریف کرنے کا ارادہ کیا تو میں وادی سرف کی اونچائی پر بنی غفار کے باغ میں ان سے ملنے کا وعدہ کیا، ہم نے آپس میں طے کیا کہ جو صبح صبح وہاں نہیں پہنچے گا سمجھو کہ وہ گرفتار ہو گیا، ہم تو صبح دنوں باغ پہنچ گئے، ہشام گرفتار کر لیے گئے ان پر ہر آزمائش آئی۔

جب ہم مدینہ پہنچے تو قباء میں بنو عمرو بن عوف کے گھر ٹھہرے، ادھر ابوجہل بن ہشام اور حارث بن ہشام عیاش ابی ربیعہ کی تلاش میں نکل پڑے تھے۔ یہ دونوں ان کے چچازاد بھائی اور ماں شریک بھائی تھے۔

ان دونوں نے عیاش بن ابی ربیعہ سے بات کی اور کہا، تمہاری ماں نے نذر مان لی ہے کہ جب تک وہ تمہیں دیکھ نہ لے سر میں کنگھی نہیں کریں گی اور نہ ہی دھوپ سے ہٹیں گی، ماں کے لیے آپ کا دل نرم ہو گیا تھا۔

میں نے ان سے کہا۔ ”عیاش خبردار، بے شک اللہ کی قسم یہ لوگ تمہیں آزمائش میں ڈال کر تمہیں دین سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ ان سے ہوشیار رہو، اللہ کی قسم اگر تمہاری ماں کو جوئیں تکلیف دیں گی تو ضرور کنگھی کریں گی اگر مکہ کی شدید گرمی انہیں تکلیف دے گی تو سایہ میں جا بیٹھیں گی۔“

لیکن عیاش نے کہا۔ ”میں اپنی ماں کی قسم پوری کروں گا اور وہاں میرا کچھ مال بھی رکھا ہے بلکہ اسے بھی اپنے ساتھ لیتا آؤں گا۔“

عمرؓ کا بیان ہے میں نے عیاش سے کہا۔ ”اللہ کی قسم تم جانتے ہو کہ میں قریش میں سب سے زیادہ مالدار ہوں، تم میرا آدھا مال لے لینا لیکن ان دونوں کے ساتھ ہرگز مت جانا۔“ جب انہوں نے میری بات نہ مانی تو میں نے اپنی اونٹنی انہیں سونپتے ہوئے کہا۔

”تم جو بھی کرنا چاہتے ہو کرو لیکن میری یہ اعلیٰ نسل کی اونٹنی پر سوار ہو کر جاؤ اگر ان لوگوں کی طرف سے تمہیں بد عہدی کا معمولی سا خطرہ بھی محسوس ہو تو فوراً بھاگ نکلنا۔“ چنانچہ عیاش اونٹنی پر سوار ہو کر ابوجہل بن ہشام اور

حارث بن ہشام کے ساتھ چل پڑے کچھ رستہ طے کرنے کے بعد ابوجہل نے کہا۔
"اے بھائی میری اونٹنی تھک گئی ہے، کیا تم مجھے اپنے ساتھ پیچھے بٹھا سکتے ہو۔"
عیاش نے کہا۔ "ضرور بٹھاؤں گا، آپ نے اونٹنی بٹھائی تا کہ وہ آپ کے پیچھے بیٹھ سکے۔" لیکن اونٹنی کا بیٹھنا تھا کہ انہوں نے آپ پر حملہ کردیا آپ کو باندھ کر لے گئے پھر انہوں نے آپ کو فتنے میں گرفتار کردیا۔
عمرؓ کا کہنا ہے، جب عیاش مصائب کی وجہ سے فتنے کا شکار ہوئے تو ہم نے کہا جس نے خود کو فتنے میں ڈالا اللہ تعالیٰ اس سے فدیہ، سفارش اور توبہ قبول ہرگز نہیں کرے گا، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کو پہچانا پھر مصائب و آزمائشوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے کفر کی طرف لوٹ گئے، جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں اور ہماری باتوں کے بارے میں کہا۔
"ترجمہ:۔ (میری جانب سے کہہ دو) کہ اے میرے بندو، جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ، یقیناً اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے، واقعی وہ بڑے بخشش و رحمت والا ہے، تم سب اپنے پروردگار کی طرف جھک جاؤ اور اس کی حکم برداری کیے جاؤ، اس سے قبل کہ تمہارے پاس عذاب آجائے اور پھر تمہاری مدد نہ کی جائے اور پیروی کرو اس بہترین چیز کی جو تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف نازل کی گئی ہے، اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آجائے اور تمہیں اطلاع بھی نہ ہو۔" (سورۃ الزمر)
عمر بن خطابؓ نے کہا کہ "میں نے ان آیات کو اپنے ہاتھوں سے صحیفہ میں لکھا اور ہشام بن عاص کے پاس بھیج دیا۔"
ہشام کہتے ہیں جب میرے پاس صحیفہ آیا تو میں اس کو ذی طویٰ (مکہ کی وادی) میں پڑھنے لگا، اسے لے کر نیچے وادی میں جاتا اور پھر اوپر آتا لیکن کچھ بھی سمجھ نہ پایا پھر میں نے رب کے سامنے دعا کی کہ "مجھے اس آیت کا مطلب سمجھا دے" پھر اللہ نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ یہ آیات ہمارے بارے میں ہیں جو ہم کہتے ہیں اور ان کے بارے میں ہیں جو لوگ ہمارے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں پھر میں اپنی سواری پر بیٹھ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ کی طرف چل پڑا تھا۔
اس کے بعد مسلمانوں میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے جو آزمائے گئے اور جاہلی سماج میں زندگی گزارنا شروع کردی، یعنی اذیت و مصائب سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے اسلام سے پلٹ گئے ہوں، اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں کسی کی سفارش قبول نہیں کرے گا، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔
ترجمہ:۔ "آپ کہہ دیجیے اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔" (سورۃ الزمر)
جونہی یہ آیت نازل ہوئی اسی وقت سیدنا عمرؓ نے اپنے دونوں قلبی بھائیوں عیاش اور ہشامؓ کے پاس یہ آیت بھیج دی تاکہ وہ واپس پلٹ آئیں۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت کے فوائد
سیدنا عمرؓ مکہ کے ان افراد میں شمار کیے جاتے تھے جنہوں نے اس ان پڑھ ماحول میں لکھنا پڑھنا سیکھا آپ کو علم سے والہانہ لگاؤ بچپن سے ہی تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ نے خواندگی کو مٹا دیا، اعلیٰ اخلاقیات، بلند کرداری کا سبق سکھایا، اس میں قطعاً شک نہیں کہ زمانہ رسالت میں آپ کا مقام بہت اونچا تھا۔
آپ کی شخصیت کو نکھارنے اور آپ کے اندر چھپی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں سب سے بڑا ہاتھ اللہ کے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔
جب آپ نے اسلام قبول کرلیا تو پھر آپ وہاں رسول اللہ ﷺ سے جڑے رہے۔ جب مدینہ ہجرت کی تو پھر بھی عوالی کے علاقے میں جو مسجد نبوی کے بہت قریب تھا، وہاں خود کو منظم کیا۔

عمر کا بیان ہے، میں اور بنو امیہ بن زید کا ایک انصاری جو میرا پڑوسی بھی تھا ہم دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس باری باری آتے رہتے تھے، ایک دن وہ تو دوسرے دن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا، ہم ایک دوسرے کو وحی کی خبریں بھی گوش گزار کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ پر جب وحی نازل ہونے لگتی تو رفتہ رفتہ آپ اپنے صحابہ کو پڑھ کر سنانے لگتے، انہوں نے وحی کے معانی کو یاد کیا اور بہت گہرائی سے غور وخوض کیا۔

آپ اسلام لانے کے بعد قرآن حفظ کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت میں رہتے جو بھی آیات آپ پر نازل ہوتیں آپ انہیں سیکھ لیتے تھے اور اسی لگن میں آپ نے بے شمار آیات کو حفظ کرلیا اور قرآت نبوی کی روایت پر ہی پڑھنا پسند فرماتے تھے۔

آپ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ بعض آیات کے نزول کے فوراً بعد سب سے پہلے آپ یہ آیات سنا کرتے تھے۔ آپ نے اول ملاقات میں ہی قرآنی تربیت حاصل کی اور رسول اللہ ﷺ آپ کے مربی تھے، رسول اللہ ﷺ کی مذکورہ عظمتوں کے ساتھ ایک بڑی عظمت یہ ہے کہ آپ اللہ کی رسول اور اس کی طرف وحی کے حامل اور لوگوں تک پہنچانے میں پیش پیش رہتے تھے۔

فرمان الٰہی ہے۔

ترجمہ:۔ "بلاشبہ یقیناً اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا، جب اس نے ان میں ایک رسول انہی میں سے بھیجا جو ان پر اس کی آیات پڑھتا اور انہیں پاک کرتا اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے حالانکہ بلاشبہ وہ اس سے پہلے یقیناً گمراہی میں تھے۔" (سورۃ آل عمران)

آپ چونکہ ہر وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے، آپ نے اسلامی شریعت کو ان کی زبان میں سنا پھر یاد کیا۔ جب مجلس نبوت میں تشریف لے جاتے تو مجلس ختم ہونے تک وہاں موجود رہتے، آپ کو کوئی بات تنگ کر رہی ہوتو فوراً رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کرتے۔

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

"میں نے خواب میں دودھ پیا، اتنا پیا کہ میں نے دیکھا کہ اس کی تروتازگی میرے ناخنوں کے نیچے سے نکل رہی ہے پھر میں نے پیالہ عمر کو دے دیا" صحابہ نے کہا "اے رسول اللہ ﷺ اس کی تعبیر کیا ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "علم"

حافظ ابن حجر کا قول ہے...... یہاں علم سے مراد قرآن وسنت کی روشنی میں لوگوں پر سیاست کرنے کا علم ہے۔

عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے والہانہ محبت وعقیدت کی۔

رسول اللہ نے ارشاد فرمایا

"تم میں کوئی مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔"

عمرؓ نے آپ ﷺ کی بات سن کر فرمایا۔

"اے اللہ کے رسول ﷺ، آپ میرے نزدیک میری جان کے علاوہ بقیہ تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اے عمر! ایمان مکمل نہیں، یہاں تک کہ میں تمہارے نزدیک تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔"

عمرؓ نے فرمایا۔ "اب آپ میری جان سے بھی زیادہ مجھے محبوب ہوگئے۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اب ایمان مکمل ہوا اے عمر"

عمرؓ نے ایک دن آپ ﷺ سے عمرہ کرنے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

"اے میرے بھائی! اپنی دعا میں ہمیں نہ بھولنا۔"

عمرؓ نے فرمایا "میں نے یہ پسند نہیں کیا کہ دنیا کی کوئی چیز میرے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے زیادہ عزیز ہو، اے میرے بھائی سے زیادہ پسند ہو۔ اس بلند و پاکیزہ محبت میں عمرؓ کی تربیت اور تعلیم کا حصول ہوتا رہا۔"

غزوات میں

علما کا اس بات سے مکمل طور پر یقین ہے اور وہ متفق ہیں کہ عمرؓ بدر، احد اور تمام غزوات میں نبی ﷺ کے سات رہے اور کبھی میدان جنگ سے غائب نہ ہوتے تھے۔

غزوہ بدر

سیدنا عمرؓ غزوہ بدر میں شریک ہوئے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معکرہ سے پہلے صحابہؓ سے مشورہ کیا تو سب سے پہلے ابوبکرؓ بولے اور بہتر بات کہی اور کافروں سے جنگ کا مشورہ دیا۔ پھر عمرؓ نے بھی یہی مشورہ دیا۔

غزوہ بدر میں مسلمانوں میں سے سب سے پہلے جس کی شہادت ہوئی وہ عمرؓ کے غلام تھے۔

عمرؓ نے توحید کی خاطر رشتہ وقرابت کی رتی بھر پروانہ کی اور اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کیا۔

معرکہ بدر ختم ہونے کے بعد آپ نے مشرکین کے قیدیوں کو قتل کرنے کا مشورہ دیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس قیدیوں میں پکڑ کر لائے گئے تو آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ وہ ہدایت قبول کرلیں، آپ نے کہا۔

"اے عباس اسلام لے آؤ، اللہ کی قسم تمہارا اسلام لانا میرے نزدیک خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ پسند ہے اور مجھے یہ خواہش اس وجہ سے ہے کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں تمہارا ایمان لانا ہی پسندیدہ ہے۔"

ان قیدیوں میں قریش کا ماہر خطیب سہیل بن عمرو بھی تھا۔ آپ نے عرض کیا۔ "اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے اجازت دیجیے کہ سہیل بن عمرو کے اگلے دو دانت کھینچ کر نکال دوں تاکہ اس کی زبان باہر ہی لٹکی رہے، تاکہ یہ آپ کے خلاف تقریر کرنے سے لاغر ہو جائے۔"

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا

"میں ایسا...... نہیں کروں گا کہ اللہ تعالیٰ میرا؟......؟ کردے، اگر چہ میں نبی ہوں، امید ہے کہ وہ کسی ایسے مقام پر کھڑا ہو جہاں تم اس کی مذمت نہ کرسکو۔"

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ایسا واقعہ پیش آیا کہ مکہ کے کچھ لوگ اسلام لانے کے بعد پھر جانے کا ارادہ رکھتے تھے اور ان سے مکہ کے گورنر عتاب بن اسیدؓ کافی ہراساں تھے۔ یہاں تک کہ وہ چھپ گئے، اس وقت سہیل بن عمروؓ کھڑے ہوئے اللہ کی حمد وثنا کی پھر وفات نبوی کا ذکر کیا اور فرمایا۔

"یہ چیز تو اسلام کی طاقت میں اضافہ کرنے والی ہے جس نے ہمیں شک میں ڈالا، ہم اس کی گردن اڑا دیں گی، پھر لوگ ایسے خیالات سے باز آگئے۔

غزوہ احد، خندق، بنو معطلق میں عمرؓ

حضرت عمرؓ اسلامی معرکہ احد میں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہ نفس نفیس شریک ہوئے۔ جب غزوہ احد میں شکست کی علامتیں نمایاں ہونے لگیں اور پھر لڑائی اختتام پذیر ہوئی تو ابوسفیان نے کھڑے ہوکر بلند آواز میں کہا۔ "کیا محمد زندہ ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے فرمایا "جواب نہ دو۔"

ابوسفیان "کیا ابن ابی قمامہ زندہ ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر صحابہ سے فرمایا "جواب نہ دو۔"

یہ سن کر عمرؓ خود پر قابو نہ پا سکے، بے اختیارانہ بولے۔

"اے اللہ کے دشمن! تم نے جھوٹ کہا، اللہ نے تیری رسوائی کا سامان باقی رکھا ہے۔

ابوسفیان بولا "اعل ھبل، ھبل کیجیے۔

رسول اللہ نے فرمایا "اب تم اسے جواب دو، تو صحابہ بولے ہم اسے کیا کہیں؟"

"آپ نے فرمایا" کہو اللہ سب سے بلند بزرگ ہے۔"

ابوسفیان بولا "ہمارے لیے عزیٰ ہے اور تمہارے لیے عزیٰ نہیں۔"

نبی ﷺ نے فرمایا۔ "اسے جواب دو۔"

صحابہ بولے "ہم اسے کیا کہیں؟"

آپ نے فرمایا "کہو اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں۔"

ابوسفیان بولا "آج کا دن بدر کا بدلہ ہے اور جنگ مثل ڈول رہی ہے اور تم لاشوں کو مثلہ ہوا پاؤ گے، یہ میں نے حکم نہیں دیا، تم مجھے برا بھلا مت کہنا۔"

ایک روایت ہے کہ پھر عمرؓ نے جواب دیا۔ "ہم اور تم برابر نہیں ہیں، ہمارے مقتول جنت میں اور تمہارے مقتول جہنم میں ہوں گے۔"

یہ سن کر ابوسفیان بولا "اے عمر میں تم کو اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا ہم نے محمد کو قتل کر دیا؟"

"ہرگز نہیں، اب وہ بھی تمہاری بات سن رہے ہیں۔"

سفیان بولا "تم میرے نزدیک ابن قمہ سے زیادہ سچے اور نیک انسان ہو۔ اب قمہ نے لوگوں سے کہا ہے کہ میں نے محمد کو قتل کر دیا ہے۔"

جابر بن عبداللہؓ اپنی آنکھوں دیکھا بھال بیان فرماتے ہیں کہ ہم جنگ میں بھی مجاہدین میں سے تھے۔ ایک مہاجر نے انصاری کو لات ماری تو اس نے پکارا...... اے انصار میری مدد کے لیے آؤ۔

مہاجر نے کہا "میری مدد کو پہنچو۔"

رسول اللہ نے یہ سن کر فرمایا۔ "اسے چھوڑ دو، یہ ناپاک بدبودار ہے" جب عبداللہ بن ابی نے یہ واقعہ سنا تو کہا "کیا واقعی مہاجرین نے ایسا کیا ہے۔"

"سب سن لو اللہ کی قسم اگر ہم مدینہ واپس گئے تو باعزت لوگ ذلیلوں کو مدینہ سے باہر نکال دیں گے"

جب عمرؓ نے یہ دھمکی سنی تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لائے اور کہا "اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے اس منافق کی گردن مارنے کی اجازت دیں" نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

"اسے چھوڑ دو تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔"

غزوہ خندق کے بارے میں جابرؓ کی روایت ہے، غزوہ خندق کے موقع پر سورج غروب ہونے کے بعد عمر بن خطابؓ آئے اور کفار قریش کو برا بھلا کہنے لگے اور کہا "اے اللہ کے رسول ﷺ میں نے سورج ڈوبتے ڈوبتے نماز پڑھی ہے، کیا قبولیت ہوگی، آپ نے فرمایا اور میں نے اللہ کی قسم! ابھی بھی نہیں پڑھی۔"

پھر ہم نبی ﷺ کے ساتھ وادی بطحان گئے، آپ نے وضو کیا اور ہم نے بھی وضو کیا اور سورج غروب ہونے کے بعد عصر کی نماز پڑھی پھر اس کے بعد مغرب پڑھ لی۔

صلح حدیبیہ، ہوازن و غزوہ خیبر میں عمرؓ

صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے عمرؓ کو مکہ بھیجنے کے لیے بلایا تاکہ وہ قریش مکہ کو اپنی آمد کا مقصد بتا سکیں تو عمرؓ نے کہا "اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے اپنے بارے میں قریش سے خطرہ ہے اور مکہ میں بنو عدی بن کعب کا کوئی فرد رہائش پذیر نہیں جو میری مدد کر سکے، دوسرا میری قریش سے میری دشمنی بھی ہے اور انہیں میری سخت مزاجی کی خبر بھی ہے، سو میں آپ کو ایسا آدمی بتاتا ہوں جو ان کے نزدیک بہت باعزت ہے، وہ عثمان بن عفان ہیں" آپ نے انہیں بلایا اور انہیں ابوسفیان اور دیگر اشراف قریش کے پاس اس پیغام کے لیے رخصت کیا کہ "ہماری آمد کا مقصد جنگ کرنا نہیں بلکہ ہم خانہ کعبہ کی زیارت اور اس کی تقدیس و تعظیم کرنے آئے ہیں۔"

(جاری ہے)



biazdill@naeyufaq.com

بیاضِ دل

میمونہ رومان

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

خزاں کا جبر تو سینے پر روک لیتے ہیں
ہمیں اداس بہاروں سے خوف آتا ہے
ملے ہیں دوستو بے ساکھیوں سے غم اتنے
مرے بدن کو سہاروں سے خوف آتا ہے

شاہ بہرام انصاری...... ملتان

مانا کہ یہ دل اداس ہے
پر تیرے ملنے کی آس ہے
میلوں کا فاصلہ ہے پھر بھی
لگتا ہے تو میرے پاس ہے

رضوانہ وقاص...... کرلاں ہری پور

دل بہت اداس ہے محبتوں کے موسم میں
کیسی پیاس ہے محبتوں کے موسم میں
آنکھیں خواب، خواب ہیں ہرطرف گلاب ہیں
معاملہ حساس ہے محبتوں کے موسم میں

شہزادی فرخندہ...... خانیوال

تیرے وعدے کو کبھی جھوٹ نہیں سمجھوں گا
آج کی رات بھی دروازہ کھلا رکھوں گا

ارم صابرہ...... تلہ گنگ

دل اگر بے نقاب ہوتے
تو سوچو کتنے عذاب ہوتے

شاہانہ وجاہت...... فیصل آباد

وابستہ میری یاد سے کچھ تلخیاں بھی تھیں
اچھا کیا جو مجھ کو فراموش کردیا

شبنم کرن...... گوجرہ

اجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دو
نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہو جائے

ایمن کاشف...... کراچی

شوقِ وصال ہے یہاں لب پہ سوال ہے یہاں
کس کی مجال ہے یہاں ہم سے نظر ملا سکے

دلکش مریم...... چنیوٹ

ہر سال عید آتی ہے اور گزر جاتی ہے
جس عید پر تم آئے مجھے وہی پسند ہے

رخسانہ سعید...... کراچی

اُدھر سے چاند تم دیکھو، اِدھر سے چاند ہم دیکھیں
نگاہیں جو ٹکرائیں کہ دو دلوں کی عید ہوجائے

حرا رمضان...... اختر آباد

ملنے ہی چلے آؤ عید کا دن ہے
دیکھو! یوں نہ تڑپاؤ عید کا دن ہے
یہ دستورِ زمانہ ہے حرا معلوم تمہیں بھی ہوگا
آ کر ہمیں گلے سے لگاؤ عید کے دن ہے

عائشہ پرویز...... کراچی

تیری یادوں کی کتابوں کو سامنے رکھ کر
میری عیدیں بند کمروں میں گزر جاتی ہیں

ثنا ریاض...... بوسال سکھا

یوں تیری چاہتیں سنبھالتی ہوں
جیسے عیدی ہو میرے بچپن کی

ہالہ سلیم...... کراچی

کیسی عید ہے دلکش
گلے کوئی اپنا نہیں ملتا

حافظہ زانمہ، حافظہ ریحانہ...... میانوالی

دلی آرزو ہے کہ عید پہ تجھ سے گفتگو کروں
مگر یہ حسرت، حسرتوں کا شمار رہی

شمع مسکان...... جام پور

عید آئی ہے تو آنکھوں میں اتر آئے ہیں
ہجر کی اوس میں بھیگے ہوئے پنچھی کتنے

فصیحہ آصف خان...... ملتان

نہ پڑیں کبھی مدھم یہ خوشیاں روشنیاں عید کی
قدم قدم پر ملے آپ کو چمکتی کہکشاں عید کی

ثانیہ گل...... لوگی

اداسیوں کی شام اور یادوں کا یہ سماں
اپنی پلکوں پر ہرگز ستارے نہ لائیں گے
رکھنا سنبھال کے چند خوشیاں میرے لیے
میں لوٹ آؤں گا تو پھر عید منائیں گے

مدیحہ نورین مہک...... برنالی

یوں تیری چاہتیں سنبھال رکھی ہیں
جیسے عید ہو میرے بچپن کی

حمیرا نوشین...... منڈی بہاؤ الدین

عام دنوں کا تو حساب رہنے دو
یہ بتاؤ عید پر مجھے یاد کیا تم نے

حلیمہ سعدیہ...... تل خالصہ

اس عید پر ہم نہ ملیں گے تو کیا ہو
جذبوں میں ہو خلوص تو عیدیں ہزاروں

لائبہ مہر...... حضرو

روزے رکھ کر صرف جو پانی پیئے افطار پر
کیسے بچوں کو کرے خوش عید کے تہوار پر

حرا رمضان...... اختر آباد

کاسۂ دل میں درد مسلسل ہے فقط
بتاؤ تو سہی کس طرح مناؤں یہ عید

زویا خان بنگش...... پنڈی

عید کے چاند کی مانند ہوا ہے اب تو
ہائے وہ شخص جو روز ملا کرتا تھا

ثمرین حسیب...... ٹین والٹر

ہجر میں تپتی ہوئی غزلیں تو اب ہونے لگیں
وصل کے ورنہ سجل نغمے کہا کرتی تھی میں
وہ سراپا ناز تھا، ماہِ دسمبر کی طرح
اور ماہِ جنوری جیسی ہوا کرتی تھی میں

فریحہ امید چوہدری...... گوجرانوالہ

نہیں فرصت یقیں مانو ہمیں کچھ اور کرنے کی
تیری باتیں تیری یادیں بہت مصروف رکھتی ہیں

زنیرہ مغل...... چیچہ وطنی

اپنوں میں مجھے کوئی اپنا نہیں ملتا
اس بھیڑ میں لوگوں کو شناسا نہیں ملتا
حالات کے چکر میں پھنسی ہے میری کشتی
ساحل پر پہنچ کر بھی کنارہ نہیں ملتا

مسکان نور...... قصور

سوچوں تو ساری عمر محبت میں کٹ گئی
دیکھیں تو اک شخص بھی میرا نہیں ہوا

عائشہ سلیم...... کراچی

طے تھا کہ جانا ہے مگر وہ مڑنا یاد آتا ہے
وہ چہرہ وہ آنچل، وہ تیری زلفوں کو تکنا یاد آتا ہے
وہ چلا گیا تو سمجھے مقدر میں نہیں تھا ماہر
اب محبت کو مقدر میں بدلنا یاد آتا ہے

رخسانہ قسم گل...... کراچی

یوں لب کشا ہوں میں اسے بھا جائے میری بات
دل میں اتر کے روح پہ چھا جائے میری بات
خوشبو نہ جن کی ختم ہو رنگت پڑے نہ ماند
گلشن میں ایسے پھول کھلا جائے میری بات

ایم انجم...... چناب نگر

کہاں یہ بس میں کہ ہم خود کو حوصلہ دیتے
یہی بہت تھا کہ ہر غم پہ مسکرا دیتے
اب اس کی یاد ہے، اُس کا بدن تراشتے ہیں
وہ خواب بھی تو نہیں تھا کہ ہم بھلا دیتے

روبینہ رمضان انصاری...... دینہ

پاس وہ آئے تو یہ اس کی عقیدت ہوگی
شاید اس شخص کو بھی مجھ سے محبت ہوگی
یوں نہ چپ چاپ میرے پاس آیا کر
بڑھ گیا پیار تو اک دن مصیبت ہوگی

info@naeyufaq.com

ڈشس مقابلہ

طلعت آغاز

ایگ فرائیڈ رائس

اجزا:۔

چاول	آدھا کلو
کٹی ہری پیاز	ایک کپ
گاجر	آدھا کپ
انڈے	دو عدد
تیل	چوتھائی کپ
کٹا ہوا لہسن	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	ایک چائے کا چمچہ
کالی مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
سویا ساس	دو کھانے کے چمچے

ترکیب:۔

چاول ابال لیں تیل گرم کرکے اس میں کٹا ہوا لہسن ایک منٹ کے لیے بھونیں۔اب اس میں پھینٹے ہوئے انڈے، کٹی ہری پیاز اور چھوٹے کیوبز میں کٹی گاجر ابلے چاولوں کے ساتھ شامل کرکے اچھی طرح مکس کرلیں پھر اس میں کالی مرچ اور سویا ساس ڈال کر اچھی طرح مکس کریں اور کھانے کے لیے پیش کریں۔

شاہ بہرام انصاری.....ملتان

مصالحہ دار بریانی

اجزا:۔

چاول	ایک کلو
بیف (بون لیس)	ایک کلو
آلو	آدھا کلو
ٹماٹر	ایک کلو
فرائی پیاز	ایک پاؤ
لہسن ادرک کا پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
دہی	آدھا کلو
ہری مرچ	حسب ضرورت
لیموں	ایک پاؤ
ثابت گرم مصالحہ	حسب ضرورت
ہلدی	۲ چائے کے چمچ
پسی لال مرچ	۲ چائے کے چمچ
پسا دھنیا	۲ چائے کے چمچ
پسا گرم مصالحہ	۲ چائے کے چمچ
نمک	حسب ضرورت
چاٹ مصالحہ	۲ چائے کے چمچ
زردے کا رنگ	آدھا چائے کا چمچ
خشک آلو بخارے	۱۰۰ گرام
بریانی ایسنس	چند قطرے
تیل	ایک کپ
دودھ	آدھا کپ

ترکیب:۔

چاول کو ثابت گرم مصالحہ شامل کرکے ابال کر چھان لیں، دہی کو پھینٹ لیں اور اس میں لہسن ادرک کا پیسٹ، نمک، ہلدی، پسی لال مرچ، پسا گرم مصالحہ، پسا دھنیا اور پسا زیرہ کو اچھی طرح مکس کریں اور گوشت پر لگا کر آدھے گھنٹے کے لیے رکھ دیں اور ساتھ ہی فرائی پیاز بھی مکس کردیں پھر ٹماٹر، آلو، لیموں، ہری مرچ میں پسی لال مرچ، نمک، ہلدی، پسا دھنیا، پسا گرم مصالحہ، چاٹ مصالحہ اور پسا زیرہ مکس کرکے الگ فرائی پین میں فرائی کرلیں۔ اب گوشت کو تیل گرم کرکے پکالیں۔ جب تیل الگ ہونے لگے تو آدھے ٹماٹر کاٹ کر شامل کردیں۔ پانچ منٹ بھونیں ساتھ ہی آلو بخارے بھی شامل کردیں اب پتیلی میں پہلے چاول کی تہہ پھر گوشت مصالحے کی پھر چاول کی اوپر سے فرائی آلو، ٹماٹر، ہری مرچ اور لیموں کی تہہ لگادیں۔زردے کا رنگ بریانی ایسنس شامل کرکے دم لگادیں۔

شگفتہ خالد...... رحمان گڑھ

مکھنی سبزیاں

اجزا:۔

بھٹے	120 گرام
سفید لوبیہ	120 گرام
ہری پھلیاں	120 گرام
مکھن	تین کھانے کے چمچ
نمک	حسب ضرورت
سیاہ مرچ پاؤڈر	حسب ضرورت
پارسلے (چوپ کرلیں	حسب ضرورت

ترکیب:۔

ایک سوس پین میں پانی ڈال لیں اور اس میں بھٹے، لوبیا اور ہری پھلیاں ڈال کر ابال لیں، جب گل جائیں تو چھان کر خشک کرلیں۔ ایک سوس پین میں ہلکی آنچ پر مکھن پگھلائیں اور اس میں ابلی ہوئی سبزیاں ڈال کر ہلکی آنچ پر کچھ دیر کے لیے پکائیں، اس کے بعد اس میں نمک اور سیاہ مرچ پاؤڈر شامل کر کے اچھی طرح مکس کرلیں، مزے دار مکھنی سبزیاں تیار ہیں، ایک سرونگ باؤل میں نکالیں اور پارسلے چھڑک کر سرو کریں۔

سیدہ الماس فاطمہ...... گجرات

امرود کا شربت

اجزا:۔

پکے امرود	ایک کلو
پانی	ڈیڑھ کلو
چینی	ایک کلو
سٹرک ایسڈ	چھ چھوٹے چمچ
پوٹاشیم میٹابائی سلفائیٹ	آدھا چھوٹا چمچ
کھانے والا زرد رنگ	دو بوند

ترکیب:۔

امرودوں کو دھو کر باریک کاٹ لیں، پریشر ککر میں امرودوں کے کچے ٹکڑوں کو پانی میں اتنا پکائیں کہ ان کی خوشبو اور ذائقہ پانی میں اتر آئے، چھلنی کو ایک برتن پر رکھ کر رس کو چھان لیں، امرودوں کو دبائیں یا نچوڑیں نہیں، رس میں چینی کو حل کرلیں پھر ٹھنڈا ہونے دیں، چینی کی میل نکالنے کے لیے چینی والے رس کو چھانیں سٹرک ایسڈ، پانی میں گھلا پوٹاشیم میٹابائی سلفائیٹ اور کھانے والا زرد رنگ ملائیں، اب اسے ڈھکن والی بوتل میں بھر کر صاف اور خشک جگہ پر رکھیں اور شربت کا مزا لیں۔

منزہ جاوید...... کراچی

شملہ مرچ پیاز گوشت

اجزا:۔

گوشت	آدھا کلو
شملہ مرچ	آدھا کلو
ٹماٹر	تین یا چار عدد (درمیانہ
سرخ مرچ	حسب ذائقہ
ہلدی	1/2 چائے کا چمچہ
تیل گھی	حسب ضرورت
ہرا دھنیہ	1/2 گڈی باریک کٹی ہوئی

ترکیب:۔

ایک دیگچی میں گھی گرم کریں اس میں ایک پیاز کاٹ کر ڈال دیں جب پیاز براؤن ہوجائے تو گوشت ڈال دیں اس میں نمک، سرخ مرچ اور ہلدی ڈال کر چند منٹ بھونیں پھر پانی ڈال کر گوشت گلنے تک پکائیں، پانی خشک ہونے پر گوشت بھون لیں اس میں شملہ مرچ اور ٹماٹر گول گول کاٹ کر ڈال دیں، چمچہ چلاتی رہیں تاکہ نیچے لگنے نہ پائے، پیاز مرچیں گل جائیں اور تیل الگ ہوجائے تو ہرا دھنیہ چھڑک کر چولھا بند کردیں۔

نزہت جبین ضیاء...... کراچی



biazdill@naeyufaq.com

نیرنگ خیال

ایمان وقار

تم میرے تھے

جب تک میری دسترس میں تھے
تم میرے تھے اور میں تیری تھی
جب تم مجھے چھوڑ کر چلے گئے
اور کسی کی زلفوں کے
اسیر ہو گئے
پھر تم میرے کس طرح
اور میں کس طرح تمہاری؟

فریدہ جاوید فری......لاہور

معصوم آنکھیں

جی بھر کے ستاتی ہیں وہ معصوم سی آنکھیں
خوابوں میں اب آتی ہیں وہ معصوم سی آنکھیں
اک ہجر کے غم میں رہے مغموم ہمیشہ
کیوں بھول نہیں پاتیں وہ معصوم سی آنکھیں
جن کو نہ بیاں کرسکے الفاظ انہیں پھر
آنکھوں سے سناتی ہیں وہ معصوم سی آنکھیں
خوابوں سے میرے چھین کے تعبیر ملن کی
کیوں ؟ مجھ کو رُتی ہیں وہ معصوم سی آنکھیں
پڑتی ہے نظر پھر ان پہ تو آنکھوں کے رستے
دل میں چلی آتی ہیں وہ معصوم سی آنکھیں

نگہت غفار......کراچی

میرا دیس

میرا دیس ہے میری جان
نام ہے اس کا پاکستان
اس میں بسی میری شان
اس میں چھپی میری پہچان
میرے لیے زمین پہ جنت
گویا ہے اس کا جہان
اس کے باسی اس کی آن
اس کی عظمت کے نشان
پاک فوج ہے اس کا مان
اس کی مٹی پہ قربان
کشمیر ہے اس کی شہہ رگ
یہ ہے قائد کا فرمان
بہرام تیرے شعروں سے
مہکتا رہے یہ گلستان

شاہ بہرام انصاری......ملتان

جاناں

جاناں!
جب کانچ اٹھانے پڑ جائیں
تم ہاتھ ہمارا لے جانا
جب سمجھ کہ کوئی ساتھ نہیں
تم ساتھ ہمارا لے جانا
اور راستے ہیں دشوار بہت
تب ہم کو اپنا کہہ دینا
بے باک سہارا لے جانا
جو بازی بھی تم جیتو گے
جو منزل بھی تم پاؤ گے
ہم پاس تمہارے ہوں نہ ہوں
احساس ہمارا لے جانا
اگر یاد ہماری آ جائے
تم پاس ہمارے آ جانا
بس اک مسکان ہمیں دے دینا
تم جان ہماری لے جانا
جب کانچ اٹھانے پڑ جائیں
تم ہاتھ ہمارے لے جانا

میں کھو جاؤں
یقین دلاؤ
ڈھونڈو گے

سمیرا سواتی...... بھیر کنڈ

بے اعتباری

کسی نے
پوچھا
ہم سے
بے اعتباری
کیا چیز ہے
ثمرہ
تو ہم
نے مسکرا
کر کہا
وہی جو
اپنوں سے
ملتی ہے

ثمرہ گلزار...... کوٹلی گجرات

آج کی دنیا

یہ آج
اور یہ کل
جس میں ہم جی رہے ہیں
یہ دنیا
اور یہ کائنات
جس میں ہم رہ رہے ہیں
ہے بھری ہوئی یہ بے حسی سے
ہیں لوگ اوڑھے ہوئے لبادہ
منافقت کا
کوئی کسی کا بھی نہیں
ہیں اس میں
خود غرض نمائشیں

رضوانہ وقاص...... کرلاں ہری پور

پیارے لوگ

کیا کہیے مفہوم جنوں سے ہیں کتنے بیگانے لوگ
دیوانے کو ہوش کی باتیں آتے ہیں سمجھانے لوگ
کس کو کرم آمادہ سمجھیں کس کو ستم ایجاد کہیں
سب جانے پہچانے چہرے سب جانے پہچانے لوگ
کتنے ساد کتنے رنگین کتنے پیارے لگتے ہیں
روٹھے روٹھے برہم برہم بیگانے بیگانے لوگ
کیسے کیسے گل مرجھائے کیسے کیسے باغ جلے
صدیوں میں بھی کہہ نہ سکیں گے لمحوں کے افسانے لوگ
ماہر فن جو نکلے ان کو عظمت فن کا تاج ملا
ہم تو اک فنکار تھے شاعر ہم کو کب پہچانے لوگ

صدف عادبانی بلوچ...... گھوٹکی

باوفا لوگ

زخم کھا کر جو دعا کرتے تھے
ایسے بھی لوگ ہوا کرتے تھے
سب کو آسانیاں دے کر پھر بھی
خود وہ مشکل میں رہا کرتے تھے
ہاں وہی چاک گریباں والے
ہاں وہی لوگ وفا کرتے تھے
ہائے وہ لوگ جو سچ کی خاطر
جھوٹ کو جھوٹ کہا کرتے تھے
کوئی جگنو یا ستارا لے کر
روشنی گھر میں کیا کرتے تھے
راہرو راہ محبت کتنے
روز رستے میں ملا کرتے تھے
اب انہیں ڈھونڈتا رہتا ہوں کہ جو
صبر کا درس دیا کرتے تھے

صدف عادبانی بلوچ...... گھوٹکی

سو

فرض کرو

ہر اک چہرے پر
ہے اک نیا چہرہ
ہر کوئی ہے بے یقین
ایک دوسرے پر
مطلب سے بھری یہ دنیا
جس میں
آج کل
ہم جی رہے ہیں
اور شاید
ہم جیتے ہی رہیں گے

میرب شبیر...... منڈی فیض آباد

زندگی

دھواں دھواں ہے زندگی
ابر آسماں ہے زندگی
کبھی آندھیوں سی ہے زندگی
کبھی بادلوں سی ہے زندگی
کبھی کچھ ہی پل پہ محیط ہے
کبھی سمندروں سی طویل ہے
کبھی انگاروں سی تپش ہے اس میں
کبھی شبنم لگے ہے زندگی
کبھی پستیوں میں دھکیل دے
کبھی آسماں سے میل دے
کبھی پہاڑوں کے جیسی ہے یہ
کبھی مثل ریت ہے زندگی

صبا اسحاق مغل...... مقام نامعلوم

تنہائی

اس تنہائی کے عالم میں
چارسوں سے چارسوں تک
تنہائی تنہائی ہے
اس تنہائی میں ہم
بالکل تنہا ہی کھڑے ہیں
حالات کی کٹھنائیوں نے
قدم لڑکھڑا دیے ہیں
وقت تو جب بھی نہ رکا تھا
وقت اب بھی نہ رکے گا
جب بالکل تنہا ہمیں چھوڑ گئے تھے بابا
تب سے آج تک ہم تیری یاد میں
اے بابا تنہا ہی روئے ہیں
پھر خود ہی اپنے میلے گداز ہاتھوں سے
تنہا آنسو صاف کیے
مگر اب وقت بدل گیا ہے
تجھے گئے عرصہ بیت گیا ہے
آج آ کر دیکھ ذرا
تیرے جانے کے بعد
تیرے آنگن کا شیرازہ
کیسے بکھر گیا
یہ لاشہ زندہ تو ہے مگر
اے بابا
اس زہر آلود تنہائی نے
ہمیں اندر سے بالکل مار دیا ہے

نبیلہ ناز...... موڑ الہ آباد

امیدوں کے ساحل پر

خواب پوش آنکھوں میں
آنسوؤں کا بھر جانا
امیدوں کے ساحل پر
تتلیوں کا مر جانا
بہار کی ہواؤں میں
خوشبوؤں کا ڈر جانا
دل کے گلستان میں
حشر برپا ہو جانا
یوں تیرا جدا ہونا
درد لا دوا ہونا

کیا بہت ضروری تھا؟

فوزیہ تحریم......منڈی فیض آباد

خاموشی

پھر خاموشی سے نجانے میں نے
کتنے چہروں کو بے نقاب ہوتے دیکھا
پھر اس کے ایک جھوٹ پر میں نے
اپنے سارے سچ قربان کردیئے
مرنے کے لیے بھی انسان کا زندہ ہونا ضروری ہے
صدیوں سے ایک طویل سفر
میں یوں جس کی شاید کوئی منزل نہیں
اور میرا دل ایک کھنڈر ہے
جس میں نجانے کتنے ارمانوں امیدوں کو
روز دفن کرتی ہوں
اور پھر نجانے کتنے ارمانوں کو
میں نے امید کی تھپکی دے کر سلادیا

انعم اسحاق......برنالی

خواہشیں

میری صدا پہ رکتے ہو نہ مجھے آواز دیتے ہو
پھر بھی مجھ سے کہتے ہو کیوں اداس رہتے ہو
تم میری اداس شام میں ہو آس کے جنوں کی مانند
پر جانے کیونکر خفا خفا تم کس نگری میں رہتے ہو
کبھی لوٹ کر آؤ تو دیکھو آزردہ زندگی
نجانے کسے کھوجتے ہو تم کس الجھن میں رہتے ہو
ہیں وقت کی قید میں خواہشیں کھو گئیں میری راحتیں
میرا اقرار لے کر بھی کیوں تم بے چین رہتے ہو
کسی اور سے رکھا ہے تعلق نہ کوئی واسطہ
تم گئے تو ہو مگر پھر بھی میری ہر بات میں رہتے ہو

نائلہ ذیشان بٹ......

تیری نینوں پہ

وفاؤں کے مہکتے گلوں سے
میں نے اک دن
مسکرانے کا سبب پوچھا
تو کہنے لگے
تمہیں ہمارے مسکراتے چہرے
تو نظر آئے
مگر ان سے ٹپکتا لہو نظر نہ آیا
تیری نینوں پہ ہے کیسی پٹی
جو مجھے کچھ دکھائی نہیں دیتا
دیکھ ہم مہکتے ہیں اس لیے
صدیقؓ کی صداقت ہے ہم میں
عمرؓ کی عدالت ہے ہم میں
عثمانؓ کی سخاوت ہے ہم میں
علیؓ شیر خدا کی شجاعت ہے ہم میں
معاویہؓ کی سیاست ہے ہم میں
ان کے سچے اور سچے جذبات
سے ہم ہیں مہکتے
یہی نہیں نبی کے سارے صحابہؓ کی
قربانیوں کا کوششوں کا
محبتوں کا، الفتوں کا
حسین گلدستہ بن کر
مسکرانے لگے ہم شاز
گلوں کی صورت میں

شازیہ ہاشم میواتی......

باد صبا

تجھ کو دیکھا جب بھی غزل ہوگئی
یوں زندگی میری بھی سہل ہوگئی
باد صبا چلی تیرا نام لے کر
اک خوش بو جیسی بات برمحل ہوگئی
فضاؤں کے پرندے اترے ساحل پر
شجر کی ہر شاخ جیسے بے کل ہوگئی
تم تو جا رہے ہو مجھے چھوڑ کر
جیسے اب فیصلے کی گھڑی اٹل ہوگئی

گزرتے رہے ہیں گزرتے رہیں گے
زمانے کی اب کیسی بگڑی شکل ہوگئی
سنا کرتے ہیں سیف اصل سے خطا نہیں
جو اصل بات تھی دراصل نقل ہوگئی
سیف الاسلام...... لیاقت آباد

ابھی کچھ دیر تو ٹھہرو

بھلے تم بھی چلے جانا
ابھی کچھ دیر تو ٹھہرو
مجھے کچھ کہنا ہے تم سے ابھی کچھ دیر تو ٹھہرو
کچھ وعدے تم سے کرنے ہیں
کچھ باتیں تم سے کرنی ہیں
ابھی کچھ دیر تو ٹھہرو
تیری پلکوں کو چھونا ہے
تیرے آنسوؤں کو پینا ہے
تیرے ہر دکھ کو سننا ہے
تیرے ہر غم کو سہنا ہے
ابھی کچھ دیر تو ٹھہرو
یہ تم سے عہد لینا ہے
کہ میرا ساتھ دو گے کیا؟
سدا میرے رہو گے کیا؟
ابھی تو دن بھی باقی ہے
ابھی تو شام ہونی ہے
ذرا سورج تو ڈھلنے دو
ابھی کچھ دیر تو ٹھہرو
شاہین کی آس تم سے ہے
شاہین کی پیاس تم سے ہے
خوشی سے لہلہانا ہے
تیری قربت کو پانا ہے
ابھی کچھ دیر تو ٹھہرو......!

سدرہ شاہین...... پیروال

بس انتظار کرنا

کوئی گلہ شکوہ ہو مجھ سے
تو دل میں نہ رکھنا بتا دیا کرنا
کبھی کوئی بھی چوٹ آئے تو
زخم چھپانا مت دکھا دیا کرنا
کبھی جو محسوس کرو تنہائی جانِ مسکان
تو اداس مت ہونا مجھے بلا لیا کرنا
میں کسی بھی موڑ پر بچھڑ جاؤں تم سے
تو بھول نہ جانا مجھے یاد کرلیا کرنا
دیکھ تو کہتا ہے ناں کہ میں تیرا ہوں
گر بدلنا چاہو رستہ تو سدا کرنا
میں لاکھ بری سہی پر تیری دیوانی ہوں
کچھ بھی ہو مجھے خود سے نہ جدا کرنا
میں پالوں گی تجھے اتنا یقین تو ہے مجھے
کبھی حوصلہ نہ توڑنا جان بس انتظار کرنا
(آمنہ رحمٰن مسکان...... ریالی، مری)

سنورا کر

پیار کا خوگر ہوں مجھ کو پیار سے دیکھا کرو
میں تمہارا ہوں مجھے تم غیر مت سمجھا کرو
بے سبب خاموش رہنا کیا یہ اچھی بات ہے؟
اس قدر بھی خامشی اچھی نہیں، بولا کرو
مانتا ہوں میں، بھلی سادہ مزاجی ہے، مگر
یہ گزارش ہے مری، میرے لیے سنورا کرو
میں نہ چاہوں گا محلے بھر میں ہو چرچا ترا
اس لیے کہتا ہوں تم سے چھت پہ کم آیا کرو
میں نے اپنی اس غزل میں تم پکارا ہے تمہیں
تم بھی اپنے خط میں مجھ کو آپ مت لکھا کرو
شاہین خواجہ...... مقام نامعلوم



dkp@naeyufaq.com



ہما احمد

بہنوں کے نام

پیاری آپی فریدہ جاوید فری! اب آپ کی طبیعت کیسی ہے، اللہ آپ کو مکمل صحت تندرستی عطا فرمائے، آمین۔ رابعہ احمد بھٹی ہمارا منیب الحسن ماشاءاللہ بہت ٹھیک ٹھاک ہیں۔ ہم آنچل میں نئے آنے والی بہنوں سدرہ افتخار، طیبہ مغل، شہناز رضا، رضیہ زمان، سلمیٰ جبار، ماہین علی، نمرہ شاہین، آفریدی، طیبہ یاسین کو خوش آمدید کہتی ہیں، ناہید کمال، شہزادی وردہ میری نگارشات پسند فرمانے کا شکریہ۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

آنچل کے قاری، بہن بھائیوں کو پیغام

السلام علیکم! "آنچل" کا مستقل مطالعہ کرنے والے تمام بہن، بھائیوں کی خدمت میں آداب میں گھلا ہوا سلام محبت سے عرض ہے۔ امید ہے سب کے سب خوش باش اور خیریت سے ہوں گے۔ میں پہلی دفعہ "دوست کا پیغام آئے" کی اس خوب صورت بزم میں شرکت کر رہا ہوں، یقین ہے، ہما آپی اور باقی تمام قارئین بندہ ناچیز کو خوش آمدید بولیں گے۔ آنچل کے بقیہ سلسلوں میں تو سال بھر سے شریک ہو رہا ہوں، اس بار سوچا نئی محفل میں بھی قدم رنجہ کیے جائیں یقیناً ہماری کوشش کی قدر کی جائے گی۔ پہلا پیغام لکھ رہا ہوں لہٰذا مختصر تبصرہ ہی کروں گا تاکہ باقی دوست ناراض نہ ہوں۔ آنچل کے سب ہی لکھنے والے قارئین حضرات بہت عمدہ لکھ رہے ہیں۔ بس چند سابق ماضی قریب میں لکھنے والے بھائیوں سے التماس ہے کہ وہ دوبارہ سے آنچل میں لکھا کریں اور اپنی خوب صورت کاوشوں سے اس کے صفحات کو سجائیں اتنی ساری بہنوں کے جھرمٹ میں ہمارا دل گھبرا رہا ہوتا ہے اس لیے آپ میل حضرات جلد سے جلد ادارے سے رابطہ کریں اور ایک بار پھر اس محفل کی رونق بڑھائیں اب امید کرتا ہوں کوئی نہ کوئی اچھا بھائی واقعی اپنے اچھی ہونے اور اپنی موجودگی کا احساس اور ثبوت دیتے ہوئے اگلے شمارے کا حصہ ہوگا۔ اگلے شمارے تک ہمیں بھی اجازت دیجیے۔ خدا نگہبان۔

شاہ بہرام انصاری...... ملتان

آنچل کے دوستوں کے نام

السلام علیکم! میری پیاری پیاری دوستوں کیسی ہو؟ میں تو بے حد بیمار ہوں، پہلے بھی میں نے خط لکھا تھا مگر میرا پیغام ہی نہیں شائع ہوا صرف شاعری ہی شائع ہوئی تھی۔ مجھے تو اس مرتبہ کسی نے بھی یاد نہیں کیا، صرف رابعہ احمد بھٹی نے یاد کیا شکریہ رابعہ جی میں نے مدیحہ نور مہک، ارم کمال، نزہت جبیں، فصیحہ آصف اور سباس گل، نگہت غفار اور پیاری نند پروین افضل، فہمیدہ جاوید، رضوانہ وقاص، نجم انجم، طیبہ نذیر اور سعدیہ ہما شیخ سب کو یاد کیا۔

فریدہ جاوید فری...... لاہور

اپنے عزیز اقارب کے نام

السلام علیکم! سہیل ماموں اور نبیلہ مامی، آپ دونوں کو ماموں کے لیٹر ہونے کی مبارک ہو۔ اللہ کریں آپ ہمیشہ ہنستے مسکراتے رہو۔ بس ایک کمی ہے اولاد کی اللہ آپ کی جھولی بھر دیں آمین۔ میں صبح شام دعا کرتی ہوں اللہ قبول کریں، لاہور کا موسم کیسا ہے؟ ادھر تو ٹھنڈ ہوگئی ہے باقی ماموں، ممانیاں کو سلام اور ماموں کی مبارک یہ سب کراچی میں رہتے ہیں، نانو کیسی ہے۔ سعد بشارت، نائلہ بھابی آپ لوگ کیسے ہیں، اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھیں آمین۔ میرے پیارے شوہر کو پروموشن کی مبارک، اللہ پاک آپ کو ہر میدان میں کامیاب کریں، آپ ہمیشہ خوش رہیں میرے ساتھ بھی میرے بعد بھی۔ سمیر پپی برتھ ڈے ٹو یو، مینی مینی مور۔

میرے بعد جب ہوگئی میرے لفظوں سے آشنائی گونجیں
گے میرے لفظوں کہ گونج اٹھے گی شہنائی
مہکتے سارے لفظوں کو یوں نام تمہارے کردیا
جن سے میرے بعد بھی تمہاری مہک اٹھے گی تنہائی

رضوانہ وقاص...... کرلاں ہری پور

شجاعت حسین بھائی کے نام

السلام علیکم! بھائی کیسے ہو؟ میری دعا ہے بلکہ ہم سب گھر والوں کی دعا ہے کہ تم سدا خوش اور ہنستے کھلکھلاتے رہو، حیران ہورہے ہوتاں۔ ہاں جی ہم یوں ہی حیران کردیا کرتے ہیں، ارے یہ میں ہوں تمہاری بہن ایم بی۔ اچھا اب اپنا بہت سارا خیال رکھنا، سردی بہت ہوگئی ہے، دھیان سے رہنا، اللہ حافظ۔

MB اکوال...... تلہ گنگ

بہت خاص اپنوں کے نام

تمام دوستوں کو دل سے سلام۔ فوزیہ مجھے سمجھ نہیں آتی کیا لکھوں آپ کے بارے میں، بس میں نے ہر طریقہ سے بھولنا چاہا آپ پھر بھی یاد آتی ہیں۔ خیر دعا ہے کہ آپ خوش رہیں اور ممانی جلد از جلد صحت یاب ہوجائیں اور اریبہ آپ خوش رہا کرو، یہ دنیا ہے ڈئیر کوئی کسی کے ساتھ وفا نہیں کرتا اور زاہدہ ملک آپ سے مل کر آپ کو دیکھ کر بہت اچھا لگا، آپ کے شہر سے بہت سی انمول یادیں لے کر واپس آئی ہوں۔ بشریٰ باجوہ مجھے بہت اچھا لگتا ہے جب آپ میرا اتنا خیال رکھتی ہیں ورنہ کچھ لوگ تو کہتے ہیں تمہارے ساتھ تو...... شکریہ شہلا جی آپ کے پاس بہت جلد آؤں گی، سحرام فروا اور ام مریم علیم رائٹر آپ سب بہت اچھی ہیں۔ آپ سب کے پیار کا بہت شکریہ اور بقایا فرینڈز جنہوں نے دوستی کے پیغام میرے نام لکھے تھے، خلوص دل سے قبول کرتی ہوں آپ کی اپنی۔

صنم ناز...... گوجرانوالہ

پیاری کرن کے نام

السلام علیکم! کیسی ہو تم؟ بہت یاد آتی ہو خود تو شادی کروا کے چلی گئی ہو مگر مجھے بہت اداس کر گئیں، بے شک فون پر بات ہوجاتی ہے مگر وہ بات نہیں ہے جو مل بیٹھنے میں ہے، تمہیں میری اور آنچل کی طرف سے شادی مبارک اور ارشد بھائی کو سلام۔ میری اللہ سے دعا ہے وہ تمہیں شاد و آباد اور سدا سہاگن رکھے، تمہاری تمام خواہشات پوری کرے اور زندگی کی ہر مشکل میں صبر و ہمت عطا فرمائے آمین، سدا خوش رہو، فقط تمہاری نادان دوست۔

نورین اکرم...... ہری پور

تمام آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! سویٹ سی تمام دوستوں چندا مثال، مسکان قصور، نبیلہ نازش، نورین شاہد، شاہ زندگی، انیس انجم، بیا، الفت زہرا ہراج، نادیہ کامران، فاخرہ، فضالہ سب کو بہت سارا پیار آ ئی مس یو فرینڈز اینڈ آئی لو یو۔ چندا یار! تم تو ایسی غائب ہوئیں کہ کئی ماہ گزر گئے جلدی سے انٹری دو، مسکان اپنا خیال رکھا کرو اور اب طبیعت کیسی ہے؟ اللہ آپ سب کو خوشیوں سے نوازے اور غم سے دور رکھے آمین۔ اللہ حافظ۔

رباب افضل...... پشاور

طیبہ کے نام

ڈئیر طیبہ! شکریہ کہ آپ نے میرے پیغام کو پزیرائی بخشی، اب بھول نہ جایئے گا، آنچل کے ذریعے رابطہ میں رہیے گا پلیز اور اگر آپ کو برا نہ لگے تو فون پہ رابطہ کرسکتی ہوں؟

عظمیٰ اکبر...... گوجرانوالہ

پیارے بھیا کے نام

السلام علیکم! کیسے ہو بھیا؟ ہوگئے ناں حیران، یار میں ہوں ارم آپ کی چھوٹی بہن اور آنچل میں شرکت کررہی ہوں، صرف آپ کو آپ کا جنم دن وش کرنے کے لیے۔ سالگرہ مبارک ہو بھیا، جیتے رہو، خوش رہو، لمبی عمر پاؤ جو صحت و تندرستی سے بھرپور ہو اور ہمیشہ ہمارے ساتھ رہو، آمین ثم آمین۔ ماشاء اللہ بیس برس کے ہوگئے اب تو بڑے ہوجاؤ (ہاہاہا) اور کیک لے کے فوراً گھر پہنچو، اوکے صبا اور قمر بھی وش کررہی ہیں آئی لو یو بھائی۔

ارم نور...... راولپنڈی

آنچل بہنوں کے نام

السلام علیکم! ان سب بہنوں کی تہہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے بذریعہ موبائل پیغامات دیئے اور فون کیے۔ ان سب سے یہ کہنا ہے کہ مصروفیت کی وجہ سے سب کو جواب دینا ذرا مشکل ہے، سو ناراض مت ہوجایئے گا۔ شہناز، بجل، حرا، سدرہ شاہین، صوفیہ بشیر، بشریٰ، مرینہ اور بے شمار بہنیں ایک بار پھر بہت شکریہ اور ڈھیر ساری دعائیں آپ سب کے لیے مجھے بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ اللہ پاک آپ سب کو خوش

رکھے آمین۔ آپ کی بہن۔

فضیلہ خان......کوئٹہ

زندگی اداس ہے
"بچھڑا کچھ اس ادا سے مائی ویلنٹینس"

کلینڈر کے سیاہ اور سفید خانوں میں وقت چاہے سال بہ سال آگے بڑھ رہا ہو مگر مجھے لگتا ہے وقت ٹھہر گیا ہے۔ وقت ہمیشہ کے لیے میرے بابل کے اس آنگن کے سرد برآمدے میں آ کر رک گیا ہے، جہاں چارپائی پر رضائی اوڑھے، محبتیں لٹاتا، فرض نبھاتا میرا اعزیز از جان بھائی ابدی نیند سو رہا ہے۔ چودہ ستمبر کو مجھے وہ شخص چھوڑ گیا جس سے میں عشق کرتی ہوں، ہر بندہ بشر میں ذاتی خوبیاں اور خامیاں ہوتی ہیں مگر بھائی جان نے جس طرح رشتوں کو نبھایا چھوٹی سی عمر میں دنیا کی ہر برائی اپنی ذات پر سہہ کر ہمیں پالا تو آج میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ دنیا میں "میرے بھائی سے اچھا کوئی اور بھائی نہیں ہوگا" ان کے پاس جب جتنا جیسا ہوا انہوں نے دوسروں کی مدد کی، وہ بھی اس طرح کے دوسرے ہاتھ کو خبر نہ ہو اس لیے ان کے جنازے میں ہزاروں لوگوں نے شرکت کی، ہر آنکھ پرنم تھی اور رونے والے ایسے لوگ بھی تھے جنہیں ہم نہیں جانتے تھے۔ وہ ہم تین بہنوں کا اکلوتے بھائی تھا، صرف اڑتیس سال کی عمر میں موٹر سائیکل ایکسیڈنٹ میں آن دا اسپاٹ ان کی ڈیتھ ہوگئی۔ انہوں نے ہمیں دعا مانگنے کا موقع بھی نہیں دیا۔ آج سے بائیس سال پہلے جب والد صاحب کا بلڈ کینسر کی وجہ سے انتقال ہوا تھا تو بھائی نے یتیمی کا دکھ صرف اٹھارہ سال کی عمر میں سہا اور آج اپنے بیٹوں جن کی عمریں نو اور بارہ سال ہے، یہ دکھ دے گئے۔ بھابی اپنے سب غم بھلا بیٹھی تھی، اک سہاگن کا پہلا رنگ روشنی اور محبتوں کا انمول جیون ساتھی، ہم بہنوں کے لیے ایک مان اک بھروسہ کہ کیسا بھی وقت ہو، بھائی جان ہے ناں......اپنے بھانجوں اور بھانجیوں کے لیے لاڈلا اکلوتا ماموں جان، اب تو زندگی زندگی نہیں لگتی، ہم سب نے ایک ساتھ بہت اچھا وقت گزارا، ہمارا درمیان ایسی بے مثال محبتیں تھیں کہ لوگ رشک کرتے تھے مگر اب صرف تنہائی ہے، اداسی ہے، انتظار ہے، مرنے والوں کے ساتھ ساتھ چند زندہ لوگوں کی دوری ذات کو روگ کی مانند چمٹ گئی ہے ان تمام دوریوں اور مجبوریوں کے باوجود میں ان سے رابطے میں ہوں۔ دعاؤں کا رابطہ جو بہت مضبوط ہوتا ہے، خوابوں کا رابطہ، جو بند آنکھوں کو چند لمحوں کی خوشیاں دیتا ہے اور کھلنے پر وہی آنکھیں جل تھل ہو جاتی ہیں، چاندنی چاندنی کا رابطہ کہ جو چاند میرے آنگن میں چمکتا ہے وہ شہر خموشاں کی اس قبر پر بھی چمکتا ہوگا جہاں ہم سب کا پیارا ابدی نیند سو رہا ہے وہی چاند اپنی روشنی اس چھت پر بھی بکھیرتا ہوا جہاں چند اپنے اور بہت پیارے بستے ہیں جن سے زندگی کی آخری سانسوں تک کے رشتے ہیں جن کی یادوں سے دلوں کا اک اک گوشہ مہکتا ہے جن کے لیے مانگی گئی دعاؤں کے پھولوں ہتھیلیاں بھری رہتی ہیں مگر جن کو دیکھنے کے لیے آنکھیں پل پل ترستی ہیں۔ کسی رائٹر نے بہت اچھی بات لکھی تھی کہ جانے والے وہاں چلے جاتے ہیں جہاں سے انہیں لوٹ کر کبھی نہیں آنا ہوتا، ہاں اب ہم ان کے پاس جائیں گے مگر مجبوری یہ ہے کہ اس کے لیے بھی ہمیں اپنی باری کا انتظار کرنا پڑے گا، میں بھائی جان کے لیے بہت پڑھتی ہوں، بہت صبر کرتی ہوں مگر جب اک لمحے کے لیے یہ خیال دل میں آتا ہے کہ انہیں کبھی نہیں دیکھ پاؤں گی تو ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ جاتے ہیں۔ آخر میں قارئین سے دلی درخواست ہے کہ میرے بھائی جان کی مغفرت کے لیے خصوصی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی تمام خطاؤں کو درگزر کر کے انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ درجات سے نوازے اور ہم سب کو اور خاص کر امی، بھابی اور بھائی کے بچوں کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ان کو نیکی، کامیابی زندگی، صحت سلامتی، ایمان اور ڈھیر ساری خوشیاں نصیب ہوں آمین ثم آمین۔

ام کلثوم......ملتان



yaadgar@naeyufaq.com



جویریہ سالک

حمد

میں پیاسا تھا
زمین پر اس نے ہر سو پانیوں کے جال پھیلائے
مرا جسم برہنہ دیکھ کر ذرّوں کی عریانی کو سبزے کی ردا بخشی
مرے گھر میں اندھیرا دیکھ کر
اس نے فلک پر چاند تاروں کی کئی شمعیں جلائیں
مجھے پھولوں کی چاہت تھی تو گلشن کے
ہر اک کانٹے کو اپنی نکہتیں تفویض کیں
اس نے مری محرومیوں کو
سب مناظر کی نگہبانی کا فرصِ دل نشیں بخشا
وہ میری جاگتی آنکھوں کو
نادیدہ جہانوں کو کئی قصے سناتا ہے
تھپک کر رات بھر مجھ کو سُلاتا ہے
مرا دل خود کو اس کے سجدۂ بےلوث پر مجبور پاتا ہے

غلام محمد قاصر

بیوی اور بیوہ

استاد (شاگرد سے) ''ونڈو شاپنگ کسے کہتے ہیں؟''
شاگرد: ''جب کوئی چیز کھڑکی میں کھڑے ہو کر خریدی جائے تو اسے ونڈو شاپنگ کہتے ہیں۔''

شاہ بہرام انصاری..... ملتان

ہنسیں مسکرائیں

☆ایک شرابی نے ایف ایم فون کیا کہ مجھے مال روڈ سے ایک لیڈیز پرس ملا ہے جس میں پندرہ ہزار روپے اور آئی فون تھرٹین اور شکیلہ نام کا شناختی کارڈ ملا ہے۔

ریڈیو ہوسٹ شاباش، زبردست تو آپ یہ پرس اور یہ سامان واپس کرنا چاہتے ہیں؟
نہیں...... میں چاہتا ہوں شکیلہ جی کے لیے ایک درد بھرا گانا ہو جائے۔

☆☆☆

اشنغ سویٹ ہاؤس کی شاپ پر لگا ایک اشتہار ہمیں اپنی شاپ کے لیے ایک ایسے ورکر کی ضرورت ہے جسے جس کو شوگر ہو۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

عقل کی باتیں

☆اعتبار شیشے کی مانند ہے جو ٹوٹ جائے تو کبھی نہیں جڑتا۔

☆انسان کی زبان خوب صورت ہے چاہے تو دل جیت لے چاہے تو دل چیر دے۔

☆انسان اپنے اوصاف سے عظیم ہے کیونکہ کوا محل کے مینار پر بیٹھ کر عقاب نہیں بن جاتا۔

☆زندگی کا ہر دن آخری سمجھو۔

رضوانہ وقاص...... کرلاں ہری پور

مسکرا بھی دیں

☆کمانڈرز کی سلیکشن انٹرویو میں ایک امیدوار سے سوال پوچھا گیا ہمیں ایسا امیدوار چاہیے جس کا دماغ متحرک ہو اور چوکنا ہو۔ جس کی سماعت تیز ہو کھوجی طبیعت ہو اور ہر وقت حملہ کے لیے تیار رہتا ہو۔

امیدوار: جناب فیرنس میری بیوی فوراً نے نوکری دے دیو۔

☆کیا آپ جانتے ہیں کہ شیر مخلوقات میں سے صرف اپنی بیوی ہی سے ڈرتا ہے کسی اور سے نہیں بس آپ بھی اگر اپنی بیوی سے ڈرتے ہیں تو گویا آپ بھی شیر ہیں۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

رشتوں کی اہمیت

○۔رشتے انمول ہوتے ہیں ان کی قدر کرنی

چاہیے۔

○۔ ہر رشتے کی اپنی پہچان ہوتی ہے۔

○۔ ہر رشتہ قابلِ احترام ہوتا ہے۔

○۔ اپنائیت کا احساس اپنوں سے ہوتا ہے۔

○۔ رشتوں میں اپنائیت نہ ہو تو رشتے ادھورے رہ جاتے ہیں۔

○۔ کچھ رشتے صرف نام کے رشتے ہوتے ہیں کام کے نہیں۔

○۔ جن رشتوں میں اپنائیت نہیں ہوتی وہ دیرپا ثابت نہیں ہوتے۔

○۔ رشتے سب عظیم ہوتے ہیں لیکن اپنائیت کا رشتہ سب سے بڑھ کر ہے۔

○۔ رشتوں میں اپنائیت کا احساس ختم ہو جائے تو پھر یہ بوجھ لگتے ہیں۔

○۔ رشتوں کو ترازو میں نہیں تولنا چاہیے کیونکہ یہ انمول ہوتے ہیں اور ان کی کوئی قیمت نہیں لگائی جاسکتی۔

○۔ جو رشتے اللہ تعالیٰ نے بنائے ہیں وہ بہت مضبوط ہوتے ہیں اور انہیں کوئی نہیں توڑ سکتا۔

اریج سحر...... چونالہ

کچھ ہٹلر کے بارے میں

ہٹلر کی نگاہ اس درجہ کمزور تھی کہ وہ چشمے کے بغیر کچھ بھی پڑھنے سے قاصر تھا مگر وہ عوام کے سامنے چشمہ استعمال کرنے سے گھبراتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ "فیوہر" کو چشمہ زیب نہیں دیتا اس لیے اس کے لیے مخصوص قسم کا ٹائپ رائٹر تیار کرایا گیا جس کے حروف خاصے بڑے تھے تاکہ وہ مسودے کو چشمے کے بغیر آسانی سے پڑھ سکے۔ اس کے ڈیسک پر ہمیشہ سرخ، سبز اور نیلے رنگ کی پینسلیں موجود ہوتی تھیں۔ سرخ دشمن، سبز دوست اور نیلی پینسل اجنبی لوگوں کو خط لکھنے کے لیے استعمال کرتا۔

سیدہ بشریٰ گلزار ہمدانی...... بھکر

مہکتے لفظ

❁ اپنے نفس کو قابو میں رکھو تا کہ اللہ تعالیٰ تم پر نازل ہونے والے قہر کو قابو میں رکھے۔

❁ انسان کا سب سے بڑا دشمن اس کا نفس ہے۔

❁ ہنر انسان کا سب سے بڑا دوست ہے۔

❁ تم اپنے اندر اتنی سچائی پیدا کرو کہ جھوٹ بھی تم سے دور بھاگے۔

❁ جینے کے لیے نام پیدا کرو اور مرنے کے لیے مقام۔

❁ دوست بنانا کوئی مشکل نہیں دوستی نبھانا مشکل ہے۔

❁ ایک سچا دوست ہیرے سے کم نہیں ہوتا۔

❁ تمام احسانوں میں افضل وہ ہے جس کے پیچھے احسان کا اظہار نہ ہو۔

شہزادی فرخندہ...... خانیوال

حال

حال پوچھتے ہو
میں کیسی ہوں
سنو
رنگین اڑتی تتلی کو
چند لمحے
مٹھی میں بند کر کے
پھر ہتھیلی کھول کر دیکھو
جانتے ہو
میں کیسی ہوں؟
ہاں بالکل
اسی بے رنگ تتلی
جیسی ہوں

خواجہ عرفانہ محبوب...... جتوئی

یادگار لمحے

ایک بچے سے دوسرے بچے نے پوچھا آپ کی والدہ اپنی شادی سے پہلے کیا تھیں؟

بچے نے جواب دیا۔ "شادی سے پہلے وہ میری والدہ نہیں تھیں اس لیے میں نہیں جانتا۔"

بے کار ہے

وہ قوم جس میں اتفاق نہ ہو۔
وہ دولت جس میں سخاوت نہ ہو۔
وہ گھر جس میں اخوت نہ ہو۔
وہ دل جس میں محبت نہ ہو۔
وہ عدالت جس میں انصاف نہ ہو۔
وہ دعا جس میں اثر نہ ہو۔
وہ پردہ جس میں حیا نہ ہو۔

ہالہ سلیم......کراچی

تین چیزیں

تین چیزیں احتیاط سے اٹھائیں۔ قلم، قدم، نظر۔
تین چیزیں انسان کو زندگی میں ایک بار ملتی ہیں۔ حسن، جوانی، والدین۔
تین چیزیں بھائی کو بھائی سے جدا کرتی ہیں۔ دولت، عورت، زمین۔
تین چیزیں خلوص دل سے کرنی چاہیں۔ رحم، کرم، دعا۔
تین چیزوں کو کبھی چھوٹا نہ سمجھے۔ قرض، فرض، مرض۔
تین چیزیں یاد رکھنا ضروری ہے۔ سچائی، فرائض، موت۔

ثانیہ گل......اوگی

یہ حقیقت ہے

☆ جہاں جہالت ہو وہاں عقل مند ہونا بے وقوفی ہے۔
☆ مصیبت میں مصیبت کو مصیبت سمجھنا سب سے بڑی مصیبت ہے۔
☆ علم کچھ ہے لیکن تجربہ یا آزمائش سب کچھ ہے۔
☆ محبت ایک ایسا ہتھیار ہے۔ جو دنیا کو اپنی حفاظت میں لیے ہوئے ہے۔
☆ زندگی صرف ایک کہانی ہے۔

ثمیرہ شیخ......گوجرانوالہ

جواہر پارے

آدمی آزاد پیدا ہوا لیکن ہر جگہ زنجیروں میں ہے۔
جو تمہیں سچا سمجھے اس سے جھوٹ بولنا سخت ترین خیانت ہے۔
زندگی کو سادہ مگر خیالات کو بلند رکھو۔
جو خیر کے راستے پر چلتے ہیں اللہ بھی ان کا ساتھ دیتا ہے۔
خوشیاں بھی ساون کے بادلوں کی طرح ہوتی ہیں، کوئی نہیں جانتا کب اور کہاں برس جائیں۔
عادتیں بے شک آپ کی اپنی ہوتی ہیں مگر آپ دوسروں کے لیے ہوتے ہیں۔
ہمیشہ خوشیوں کو ڈھونڈیے کیوں کہ غم تو ڈھونڈے بغیر ہی مل جاتے ہیں۔
جو کرتا ہے اللہ کرتا ہے۔ جو اللہ کرتا ہے صحیح کرتا ہے۔
کسی انسان سے ایسا سلوک مت کرو جو تم اپنے ساتھ نہیں چاہتے۔

بشریٰ انور بھٹی......اوکاڑہ

طاقت ور کون؟

❁ سخت سے سخت چیز پتھر ہے۔
❁ پتھر سے طاقتور لوہا ہے جو پتھر کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔
❁ لوہے سے طاقتور آگ ہے جو لوہے کو پگھلا دیتی ہے۔
❁ آگ سے طاقتور پانی ہے جو آگ کو بجھا دیتا ہے۔
❁ پانی سے طاقتور بادل ہے جو پانی کو اٹھائے پھرتے ہیں۔
❁ بادلوں سے طاقتور ہوا ہے جو بادلوں کو اٹھائے پھرتی ہے۔
❁ ان سے زیادہ طاقتور عقل ہے۔
❁ عقل سے کام کرنے والے لوگ نقصان نہیں اٹھاتے۔

❀ عقل سے طاقتور محنت ہے کیونکہ کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔

❀ انسان عقل اور محنت کے ذریعے کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔

عائشہ سجل...... چوٹالہ

اچھی باتیں

❖ سب سے زیادہ عقل مند وہ شخص ہے جو اچھی طرح اپنی بات ثابت کر سکے۔

❖ کسی کو نصیحت نہ کریں کیوں کہ بے وقوف سنتا نہیں اور عقل مند کو اس کی ضرورت نہیں۔

❖ اپنے دوست کو راز نہ دو کہیں یہ اعتماد ناگ کی طرح نہ ڈس لے۔

❖ کسی سے امید نہ رکھ کیونکہ جب وہ آپ کی امیدوں پر پورا نہ اترے تو دکھ بہت ہوتا ہے۔

❖ علم ایک ایسی چیز ہے جو کبھی بوڑھی نہیں ہوتی۔

بختاور افتخار...... عارف والا

توفیق

جس کو توبہ کرنے کی توفیق عطا ہو اس کی توبہ کو قبول ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

مثال

اللہ کی سب مخلوق کے ساتھ اچھا برتاؤ ایمان کی عمدہ مثال ہے۔

آسانی

غلطی بتانے سے پہلے مخاطب کی کسی اچھی صفت کا ذکر کردیں اس طرح اس کو اپنی غلطی قبول کرنے میں آسانی ہوگی۔

عظیم

دوسروں کی خوبی کا اعتراف وہی کرتا ہے، جو خود عظیم ہوتا ہے۔

مدیحہ نورین مہک...... برنالی

عام کریں

☆ ہیلو کی جگہ السلام علیکم کہیں۔

☆ تھینک نہیں، جزاک اللہ کہیں۔

☆ بائے اور ٹیک کیئر نہیں فی امان اللہ کہیں۔

☆ گریٹ نہیں ماشاءاللہ کہیں

☆ آئی ایم فائن نہیں، الحمدللہ کہیں۔

☆ زبردست نہیں، سبحان اللہ کہیں۔

ان الفاظ کو سنت کے مطابق ادا کریں۔

درخشاں بی...... چوٹالہ

پہچان لفظوں کی

رب! کے بنیادی معنی نشوونما دینے والا، کسی چیز کو نقطۂ آغاز سے پایہ تکمیل تک پہنچانے والا، اصلاح کرنے والا، مستحکم انتظام کرنے والا، اور تازگی اور شادابی کے ساتھ آگے بڑھانے والا۔

نرگس خان...... کراچی

سنہری کرنیں

☆ اگر تمہاری کھوئی ہوئی کوئی چیز تمہاری دوست کو مل گئی ہے تو اسے کھویا ہوا محسوس نہ کرو۔

☆ زبان کی حفاظت دولت سے زیادہ مشکل ہے۔

☆ آنسو بہاؤ اور خوب بہاؤ یہ سوچ کر نہیں کہ ہماری دعائیں نہیں پوری ہوئیں۔ یہ سوچ کر کے ہم کتنے گنہگار ہیں کہ خدا تک پہنچ ہی نہ سکیں۔

ماجو خان...... کھلابٹ کالونی



aayna@naeyufaq.com

آئینہ

نظیر فاطمہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! اللہ رب العزت کے بابرکت نام سے ابتدا ہے جو خالق دو جہاں ارض وسماں کا مالک ہے۔ یہ سال بھی خوشی و غم کی سوغات لیے اب رخصت ہوا چاہتا ہے۔ اللہ رب العزت کے کرم سے ہم گناہ گار حکمرانوں کی صورت میں عذاب بھگت ہی رہے ہیں۔ اللہ رب العزت ہم پر رحم فرمائے اور ہمیں اپنے اعمال بہتر کرنے کی توفیق دے، آمین۔ ان شاء اللہ اگلا شمارہ سال نو کے حوالے سے ہوگا۔ اب بڑھتے ہیں بزم آئینہ کی طرف جہاں آپ کے تبصرے ستاروں کی مانند جھلملا رہے ہیں۔

صدف عابدانی بلوچ...... گھوٹکی ۔السلام علیکم! باجی شہلا امید کرتی ہوں کہ آپ سب ٹھیک ہوں گے، آنچل میں میرا تیسرا لیٹر ہے۔ کوشش تو کرتی ہوں کہ لیٹر جلدی لکھوں پر مصروفیت اتنی ہیں تھوڑی دیر ہو جاتی ہے۔ میں آپ کے میگزین میں نئی ہوں مگر آپ کے میگزین کو بیس ستمبر تک دو دفعہ مکمل پڑھ چکی ہوں، سب ہی رائٹر بہت اچھا لکھتی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں مگر ابھی معیار کو اور بہتر کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ اس میں غزل کے صفحے بڑھا دیں تو بہتر رہے گا پلیز۔ آئینہ میں جو خط مجھے قابل احترام لگے۔ نمرہ شاہین، پروین شاہین، غزل راحت، ہانیہ سومرہ کے خط پڑھنے میں دلچسپ تھے اور آپی میں جو غزل بھیجتی ہوں وہ میری شاعری نہیں ہوتی بلکہ جو مجھے پسند آتے ہیں وہ بھیجتی ہوں امید ہے شائع کریں گی۔ روحی کی نوکری کے حوالے نہیں کریں گی اور ہاں باجی مجھے آنچل کی سب سے اچھی بات وہ لگی کہ آپ ''در جواب آں'' میں سب کو جواب دیتی ہیں مجھے بہت، بہت، بہت پسند آیا۔ آپی ناراض نا ہونا ہم محنت سے لکھتے ہیں اور ہم کوئی بڑے رائٹر نہیں ہیں اگر کہیں الفاظ میں کمی کوتاہی ہو جائے تو درست کر دیا کریں پلیز شکریہ۔ اب تک اللہ حافظ۔

☆ڈیئر صدف! خوش آمدید، پہلی بات در جواب آں ''میں نہیں مدیرہ جواب دیتی ہیں، دوسری بات ہم شاعری کے شعبے میں انتخاب شائع نہیں کرتے ذاتی شاعری شائع کی جاتی ہے اس لیے انتخاب ضائع کر دیا جاتا ہے۔ امید ہے آئندہ تفصیل سے تبصرہ لکھ کر بھیجیں گی تمام کہانیوں پر۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر ۔ پیاری آپی سعیدہ نثار۔ پیاری باجی شہلا عامر۔ السلام علیکم اس بار آنچل اکتوبر کا شمارہ سدرہ جبار کے سرورق سے سجا کچھ لیٹ ملا۔ ''سرگوشیاں'' میں آپی نے فرمایا کہ ملک بھر میں کاغذ کا بحران اب اپنے عروج پر پہنچ چکا ہے اللہ کرے یہ بحران جلد حل ہو جائے ورنہ ہم تو شدید بور ہو جائیں گے۔ بارشوں کی وجہ سے رسائل کی ترسیل بہت بڑا مسئلہ بن چکا ہے گزشتہ دو ماہ سے رسائل بہت ہی لیٹ آ رہے ہیں اسی وجہ سے اس بار آنچل میں خطوط بھی بہت کم شائع ہوئے ہیں۔ ہر بار آنچل میں نئی نئی گرلز کا افسانہ شائع ہو رہا ہے۔ جس کی وجہ سے رونق لگی ہوئی ہے۔ دعا ہے آنچل اور عروج حاصل کرے آمین۔

رضوانہ وقاص...... کرلاں ہری پور ۔السلام علیکم! امید کرتی ہوں سب بہنیں، دوستیں خیریت سے ہوں گی۔ دو، تین ماہ سے میں اپنا نام ''آئینہ'' میں نہ دیکھ کر اداس ضرور ہوئی لیکن ناراض نہیں ہوئی کوئی اپنی آپیوں سے ناراض رہ سکتا ہے۔ نہیں ناں تو اس دفعہ آپ نے کسر پوری کر دی۔ میں اپنا نام دیکھ کر خوش ہو گئی۔ آپ کو پتا ہے روز بندہ بتاتا ہوا بھی اچھا نہیں لگتا نہ کہیں آ جا سکتی ہوں نہ خود چل کر تفریح کا ذریعہ بھی اور کوئی نہ ہو، تو مجھے پیارے آنچل کا بے صبری سے انتظار ہوتا ہے پھر خط میں اپنا نام دیکھ کر اچھا لگتا ہے ناں۔ اس دفعہ پہلے امی کو بتایا امی یہ دیکھیے میرا ادھر نام آیا ہے۔ اس دفعہ پھر بھی آنچل نے اتنا انتظار نہیں کروایا۔ دس تاریخ کو مل گیا جلدی جلدی پڑھا۔ خط لکھ لوں لیٹ نہ ہو جائیں۔

سدرہ جبار کی کیا بات ہے جی۔ ہر مہینے نہ صحیح دوسرے تیسرے مہینے جلوہ افروز ہوتی ہیں کھڑے کھڑے لگتا ہے اب تھک گئی ہے اب بیٹھ گئی ہے جو بھی اسٹائل زبردست ہوتا ہے۔ بالوں کا اسٹائل اچھا بناتی ہیں کیونکہ میں اب اپنی کنگھی نہیں کر سکتی نا تو بال بنائیں ہوئیں اچھے لگتے ہیں۔ میری کنگھی امی کرتی ہیں جیسی بھی کریں مجھے اچھی لگتی ہے۔ "سرگوشیاں" پڑھی اس میں ناراضی والی کون سی بات ہے۔ دیر اگر ہو بھی جاتی ہے لیکن آنچل ہمیں مل تو جاتا ہے بس اللہ کریں بارشوں والا سلسلہ تھم جائیں اور جو لوگوں کو ہر طرح کی پریشانی ہو رہی ہے جلد از جلد اللہ پاک آسانی فرمائیں آمین۔ ریل کا نظام بھی ٹھیک ہو جائیں کتنی پریشانی ہے۔ ہر نظام ٹھیک ہو جائیں اور بے روزگاری ختم ہو، میں نے روزگار لوگوں کے لیے بہت دعا کرتی ہوں اللہ پاک بے روزگاری ختم کریں۔ ہر مسلمان بھائی کو روزگار ملے آمین۔ بے روزگاری بہت بری چیز ہے اور غریبوں کو دیکھ کر بہت بہت ہی پریشان ہو جاتی ہوں۔ ہمارے حکمران بھائی، پلیز پلیز غریب لوگوں کے لیے کوئی حل نکالیں۔ وہ بیمار ہوتے ہیں پھر کتنی پریشانی ہوتی ہے میرا بہت دل دکھتا ہی جو ہو سکے غریبوں کی مدد بھی کرتی ہوں کاغذ نہ ہی ختم ہو کاغذ پر لکھنے کا اپنا ہی مزا ہے لیکن جیسے جیسے اور پرانی چیزیں ختم ہو رہی ہیں کاغذ بھی ختم ہو جائے گا لیکن کاغذ ختم نہ ہی ہو اچھا ہے "حمد ونعت" دونوں ہی اچھی "وہ جو عشق تھا" محراب تو اچھا کر رہی ہے زارون کے ساتھ لیکن زارون نے تو کسی کے ساتھ بھی اچھا نہیں کیا اب پچھتانے کا کیا فائدہ جب وہ لوگ مر چکے ہیں، اب جو زندہ ہیں ان کے ساتھ اپنا رویہ اچھا رکھے، معافی مانگ لیں۔ آئرہ اچھی دوست بن گئی محراب کی۔ یہ بات محراب کی اچھی لگی کہ اللہ کے بعد اگر کسی کو سجدے کا حکم ہوتا تو بیویاں اپنے شوہر کو سجدہ کرتیں۔ اب پتا نہیں زارون کیا کرے گا۔ محراب کے ساتھ "دہی رانی" باپ اس طرح اپنی بیٹیوں سے محبت کرتے ہیں لیکن بیٹیوں کو بھی چاہیے وہ بھی اپنے باپ کی عزت کا خیال رکھیں۔ ریشم کو تو بروقت ہوش آ گیا ورنہ واقعی گندگی میں گر گئی تھی۔ مراد جیسے مرد ہی ہوتے ہیں جو محبت کا جھوٹا جھانسا دے کر لڑکیوں کی عزت کا خیال نہیں رکھتے۔ زہر لگتے ہیں ایسے مرد۔ ایک ایک کو سزا ملنی چاہیے لیکن لڑکیاں بھی یہ بات کیوں نہیں سوچتی کہ ہمیں بھی اپنی عزت کا خیال رکھنا چاہیے۔ پلیز "مجھ کو تسلیم کیوں نہیں کرتے" ظہیر ہمایوں کو نشید صحیح تنگ کر رہا ہے۔ چاہت مجھے لگتا ہے۔ جگنو کو ہی ملیں گے مریم پر غصہ آتا ہے اس کا منگیتر اس کے ساتھ ٹائم گزارنا چاہتا ہے وہ نشید کے ساتھ چلی گئی۔ مجھے نہیں لگتا مریم کی شادی شکیب سے ہوگی۔ یہ اب جگنو جاذب رحمان نکل آیا۔ چاہت کا رشتہ دار ہوگا۔ "اعتبار کا موسم" واقعی میاں بیوی کو ایک دوسرے پر اعتبار ہونا چاہیے۔ دونوں ایک دوسرے سے کوئی بات نہ چھپائیں مجھے بھی اپنے شوہر پر اعتبار ہے بہت زیادہ بس انہیں بولتی ہوں دھوکہ نہیں دینا مجھے کسی بھی بات پر بلکہ یہ معاملے میں بس دھوکہ نہیں دینا۔ جن سے محبت ہو اس پر اعتبار بھی ہونا چاہیے۔ یہ رشتہ اچھا بھی بہت ہے اور ناز بھی بہت ہے۔ "دل کانچ کا گھر" مجھے بہت ہی اچھی لگی اور بہنیں بھی یہ بات اچھی لگی کوئی ڈاکٹر ہے، کوئی آفس میں کام کرتی ہے۔ میں کہانی پڑھ رہی تھی جہاں، عمر اور مومن بڑی بیگم کے کمرے میں گھس گئے اور کس سے لینا دینا۔ میں ہنس ہنس کر پڑھ رہی تھی۔ عباس، ارسلان ٹیوشن پڑھ کر آئیں بولا مما کیوں ہنس رہی ہیں۔ ہمیں بھی سنائیں۔ ساری ہی اچھی لگی۔ "اولڈ ہاؤس" یہ ہماری نئی نسل کو کیا ہو گیا کیوں بزرگوں کو بوجھ سمجھنے لگ گئے ہیں۔ یہی وقت ہوتا ہے دعائیں لینے کا۔ جب گھر میں بزرگ نہیں ہوتے۔ وہ گھر بہت بے رونق اور خالی خالی نظر آتا ہے۔ پلیز اپنے بزرگوں کا خیال رکھیں۔ آج ہم اپنے والدین کا خیال رکھیں گے تو کل وہ ہمارا خیال رکھیں گے ان شاء اللہ۔ "بیاض دل" میں ماورا طلحہ، تمنا بلوچ، من تشاء، ارحا، اسفر شاہ، صبا جاوید، سباس گل، سفینہ، فوزیہ، فرح فرحت، اقرا احمد، میرا اپنا شعر، شاہ بہرام، عائشہ صدیق، شعر بہت ہی اچھے لگے۔ "نیرنگ خیال" میں سب ہی نے بہت اچھا لکھا۔ "دوست کا پیغام آئے" شکریہ جی مجھے بھی جگہ دی۔ ناہید کمال شکریہ آپ نے یاد کیا۔ انعم محسن آپ کو بہت بہت مبارک ہو قرآن مجید حفظ کرنے پر یہ تو بہت ہی خوشی کی بات ہے میرے لیے بھی دعا کرنی ہے۔ عبیدہ

یاسمین کا شعر اچھا لگا، شہزادی وردہ شکریہ آپ نے یاد کیا۔ ''یادگار لمحے'' سارے کا سارا ہی اچھا ہے۔ پڑھ کر ابو کو بھی سناتی ہوں امی کو بھی۔ ''آئینہ'' میں دور کر چھلانگ لگائی۔ شکر ہے۔ جی اپنا نام دیکھ کر خوش ہوگئی کوشش تو یہی ہوتی ہے جو کہانی پڑھ لی جائیں تبصرہ کر کے خط لکھ ڈالوں۔ اب دن چھوٹے ہوگئے ہے آج پورا دن ہی خط لکھنے میں لگ گیا کہ لیٹ ہوگیا، شہلا آپا جگہ نہیں دیں گی۔ ربیع الاول کا مہینہ ہے اس میں جتنا ہوسکتا ہے درود شریف پڑھیں میری کوشش یہی ہے کہ جتنی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہوسکیں کرنی چاہیے، اللہ ہماری دعائیں قبول فرمائیں آمین۔ شاہ بہرام بھائی آپ کا تبصرہ بہت ہی اچھا ہوتا ہے۔ لڑکوں کو تو ان ڈائجسٹوں میں دلچسپی نہیں ہوتی، کوئی شعر پڑھ لیا کوئی بات آپ کیسے پڑھ لیتے ہیں آنچل۔ اب میں خط یا اپنی کوئی بات آنچل میں آئی ہو۔ وہ اپنے شوہر کو دکھاتی ہوں یہ دیکھے میرا نام آیا ہوا ہے۔ رابعہ احمد خوش آمدید بیٹے اور بھتیجے کو سالگرہ مبارک، نمرہ شاہین، کیسی ہیں آپ میں بھی کلر سیداں آئی تھی چھ چکر لگا میں دم کروانے آئی تھی۔ پلیز اپنے گھر کا پتا بتائیں پھر آئی آپ کو بھی ملوں گی اگر ناراض نہ ہوں اور بتاسکیں تو، بس خیل پہلے تو آپ کو خوش آمدید بولتی ہوں لیکن آپ کا نام یہ کیسا نام ہے، جی نیور مائنڈ لڑکی اگر بگڑے پر آئیں تو ویسے بھی بگڑ جاتی ہیں۔ ان آنچل سے تو ہم سیکھ سکتے ہیں اب میں جتنی بھی پریشان ہوں۔ ان کہانیوں کو پڑھ کر پھر حوصلہ مل جاتا ہے۔ طیبہ یاسمین، نجمہ جبار، خوش آمدید جی ہر کد ے آ ؤ جی کیسا لگا ہمارا آنچل۔ چلیے جی بہت دماغ کھالیا آپ کا۔ سمیر کی پندرہ تاریخ کو سالگرہ ہے وش کردینی ہے میرے پیارے خالہ زاد کو۔ چلیے جی سب کو محبتوں بھرا اسلام، شہلا آپی آپ خوش رہیں ہمیشہ۔ آپ ہمارے خط کو جگہ دیتی ہیں چلیے جی غلطی ہوئی معاف کرنا اپنی بہن، دوست کو۔

شاہ بہرام انصاری ...... **ملتان شریف**۔ شہلا آپی اور باقی سب ہی پڑھنے والوں کو السلام علیکم! ایک ماہ کے قلیل وقفے کے بعد دوبارہ سے آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ امید ہے سب نے ہمیں مس نہیں کیا ہوگا ہاہاہا بھئی اس غیر حاضری کی وجہ نہ تو ہم خود تھے اور نہ ہی پیاری آنچل ٹیم بلکہ دیگر قارئین کی طرح بندہ راقم کی ڈاک بھی ادارے تک لیٹ پہنچی جس کا باعث سب کو معلوم ہے کہ مالک کا ایک تہائی حصہ زحمت کا پانی میں ڈوبا ہوا ہے اور ابھی تک کافی امور میں خلل ڈال رہا ہے۔ اس وجہ سے ہمارے مراسلے ادارے تک بروقت نہیں پہنچ سکے اور ظاہری بات ہے کہ اشاعت سے محروم رہے۔ ہماری غیر حاضری کی بس یہی ایک قدرتی وجہ تھی ورنہ ہمارا تو ارادہ تھا کہ پورا سال تبصرہ چھپوانے کا ریکارڈ بنائیں۔ جی ہاں جناب ہماری آنچل میں شرکت کے اس پہلے برس بیس بائیس میں سوائے ستمبر کے پرچے کو چھوڑ کر باقی پورا سال بندہ ناچیز کے آئینہ میں بلاناغہ خطوط چھپتے رہے۔ اگر گزشتہ باری چھٹی نہ ہوتی تو ان شاء اللہ باقی دو تین ماہ بھی پابندی سے خطوط لکھ کر بھیجنے کا ارادہ تھا خیر ہونی کو کون ٹال سکتا ہے۔ شاید ایسا ہی لکھا تھا۔ بہرحال اس غمگین تمہید کے عرض کرنے کے بعد خوش گوار موڈ کے ساتھ اکتوبر کے حالیہ شمارے پر تبصرہ کی جانب بڑھتے ہیں من موہنا آنچل اس دفعہ بھی چھ تاریخ کو وصول پایا۔ چار مہینوں سے ڈائجسٹ اپنی مقررہ تاریخ سے بارہ دن تاخیر سے آرہا ہے، جس کا ہمیں دکھ تو ہے پر آپ کی ''کاغذی اور سیلابی'' پریشانیوں کا پورا احساس بھی ہے لہٰذا اس متعلق کوئی شکایت نہیں کرتے۔ ماڈل سدرہ جبار نے اس بار فرینہ اعجاز کا ریکارڈ توڑ دیا کہ ایک ایک سال میں چار مرتبہ ماہانہ رسالے کے سرورق کی زینت بن گئیں۔ بالکل اس سال جنوری، فروری، ستمبر اور اب اکتوبر کے چاروں آنچل شماروں کے ٹائٹل پر یہی ماڈل براجمان ہیں۔ مطلب پچھلی دفعہ یہی محترمہ تھیں اور اس بار بھی جبکہ حجاب کے سرورق پہ بھی ان ہی کی تصویر ہے لگتا ہے ٹائٹل منتخب کرنے والے کو پسند آگئی ہیں۔ ہی ہی ہی...... لباس اور ڈوپٹا بڑی بہن سے لے کر پہنا ہوا لگ رہا تھا جسے دیکھ کر ہمیں بار بار اپنی ایک آنٹی کا خیال آرہا تھا۔ صفحہ پلٹتے ہی نئے افق کی ویب سائیٹ نئے اچھوتے طرز پر جلد اپ لوڈ ہونے کی خوش خبری ملی تو دل باغ باغ ہوگیا۔ آپ نے بہت اچھا فیصلہ کیا کہ ادارے کی آفیشل ویب سائیٹ پر پرانے شمارے، نئی کہانیاں اور حالات

حاضری سے متعلقہ خبریں بھی ملا کریں گی۔اس کے لیے ایڈوانس میں بہت بہت شکریہ۔دوبارہ پیج پلٹتے ہی اپنے شہر کا حکیمی اشتہار دیکھ کر اچھا لگا۔فہرست میں کچھ چیزیں شامل تھیں اور کچھ غائب۔''سرگوشیاں'' میں آنی محترمہ ایک دفعہ دوبارہ سیلاب کی تباہ کاریوں اور کاغذ کے مسائل پر بات کر رہی تھیں۔زندگی اور پاکستان میں کیا پہلے پریشانیاں کم تھیں کہ ان دو نئے مسئلوں نے بھی سر اٹھالیا۔ہم تو ابھی کرونا اور مہنگائی کے وار نہیں جھیل پائے عابد نظامی کی حمد اور پروفیسر عنایت علی خان کی نعت نہایت بابرکت اور پر کیف محسوس ہوئی۔دونوں کے سادہ الفاظ اور انداز بیاں نے من موہ لیا۔''در جواب آں'' حسب معمول سب کو حوصلہ افزا جوابات دیتا نظر آیا ان تمام بہنوں کے لیے نیک تمنائیں جن کی تحاریر اپنی اشاعت یا مطالعہ کی منتظر ہیں اس دفعہ ایک بھائی صاحب بھی مدیرہ جی کے جوابی سلسلے میں شمولیت قائم کیے ہوئے تھے۔ایک کہانی ''تو میری عید کا چاند'' قابل اشاعت اور ناقابل اشاعت دونوں لسٹوں میں شامل تھی۔چہ معنی دارد؟ سورۃ القدر کی تشریح اختتام پزیر ہوئی۔کھلی لائنوں میں تحریر شدہ ''دانش کدہ'' کے آخری حصے کی تکمیل پر انکل مشتاق قریشی صاحب کو ڈھیروں مبارک باد اور بے حد جزاک اللہ۔اختتامی طویل دعا ہم نے صدق دل سے آمین کہا۔''ہمارا آنچل'' کے لیے بہنیں ابھی مدیرہ سے اجازت، معلومات لے رہی ہیں اس لیے فی الحال کسی کا انٹرویو شائع نہیں تھا۔ان شاء اللہ اگلے ماہ میں اس سلسلے کے لیے اپنا تعارف مع تصویر ارسال کروں گا۔نازیہ آپی صحت یابی کے بعد ''وہ جو عشق تھا'' کی نا معلوم قسط نمبر کے ہمراہ شامل محفل تھیں مگر لگتا ہے ابھی آپی پوری طرح تندرست نہیں ہوئیں تب ہی چند ایک صفحات ہی لکھ پائیں بہر طور اچھا لگا اور مزید ان کی صحت کے لیے دعا گو ہیں۔دوسرا سلسلہ وار ناول ''مجھ کو تسلیم کیوں نہیں کرتے'' اب اپنے آپ کو تسلیم کروانے لگ گیا ہے کیونکہ سولہ اقساط کا جوان جو ہو چکا ہے ہاہاہا، راحت جی نے معقول صفحے تحریر فرمائے۔ام ایمان قاضی کا ''دل کانچ کا گھر'' ابھی نازک کانچ کی مانند لگ رہا ہے کہ ابھی آغاز ہے جبکہ آگے جا کر کہانی اور کردار مزید کھلیں گے۔مصنفہ کے لیے ویلڈن۔فرح بھٹو کا مکمل ناول ''مہر پوش'' متاثر کرنے میں کامیاب ٹھہرا تاہم اگر طویل اور ہوتا تو بہتر لگتا۔ویسے اس ناول کو پڑھ کر ہمیں عائزہ خان اور دانش تیمور کا جیو پر لگنے والا ڈرامایاد آ گیا جو اسی عنوان سے ٹیلی کاسٹ ہوا تھا۔شگفتہ کنول کا ناولٹ ''یک نہ شد چار شد'' واقعی چار شدوں کے برابر پسند آیا ہاہا ہی ہی۔آپ سے التماس ہے کہ ہر ماہ لگاتار کم سے کم ایک ناولٹ ضرور دیا کریں۔اچھا لگتا ہے مکمل ناول اور افسانے کے بیچ کے مواد اور معیار کی کہانی پڑھ کر افسانے ماشاءاللہ چار عدد جگمگا رہے تھے۔حنا بشریٰ کے ''دھی رانی'' کو آپ لوگوں نے ''دہی رانی'' ہی بنا دیا ویسے دہی اور رانی دونوں بہت پیاری چیزیں ہیں (اب آپ خود ہنس لیں۔کیا میں بار بار ہاہا، ہی ہی لکھتے اچھا لگتا ہوں) مہوش اسد شیخ بولیں کہ اگر ''اعتبار کا موسم'' ہو تو سحر سن خان کا بنایا ''بڑا گھر'' بھی ایشاء گل کے ''اولڈ ہاؤس'' جیسا لگتا ہے۔خلفائے راشدین سلسلہ غائب رہا۔''بیاض دل'' میں اب کی بار تمام شعرائے اچھی کوشش کی۔فرنٹ پہ آپی ماورا طلحہ براجمان تھیں۔''ڈش مقابلہ'' میں پہلی ڈش ملگھنی سبزیاں سمیت باقی بھی پسند آئیں۔پچھلے ماہ ہماری ترکیب بھی پہلی دفعہ شامل تھی۔''نیرنگ خیال'' کا کہیں تو کیا کہیں البتہ فرسٹ والی ویری کیف کی غزل ''آنکھیں'' باکمال اور آنکھوں کو کھول دینے والی ثابت ہوئی۔اس طرح کی شاعری پہلی مرتبہ زیر مطالعہ آئی اور کئی لفظ تو سر سے گزر گئے پھر بھی سب گھر والوں نے اس کو مزے سے پڑھا اور محظوظ ہوئے۔''ہم سے پوچھیے'' میں ہم اب دوبارہ اپنے سوال بھیج رہے ہیں پہلی دفعہ چھپنے کے لیے۔''دوست کا پیغام آئے'' شہزادی وردہ آپی یاد کرنے اور بریکٹ میں تعریف دینے کا بڑا شکریہ۔''آئینہ'' کی محفل میں رضوانہ وقاص کے علاوہ تمام نئی تھیں تو رابعہ احمد بھٹی، نمرہ شاہین، بس خیل آفریدی، طیبہ یاسمین اور نجمہ جبار کو ویلکم۔خوشی ہوئی کہ نومبر کا آنچل ٹائم پر ملے گا ورنہ ہم موجودہ روٹین سے مطمئن نہیں تھے۔دو ماہ سے ''حجاب'' بھی ہماری شرکت اور نگارشات سے فیض پانے لگ گیا ہے باقی ''آپ کی صحت'' کو ہم قارئین مس کر رہے ہیں۔

قرۃ العین پلوس...... کراچی ۔السلام علیکم! امید کرتی ہوں سب بخیر وعافیت ہوں گے۔آنچل کے لیے مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑتا، تیس تاریخ کو ہی میرے ابو جی مجھے لاکر دے دیتے ہیں، میں کافی دنوں بعد آنچل میں شرکت کررہی ہوں۔اس کی کہانیاں اور باقی تمام سلسلے بھی اتنے زبردست ہوتے ہیں بندہ کسی سے شیئر نہ کرسکے تو سکون نہیں ملتا۔اس بار بھی آنچل بیسٹ رہا۔ٹائٹل گرل بڑی معصوم سی لگی پھرآگے بڑھے اور سلسلے وار ناولز پر پہنچے۔"مجھ کو تسلیم کیوں نہیں کرتے" میں اسٹوری بہت تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے۔مجھے لگتا ہے چاہت بھی جگنو کو پسند کرنے لگی ہے۔ باقی ناول اچھے انداز میں آگے بڑھ رہا ہے۔راحت وفا جی کیا لکھتی ہیں آپ ماشاء اللہ۔ام ایمان قاضی آپ ماشاء اللہ بہت اچھی طرح سے کہانی کو لے کر چل رہی ہیں اس کہانی میں حیا، جیا اور صفا کے کردار میرے فیورٹ ہیں، عمر اور صفا ان دونوں کا ہی کپل بنائیے گا۔"پچھتاوا" شبانہ اسلم نے بھی بہت پیارا لکھا۔ان شاء اللہ یہ کونپل پھول ضرور بنے گی اور اپنی خوشبو سے آنچل کو معطر کرتی رہے گی۔نازیہ کنول کا مکمل ناول تو ہمیشہ کی طرح بیسٹ رہا، آپ ہمیشہ ہی بہت بیسٹ لکھتی ہیں۔نازیہ کنول جی آپ کی تو کیا تعریف کی جائے، سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف بس آپ ناول کا اینڈ اچھا کیجیے گا ورنہ عجیب سا دل ہوجاتا ہے۔"تیرے بخت کی روشنی" بڑا الگ سا لگا، بڑے ہلکے پھلکے انداز تحریر میں بہترین ناول۔ہما عامر آپ کے ناول نے دل کو چھولیا بہت پیارا لکھا۔حنا اشرف آپ نے تو رلا دیا۔نظیر فاطمہ کا افسانہ بھی زبردست رہا۔ غزلیں اور نظمیں تو سب ہی بہترین رہیں۔اشعار بھی پسند آئے۔"یادگار لمحے" ہمیشہ کی طرح یادگار رہے۔"آئینہ" میں سب کے تبصرے پڑھ کر مزا آیا۔"ہم سے پوچھیے" سب کے سوالات اور شمائلہ آنی کے جوابات نے بہت محظوظ کیا۔باقی تمام سلسلے بھی اچھے رہے۔"ہمارا آنچل" کیوں شائع نہیں کیا جارہا۔امید ہے اگلی بار کا آنچل بھی خود میں ڈھیروں ستارے سجائے خوب صورت رہے گا۔آخر میں چھوٹی سی دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی اللہ تعالیٰ آپ سب کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کی توفیق دے اور ملک پاکستان کو اپنے حفظ وامان میں رکھے آمین، والسلام۔

☆قرۃ العین گڑیا! اب برابر شرکت کرتی رہنا آپ کا تفصیلی تبصرہ بہت اچھا لگا۔

صدیقہ خان...... پشاور ۔ڈیئر شہلا آپی! آنچل اسٹاف اور قارئین کو میرا سلام۔امید کرتی ہوں آپ تمام لوگ خیر وعافیت سے ہوں گے۔نومبر کا آنچل ستائیس تاریخ کو ہاتھ میں آیا تو سرورق کچھ خاص نہ لگا۔آنی جی کی "سرگوشیاں" سن کر "حمد ونعت" سے سرور حاصل کیا۔"ہمارا آنچل" اس ماہ بھی غائب تھا بھلا کیوں۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے ملک کو امن اور خوشیوں کا گہوارہ بنادے تمام مسلم ممالک سمیت۔"وہ جو عشق تھا" کو نازیہ آپی بہت خوب صورتی سے آگے بڑھا رہی ہیں۔"دل کانچ کا گھر" اور "مجھے تسلیم کیوں نہیں کرتے" خوب صورت موڑ پر ہیں۔باقی آنچل ابھی زیر مطالعہ ہے، دعاؤں میں یاد رکھیے گا، اللہ حافظ۔

☆اب اس دعا کے ساتھ اجازت کہ اللہ رب العزت ہم پر رحم فرمائے اور ملک پاکستان کو مزید ترقی کی طرف گامزن کرے آمین۔



info@naeyufaq.com

ہم سے پوچھیے

شمائلہ کاشف

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

س:۔ مجھے کیسے یقین آئے گا کہ میرے میاں جانی پرنس افضل شاہین مجھ سے سچی محبت کرتے ہیں یا جھوٹی؟

ج:۔ دوسری شادی کی اجازت دے کر دیکھ لیں لگ پتا جائے گا۔

س:۔ مگر مچھ کے آنسوؤں اور عورت کے آنسوؤں میں کیا فرق ہے؟

ج:۔ وہی جو اصل اور ڈراموں والے آنسوؤں میں فرق ہوتا ہے۔

س:۔ کیا یہ سچ ہے کہ شادی کے بعد عورت کو راحت اور مرد کو مصیبت ملتی ہے؟

ج:۔ یہ تو پرنس سے پوچھ کر ہمیں بھی بتا دیں جلدی سے۔

شاہ بہرام انصاری...... ملتان

س:۔ شمائلہ آپی کیسی ہیں آپ اور کام وام کیسا چل رہا ہے آپ کا؟

ج:۔ ہمیں الحمدللہ ہمیشہ کی طرح بہت ہی پیاری اب چل نا جانا۔

س:۔ آپی! پہلی بار آمد پر خاص انداز میں ہمیں خوش آمدید کہیں؟

ج:۔ مثلاً کیسے؟

س:۔ سچ بتائیں کیا ہمارے آنے سے آپ کو کچھ الگ پن یا خوشی محسوس ہوئی؟

ج:۔ کوئی خاص نہیں۔

س:۔ ہم سے پہلے اس محفل میں آپ کا کسی ''صنفِ آہن سے واسطہ پڑا؟''

ج:۔ جی کئی بار جو دم دبا کر بھاگ بھی گئے۔

س:۔ پچھلے سال ہمارے سوال آپ کیوں گول کر گئی تھیں، کیا زیادہ مشکل تھے؟

ج:۔ وہ ڈاکیہ کھا گیا تھا۔

س:۔ اچھا اب جاتے جاتے دعا کے ساتھ بتائیں کہ کیا کھا رہی تھیں اس وقت؟

ج:۔ ہم نے آپ ہی کھا رہے جو اللہ آپ کو ہضم بھی کرادے۔

مدیحہ نورین مہک...... گجرات

س:۔ لوگ چاند سے تشبیہ دیتے ہیں سورج سے کیوں نہیں؟

ج:۔ آنکھیں جل جاتی ہیں، اس لیے۔

س:۔ اگر خوشیوں کی دکان ہوتی تو کتنی مہنگی ہوتی؟

ج:۔ سونے کی قیمت سے زیادہ۔

س:۔ کسی سے اپنا ادھار واپس لینے کا بیسٹ طریقہ کیا ہے؟

ج:۔ اس کا جوتا چھپا دو۔

س:۔ لوگ اتنے کالے ہونے کے باوجود بھی کہتے ہیں ماشاء اللہ میں نے کبھی غرور نہیں کیا، کیوں؟

ج:۔ کیونکہ ان کے پاس غرور نہیں ہوتا۔

س:۔ اگر چھت پر درخت لگانے کا رواج ہوتا تو؟

ج:۔ سب باغ چھت پر ہوتے سوائے سبز باغ کے۔

س:۔ غصہ نکالنے کا بیسٹ طریقہ کیا ہے؟

ج:۔ رانگ نمبر ملاؤ اور خوب کھری کھری سناؤ۔

س:۔ آلو سارا سال کیوں چلتے ہیں تھکتے نہیں؟

ج:۔ تھک جاتے ہیں اس لیے تو پیٹ میں جا کر آرام کرتے ہیں۔

س:۔ آپ کیوں غصہ ہو رہی ہیں؟

ج:۔ کیونکہ تم پہلی ہو رہی ہو۔

ماریہ نذیر...... بھاگتا نوالہ

س:۔ وہ پوچھنا یہ تھا کہ جب بھوک لگے تو بجلی کے جھٹکے کھا سکتے ہیں؟

ج:۔ بالکل کھا سکتے ہیں بشرطیکہ بجلی آرہی ہو۔

س:۔ وہ جی میں نے سنا ہے آپ مجھے بہت مس کررہی تھیں؟

ج:۔ ہاں...... سر میں بہت درد ہے شاباش اچھے سے مالش کردو۔

س:۔ شمائلہ آپی مارچ اور اپریل موسم بہار لاتا ہے۔ دشمنوں نے افواہ اڑائی ہے آپ نے میرے جیسے کپڑے بنائے ہیں ونٹر کے لیے؟

ج:۔ دیکھو آج کل تو دشمن بھارت ہے۔ تم کس دشمن کی بات کررہی ہو۔

س:۔ کوئی دعا دے دیں بابا جی نہیں نہیں سوری بی بی جی؟

ج:۔ اللہ کرے تمہارے سر کی دو بیویاں ہوں، ایک لنگڑی اور دوسری لولی۔

س:۔ آپ شملہ مرچ کھا کر جواب دیتی ہیں یا ہری مرچ؟

ج:۔ کالی مرچ۔

رقیہ ناز...... میلسی

س:۔ آپی جی ہم آپ سے بہت ناراض ہیں، آپ نے جو ہمیں پچھلی بار ردی کی ٹوکری میں بھیج دیا تھا۔

ج:۔ میں نے تو ردی جمع کرنے بھیجا تھا تم خود اس میں کود پڑی تھیں۔

س:۔ آپ ہمیں منانے کا سوچئے گا بھی مت ہم بہت ناراض ہیں لیکن آپ کوشش ضرور کرسکتی ہیں۔

ج:۔ فضول باتوں کے لیے ٹائم نہیں ہے، ارے تم تو برا مان گئیں اچھا چلو چوسنی لے لو۔

س: اچھا آپی ایک اور بات میری پیاری مما کو ہیپی اینورسری کردیں پلیز۔

ج: پہلے ان سے تو پوچھ لو۔ وہ واقعی ہیپی ہیں؟

س:۔ علامہ اقبال کی نواسی ایک اچھا سا شعر سنا دیں۔ مان جاؤ گی۔

ج:۔ شعر تو میں سنا دوں گی تم یہ بتاؤ تم کس کو سناؤ گی۔

س:۔ ہم آئے ہیں اور بہار بھی آگئی ہے دیکھیے کتنے سدابہار ہیں ہم۔

ج:۔ تم سدابہار نہیں...... باہر ہو وہ بھی گھر سے نکمی۔

س:۔ آپی آپ مرچیں پورا سال اس لیے چباتی ہیں کہ یہ ہر موسم میں میسر ہوتی ہیں؟

ج:۔ نہیں بلکہ یہ دوسروں کو لگانے کے کام آتی ہیں، اب دیکھو تمہیں بھی لگ گئیں ناں۔

س:۔ خوش رہیں اور مجھے بھی اچھا سا اسمائل پوز دے کر اجازت دیں۔ اللہ حافظ۔

ج:۔ اسمائل۔

افشاں، سنکرہ...... عارف والا

س:۔ کیسی ہو شمائلہ آپی؟ پہلی بار آپ کی محفل میں شریک ہوں۔ خوش آمدید تو کہیں۔

ج:۔ خوش آمدید...... اب خوش۔

س:۔ آپی عمران خان کا کیا دوبارہ وزیراعظم بنے۔ یہ نیا پاکستان کب بنے گا؟

ج:۔ آنکھیں بند کرو، اب کھولو، کچھ ہوا، نہیں ناں۔ اتنی جلدی کچھ نہیں ہوتا۔

س:۔ کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ شوہر حضرات کو مجازی خدا کیوں کہا جاتا ہے؟

ج:۔ جب میری شادی ہوگی، تب پتا چلے گا۔

س:۔ اگر میاں صاحب (شوہر) کو ہر وقت غصہ چڑھا رہے تو کیا کرنا چاہیے؟

ج:۔ پہلی ہی دفعہ اوقات یاد دلا دینی چاہیے تاکہ بندہ سر پر نہ چڑھے۔

